جملہ حقوق محفوظ ہیں

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سلسلۂ دار المصنفین

(۳۰)

تاریخ فقہ اسلامی

یعنی

علامہ محمد الخضری مرحوم کی تاریخ التشریع الاسلامی

کا ترجمہ

جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بہ تفصیل بیان کی گئی ہیں

از

مولانا عبد السلام ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ میں چھپی

طبع چہارم — قیمت :- ۱۶ روپیہ — ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء — کاتب سید اقبال احمد

Nizami Book Agency
BUDAUN - 243601 (U.P.)

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ابوعبداللہ محمد بن علی الدامغانی	۴۵۰	ابوبکر محمد بن عبداللہ الابہری	۴۵۵
علی بن محمد البزدوی	"	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بابن ابی زمنین البیری	"
شمس الائمہ بکر بن محمد الزرنجری	۴۵۱	ابوالحسن علی محمد بن خلف المعافری	"
ابواسحاق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار	"	قاضی عبدالوہاب بن نصر البغدادی المالکی	۴۵۶
طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	"	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی	"
ظہیرالدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ	"	ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس الصقلی	"
ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی	"	ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی	"
فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی	"	ابوالحسن علی بن محمد الربعی	۴۵۷
علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی	۴۵۲	ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی	"
کبار فقہائے مالکیہ	"	ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری	"
محمد بن یحییٰ بن لبابۃ الاندلسی	۴۵۲	ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری	۴۵۸
بکر بن العلاء القشیری	"	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی	"
ابواسحٰق محمد بن القاسم بن شعبان العنسی	"	اسمٰعیل بن مکی العوفی	"
محمد بن حارث بن اسد الخشنی	۴۵۳	محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد	۴۵۹
ابوبکر محمد بن عبداللہ المعیطی الاندلسی	"	ابومحمد عبداللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدی	"
یوسف بن عمر بن عبدالبر	۴۵۴	ابواسحٰق ابراہیم بن احمد المروزی	۴۶۰
ابومحمد عبداللہ بن ابی زید	"	ابواحمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمی	"
ابوسعید خلف بن ابی القاسم الازدی	"	ابوبکر احمد بن اسحٰق الضبعی	"

Marfat.com

فان حسبك الله هو الذی ایدك بنصره و بالمومنین والف بین قلوبهم،

ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا بھی ہو گا تاہم (تم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تمہارے لئے کافی ہے (اے پیغمبر) وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی، اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی،

(۶) سورۂ توبہ میں فرمایا:۔

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مومنین،

اور جب یہ لوگ عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو (ان کفر کے پیشواؤں سے لڑو، ان کی قسمیں کچھ بھی (اعتبار کے قابل) نہیں تا کہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجائیں (مسلمانو!) تم ان لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور تم سے (چھیڑ) بھی اول انہی نے شروع کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو، پس اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو تو (ان سے) کہیں بڑھ کر خدا حق دکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو،

ان تمام آیتوں کا خلاصہ وہی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی یہ کہ جہاد صرف مظالم کی مدافعت اور فتنۂ مذہبی کے انسداد کے لئے فرض کیا گیا، یہود مدینہ نے قریش اور منافقین کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا، اور اُن کو غزوۂ احزاب میں اس قدر

خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ کانپ اٹھے تھے، حالانکہ اس سے پہلے ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری معاہدے ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے ان معاہدوں کو توڑ دیا اور انکے شرائط کی خلاف ورزی کی، اس لئے مسلمانوں کو ان کے ساتھ جہاد کا حکم جیسا کہ سورہ توبہ میں مذکور ہے دیا گیا،

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون،

اہل کتاب جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روز آخرت کو اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں، ان سے (بھی) لڑو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں،

جہاد کا حکم پہلے قریش اور مدینہ کے یہود تک جنھوں نے قریش کو آمادہ جنگ کیا تھا محدود تھا، لیکن جب ان کے ساتھ جزیرۂ عرب کے اور قبائل بھی متحد ہو گئے تو خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا،

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین،

اور تم مسلمان سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں، اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے،

قرآن مجید کی مصالحانہ روح کی تائید و توضیح سورہ ممتحنہ کی یہ آیت کرتی ہے،

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا انکے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے تم

Marfat.com

ان تبروھم وتقسطوا الیھم
حنہ تم کو منع نہیں کرتا، (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ
ان اللہ یحب المقسطین انما
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تمکو انہی
ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم
لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے، جو تم سے دین کے
فی الدین واخرجوکم من
بارے میں لڑے، اور جنھوں نے تمکو تمھارے گھروں سے
دیارکم وظاھروا علی اخراجکم
نکالا اور تمھارے نکالنے میں (تمھارے مخالفین کی)
ان تولوھم ومن یتولھم
مدد کی تو جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا، تو سمجھا
فاولئک ھم الظالمون
جائیگا) کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں،

مُعاہدات باہمی

قرآن مجید میں پابندیٔ معاہدات کے متعلق نہایت تاکیدی آیتیں آئی ہیں جن میں بعض تو عام ہیں، مثلاً،

یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود
مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو،
واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم
اور جب تم لوگ آپس میں قول و قرار کرو تو اللہ
ولا تنقضوا الایمان بعد
کی قسم کو پورا کرو، اور قسموں کو ان کے پکا کئے پیچھے نہ
توکیدھا وقد جعلتم اللہ
توڑو، حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو کچھ شک
علیکم کفیلا ان اللہ یعلم
نہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف
ما تفعلون ولا تکونوا کالتی
ہے، (اور قسموں کے توڑنے میں) اس عورت جیسے
نقضت غزلھا من بعد
نہ بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے
قوۃ انکاثا تتخذون،
کرکے توڑ ڈالا کہ اپنی قسموں کو اس وجہ سے

Marifat.com

ایمانکم دخلاً بینکم ان تکون	آپس کے فساد کا سبب بنانے لگو کہ ایک گروہ
امۃ ھی اربیٰ من امۃ	دوسرے گروہ سے زبردست ہے،
واوفوا بالعھد ان العھد	اور عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ قیامت میں عہد کی
کان مسئولاً،	بازپرس ہوگی،

اور بعض خاص، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے مشرکین سے اعلانِ برأت کے بعد سورۂ براءۃ میں فرمایا:۔

الا الذین عاھدتم من	ہاں مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم (مسلمانوں نے
المشرکین ثم لم ینقصوکم	صلح کا) عہد کر رکھا تھا پھر انھوں نے (ایفائے عہد
شیئاً ولم یظاھروا علیکم	میں) تمھارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور
احداً فاتموا الیھم	نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو انکے ساتھ جو
عھدھم الیٰ مدتھم	عہد ہے اسے اس مدت تک جو ان کے ساتھ ٹھہری تھی،
ان اللہ یحب المتقین،	پورا کرو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کو (جو بدعہدی
	سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے،

اور اسی سورہ میں اس کے بعد فرمایا:۔

الا الذین عاھدتم	مگر جن لوگوں کے ساتھ تم (مسلمانوں) نے مسجد
عند المسجد الحرام فما	حرام (یعنی خانہ کعبہ) کے قریب (حدیبیہ میں صلح کا
استقاموا لکم فاستقیموا	عہد کیا تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں
لھم ان اللہ یحب المتقین،	تو بھی ان سے سیدھے رہو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کو
	جو بدعہدی سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے،

Marfat.com

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برارت کا اعلان اُن مشرکین سے کیا گیا تھا جنھوں نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، یا اُن سے خیانت کے آثار و دلائل ظاہر ہوئے تھے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے،

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین

جن مشرکوں کے ساتھ تم (مسلمانوں) نے صلح کا عہد کر رکھا تھا (اب) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن کو صاف جواب ہے،

اس کے بعد اُن لوگوں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے، جنھوں نے معاہدے کی پابندی کی ہے، اس بنا پر برأت کا یہ اعلان سورۂ انفال کی اس آیت کا عملی طور پر نفاذ ہے،

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین،

اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ رکھ کر (ان کے عہد کو) انہی کی طرف پھینک مارو، بیشک اللہ دغا بازوں کو دوست نہیں رکھتا،

کیونکہ دغا کا خوف اُسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس کے دلائل یعنی مظالم کا ظہور ہو، یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، کسی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد نہیں دی، اور اپنے عہد پر قائم رہے، آیت کے رو سے انکے قول و قرار کو توڑا نہیں جا سکتا۔

اسی طرح جب مسلمانوں کو سورۂ نساء میں اُن منافقین سے علیحدگی کی جو مخفی طور پر مسلمانوں کی مخالفت میں مصروف تھے، ترغیب دی تو فرمایا،

الا الذین یصلون الیٰ قوم بینکم

مگر جو لوگ ایسی قوم سے جا ملے ہوں کہ تم میں اور ان میں

Marfat.com

وبینھم میثاق (صلح کا) عہد ہے،

جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ معاہدین کے ملک کا احترام واجب ہے اور جو لوگ وہاں پناہ گزیں ہوں وہ محفوظ ہیں،

اسی طرح اگر معاہد قوم کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو سورہ نساء میں اس کی دیت بھی وہی قرار دی جو ایک مسلمان کے غلطی سے قتل کر دینے کی قرار دی گئی ہے،

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ — اور اگر (مقتول) اُن لوگوں میں کا ہو جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہے، تو قاتل کو چاہئے کہ وارثانِ مقتول کو خون بہا پہنچائے اور (اس کے علاوہ) ایک مسلمان غلام بھی آزاد کر دے،

اور یہ دیت بعینہ وہی ہے جو غلطی سے ایک مسلمان کے قتل کر دینے پر واجب الادا ہوتی ہے،

ومن قتل مومنا خطأً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلّمۃ الیٰ اھلہ الا ان یصدقوا، — اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے، اور وارثانِ مقتول کو خون بہا دے ہاں اگر یہ کہ (وارثانِ مقتول) خون بہا معاف کر دیں،

بلکہ جو مسلمان دشمنوں کی قوم سے تعلق رکھتا ہو، اُس کے قتل کا خون بہا اس سے کم قرار دیا،

فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر — پھر اگر مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں، اور وہ خود مسلمان ہو تو (صرف) ایک

Marfat.com

رقبة مومنة — مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا،

اسی طرح جن مسلمانوں نے دشمن کے ملک سے ہجرت نہیں کی ہے، بلکہ وہیں مقیم ہیں ان کے متعلق فرمایا،

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق

ہاں اگر وہ دین (کے بارے) میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم ہے، اگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا عہد ہو

اور اس طریقہ سے حق معاہدہ کو تمام حقوق سے بالاتر قرار دیا،

خداوند تعالیٰ نے صلح کی کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے، بلکہ اس کا ذکر بالکل غیر مقید طور پر کیا ہے،

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ انہ ہو السمیع العلیم

اور (اے پیغمبر) اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اسکی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے،

اسیرانِ جنگ

قرآن مجید نے سورۂ قتال میں اسیرانِ جنگ کا حکم ان الفاظ میں بہ تصریح بیان کیا ہے،

حتی اذا اثخنتموہم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب

یہانتک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا خون بہالو تو (ان کی) مشکیں کس لو (یعنی قید کرلو) پھر قید کرنے کے بعد یا تو احسان رکھکر چھوڑ دینا یا معاوضہ لیکر یہانتک کہ

Marfat.com

اوزارھا — لڑائی اپنا ہتھیار رکھدے (یعنی لڑائی موقوف ہوجائے)

اس بنا پر اولیاے امور کو دو باتوں میں سے قرآن مجید نے ایک کا اختیار دیا ہے، یا تو احسان کریں اور قیدیان جنگ کو بلا معاوضہ رہا کردیں یا فدیہ یعنی معاوضہ لیکر ان کو چھوڑ دیں لیکن اس کے لئے "اثخان فی الارض" کی شرط ہے، اور اس کے معنی زمین میں قدم جمانے کے نہیں ہیں، بلکہ دشمن کے قتل میں مبالغہ کرنے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ کامل خونریزی سے پہلے خداوند تعالیٰ نے فدیہ لینے پر مسلمانوں کو ملامت کی ہے، اور سورۂ انفال میں فرمایا ہے،

مَاکان لنبی ان یکون لہ	پیغمبر جب تک زمین میں خوب خون نہ بہالے اسکے
اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض	پاس قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں تم (مسلمانوں)
تریدون عرض الدنیا	تو مال و متاع دنیا کے خواہاں ہو اور اللہ تمکو آخرت
واللہ یرید الآخرۃ واللہ	(کی نعمتیں) دینا چاہتا ہے، اور اللہ غالب
عزیز حکیم،	با تدبیر ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مخصوص اسباب کی بنا پر بعض قیدیوں کے قتل کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً آپ نے بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا، احد میں ابی عزہ الجحمی کے قتل کا حکم صادر فرمایا، کیونکہ اس نے بدر میں آپ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی مخالفین کی اعانت نہ کریگا، لیکن اس نے اپنے عہد کو پورا نہیں کیا، اسی طرح فتح مکہ کے بعد چند جرائم کے ارتکاب کی بنا پر اہل مکہ میں سے آٹھ اشخاص کے خون کو مباح قرار دیا

غلامی کی کیفیت یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اہل عرب کے قبضے میں غلام موجود تھے اور اسلام نے بھی اس قبضہ کو بدستور قائم رکھا، چنانچہ مکی سورۂ مومنون میں فرمایا

والذین ہم لفروجہم	(وہ مسلمان) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
حٰفظون الا علی ازواجہم	کرتے ہیں، مگر اپنی بی بیوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی
او ما ملکت ایمانہم فانہم	لونڈیوں) سے کہ (ان میں) ان پر کچھ الزام نہیں
غیر ملومین،	(اپنی مراد کو پہونچ گئے)

اور مکی سورۂ معراج میں بھی اسی قسم کی آیت موجود ہے، اور یہ آیتیں اس زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کے پہلے مسلمانوں نے کوئی جنگ نہیں کی تھی، اور مدنی سورہ نسار میں فرمایا،

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃً	پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیوں)
او ما ملکت ایمانکم،	میں برابری (کے ساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے تو اس
	صورت میں) ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو لونڈی
	تمہارے قبضے میں ہو (اسی پر قناعت کرنا)

پھر ان کو متعدد طریقوں سے غلاموں کی آزادی کی سخت ترغیب دی چنانچہ ان طریقوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سورۂ بلد مکیہ میں یہ قرار دیا کہ اگر کوئی انسان خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے، چنانچہ متعدد احسانات جتانے کے بعد فرمایا،

فلا اقتحم العقبۃ وما	پھر بھی وہ ان نعمتوں کے شکر میں، گھاٹی سے ہو کر
ادراک ما العقبۃ فک	نہ نکلا اور اے پیغمبر تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہو کر نکلنا)
رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ	کیا مراد ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا

Marfat.com

یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ اولٓئک اصحب المیمنۃ	(غلام کو کسی کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم (کو خاص کر جب وہ اپنا رشتہ دار (بھی) ہو یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو نا حق کی شیخی مارتا ہے چاہئے تھا کہ اس گھاٹی میں سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگوں (کے زمرہ) میں ہوتا جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے یہی لوگ (آخرت میں) مبارک (خوش نصیب ہونگے،
(جلد ۱۰)	

اس طریقہ سے انسان جن خصائل کے ذریعہ سے اپنے خدا کا شکریہ ادا کر سکتا ہے ان سب سے غلاموں کی آزادی کو مقدم قرار دیا ہے،

(۲) مختلف جرائم کی پاداش میں جو کفارے واجب ہوتے ہیں، ان میں اکثر غلاموں کی آزادی کو مقدم کیا ہے، چنانچہ غلطی سے قتل کر دیئے کے کفارے میں فرمایا،

ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ	اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے،

اور کفارۂ ظہار کے متعلق فرمایا،

والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر	اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹ کر وہی (کام) کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ابو علی الحسین بن الحسین المعروف بابن ابی ہریرہ	۴۶۰	ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الفیروزآبادی	۴۶۳
قاضی ابو السائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ	"	ابو النصر عبد السید بن محمد المعروف بابن الصباغ	۴۶۴
قاضی ابو حامد احمد بن بشر المروزی	۴۶۱	ابو سعد عبد الرحمٰن بن مامون المتولی	"
محمد بن اسمٰعیل المعروف بالقفال الکبیر	"	ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی	"
ابو سہل محمد بن سلیمان الصعلوکی	"	ابو المحاسن عبد الواحد بن اسمٰعیل الرویانی	۴۶۵
ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی	"	ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	۴۶۵
ابو القاسم عبد الواحد بن الحسین الصیمری	"	ابو اسحٰق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقی	"
ابو علی الحسین بن شعیب السنجی	۴۶۲	ابو سعد عبد اللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ	۴۶۶
ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائنی	"	ابو القاسم عبد الکریم بن محمد القزوینی	"
ابو الحسن احمد بن محمد الضبی المعروف بابن المحاملی	"	محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی	"
عبد اللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیر	"	چھٹا دور	
ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی	"	سیاسی صورت حال	۴۶۷
ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری	۴۶۳	اس دور میں اجتہاد	۴۶۹
ابو الحسن علی بن محمد الماوردی	"	تقلید جامد	"
ابو عاصم محمد بن احمد الہروی	"	اسلامی شہروں کے تعلقات کا منقطع ہونا	۴۷۱
ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد الفورانی	"	ائمہ کی کتابوں سے بے تعلقی	۴۷۲
ابو عبد اللہ القاضی الحسین المروزی استاذ	"	مطالب میں خلل انداز اختصار	۴۷۳
امام الحرمین		ہر متفقہ فی الدین سے خطاب	"

Marfat.com

رقبۃ من قبل ان یتماسّا

(کہ نہیں کرینگے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) کو ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے)

فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ

تو اس (کی قسم کے توڑنے کا) کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو، یا انہی (دس مسکینوں) کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا،

(۳) مصارف زکوٰۃ بیان کئے تو اُس کے آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ غلاموں کے لئے متعین کیا، یعنی یہ کہ جو امام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے، وہ اسکی قیمت کو غلاموں کی آزادی میں صرف کرے،

(۴) جو غلام روپیہ ادا کرکے آزادی کی درخواست کریں، ان کی درخواست کے قبول کرنے اور اُن کو رقم مقررہ کے ادا کرنے میں مدد دینے کا حکم دیا،

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واٰتوھم من مال اللہ الذی اٰتاکم

اور تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں، تو تم ان کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور مال خدا میں سے جو اس نے تمکو دے رکھا ہے، ان کو (بھی) دو،

آزادی کی یہ تمام صورتیں ان ترغیبات کے علاوہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کے متعلق دی ہیں، اور لوگوں بار بار غلاموں پر رحم کرنے کی نصیحتیں کی ہیں،

Marfat.com

اور غلام بنانے کے متعلق قرآن مجید میں ایک آیت بھی نہیں ہے، یعنی قرآن مجید میں کہیں یہ حکم نہیں ہے، کہ لڑائی میں غلام بنائے جائیں،

غنیمتِ جنگ

اہل عرب جنگ میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے، اور اس کو تبرکاے جنگ پر تقسیم کرتے تھے، جس کا بڑا حصہ رئیس فوج کو دیتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

لک المرباع منها والصفایا　　　وحکمک والنشیطة والفضول

اے رئیس تیرے لئے غنیمت کا چوتھائی حصہ اور منتخب چیز اور نشیطہ اور فضول ہے، اور تیرا فیصلہ فیصلہ

اس شعر میں "مرباع" سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ "صفی" سے وہ چیز جس کو رئیس پسند کرکے اپنے لئے انتخاب کرلے "نشیطہ" سے وہ مال جو جنگ سے پہلے تبرکاے جنگ کے ہاتھ میں پڑ جائے، اور "فضول" سے وہ مال جو تقسیم سے بچ جائے، مراد ہے،

اسلام آیا تو مسلمانوں کو سب سے پہلے مالِ غنیمت جنگ بدر میں حاصل ہوا اور انھوں نے اس کی تقسیم کا طریقہ معلوم کرنا چاہا، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول ،　　　(اے پیغمبر مسلمان سپاہی تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں، تو (ان سے) کہدو کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے،

اس کے بعد اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا،

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی　　　اور جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور رسول کے

والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل — قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے

اسی طریقہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ لے لیتے تھے، اور متذکرہ بالا اشخاص پر تقسیم فرما دیتے تھے، چنانچہ آپ نے خود فرمایا

لیس لی من مغنمکم الا الخمس — تمہارے مالِ غنیمت میں سے میرے لئے صرف

والخمس مردود علیکم — پانچواں حصہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس دیدیا جاتا ہے

اور یہ حصہ خود ان لوگوں کو اس لئے واپس ملتا ہے کہ مالِ غنیمت کا بڑا حصہ مصالحِ عامہ کے لئے مخصوص کر دیا ہے،

"فی" یعنی اُس مالِ غنیمت کے متعلق جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو، فرمایا،

ما افاء اللہ علی رسولہ من — (جو) مال اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے
اھل القریٰ فللہ وللرسول — لوگوں سے مفت میں دلوادے تو (وہ) اللہ کا (حق)
ولذی القربیٰ والیتامیٰ — ہے، اور رسول کا، اور (رسول کے) قرابتداروں کا اور
والمساکین وابن السبیل کیلا — یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا
یکون دُولۃً بین الاغنیاء — (یہ حکم) اس لئے (دیا گیا) کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں
منکم، — یہ (مال) ان ہی میں چلتا پھرتا نہ رہے،

اس کے بعد فرمایا،

للفقراء المھاجرین الذین — (وہ مال جو بے لڑے مفت میں ہاتھ لگا ہی منجملہ اور
اخرجوا من دیارھم — اور حقداروں کے) محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو
واموالھم یبتغون فضلا من — اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے (اور اب وہ)
اللہ ورضوانا وینصرون اللہ — خدا کے فضل اور (اس کی) خوشنودی کی طلبگار ہیں

Marfat.com

ورسوله اولئك هم الصادقون
والذين تبوءو الدار والايمان
من قبلهم يحبون من هاجر اليهم
ولا يجدون في صدورهم
حاجة مما اوتوا ويؤثرون
على انفسهم ولو كان بهم
خصاصة ومن يوق شح
نفسه فاولئك هم المفلحون
والذين جاءو من بعدهم
يقولون ربنا اغفر لنا و
لاخواننا الذين سبقونا
بالايمان ولا تجعل في قلوبنا
غلا للذين آمنوا ربنا
انك رءوف رحيم

اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں
یہی تو سچے (مسلمان) ہیں، اور وہاں وہ مال جو بے
لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے کہ (مہاجرین
نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) اُن سے پہلے مدینہ
میں رہتے اور اسلام داخل ہو چکے ہیں، جو
ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے محبت
کرنے لگتے ہیں اور (مال غنیمت میں سے) مہاجرین
کو جو کچھ بھی دے (دیا جائے، اس کی وجہ سے یہ
اپنے دل میں (اسکی) کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے
اوپر تنگی ہی کیوں نہو، (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے
سے مقدم رکھتے ہیں اور (بخل تو سب ہی کی طبیعتوں
میں ہوتا ہے، مگر) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ
رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور وہ
(جو مال بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے جو
مہاجرین اولین کے بعد (ہجرت کر کے) آئے (کہ
اگلے مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور) دعائیں مانگا
کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے
ہمارے مسلمان مہاجرین وانصار) بھائیوں کے گناہ
معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اُنکی طرف سے

ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اے

ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غزوات کئے اُن میں اپنے قول و فعل سے احکام قرآنی کی تشریح فرمائی ہے، چنانچہ ان میں خداوند تعالیٰ نے بعض غزوات کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے، اور بعض غزوات کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر سرایا روانہ کئے وہ سب کے سب احکام قرآن کے مطابق تھے،

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن غزوات کا حال بیان کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **غزوۂ بدر**، اس کا ذکر سورۂ انفال کی اس آیت میں آیا ہے،

کما اخرجک ربک من بیتک	جس طرح تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر
بالحق وان فریقا من المومنین	حق کے ساتھ نکالا، اور بیشک مسلمانوں میں سے
لکارھون،	ایک گروہ راضی نہ تھا،

اور آل عمران کی اس آیت میں بھی اس کا ذکر ہے،

ولقد نصرکم اللہ ببدر	اور بیشک مدد کی اللہ نے تمہاری بدر میں حالانکہ
وانتم اذلۃ	تم ذلیل (کمزور) تھے،

(۲) **غزوۂ احد**، سورہ آل عمران میں اس کا ذکر اس آیت سے شروع ہوا ہے،

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ، اگر تم ایمان رکھتے
الاعلون ان کنتم مومنین الآیہ	ہو تو تمہیں بلند یعنی غالب ہو،

(۳) **غزوۂ حمراء الاسد**، سورۂ آل عمران کی اس آیت میں اس کا ذکر آیا ہے،

الذین استجابوا للہ والرسول من	جن لوگوں نے خدا اور رسول کے لئے قبول کیا بعد

Marfat.com

بعد ما اصابهم القرح	اسکے کہ پہونچے ان کو زخم،

(۴) غزوۂ بدر الآخری، قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

الذین قال لهم الناس ان الناس	وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ بیشک تمہارے لئے اور لوگ
قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم	جمع ہوئے ہیں، تو تم لوگ ان سے ڈرو، پس زیادہ کیا اس نے
ایمانا وقالوا حسبنا الله ونعم	اُن کے ایمان کو، اور انھوں نے کہا کہ خدا ہمارے لئے
الوکیل فانقلبوا بنعمة من الله	کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے تو وہ پلٹے خدا کی نعمت
وفضل لم یمسسهم سوء واتبعوا	اور فضل کے ساتھ نہ لگی ان کو برائی اور انھوں نے خدا کی
رضوان الله والله ذو فضل عظیم،	خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے

(۵) غزوۂ بنو النضیر۔ قرآن مجید نے سورۂ حشر کی اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے

هو الذی اخرج الذین کفروا من	اسی نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے
اهل الکتاب من دیارهم لاول	نکالا اول بار اکٹھے کرنے میں،
الحشر الآیة	

(۶) غزوۂ احزاب، قرآن مجید نے غزوۂ احزاب کی اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے،

یا ایها الذین آمنوا اذکروا نعمة الله	اے مسلمانو! اپنے اوپر خدا کے اس احسان کو یاد کرو
علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا	جس وقت آئیں تمہارے اوپر فوجیں، تو ہم نے
علیهم ریحا وجنودا لم تروها	بھیجا ان کے اوپر ہوا کو اور ان فوجوں کو نہ دیکھا
	تھا تم نے ان کو

Marfat.com

(۷) **غزوۂ بنو قریظہ**، اسی سورہ کی اس آیت میں اس کا بھی ذکر ہے،

وانزل الذین ظاھروھم	اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی خدا نے ان کو
من اھل الکتاب من صیاصیھم	ان کے قلعوں سے اتارا اور اُن کے دلوں میں
وقذف فی قلوبھم الرعب فریقًا	رعب ڈالا، ایک گروہ کو تم لوگ قتل اور دوسرے
تقتلون وتاسرون فریقًا و	گروہ کو قید کرتے ہو، اور وارث کیا تم کو انکی
اورثکم ارضھم ودیارھم	زمین کا، اور اُن کے گھروں کا، اور اُن کے
واموالھم وارضا لم تطؤھا و	مالوں کا اس زمین کا جس کو تم نے پامال نہیں کیا
کان اللہ علی کل شئ قدیرا،	تھا، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

(۸) **غزوۂ حدیبیہ**، سورۂ فتح کی اس آیت میں اس کا ذکر ہے،

ان الذین یبایعونک انما	بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ صرف
یبایعون اللہ ید اللہ فوق	خدا سے بیعت کرتے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے
ایدیھم الآیۃ	ہاتھوں کے اوپر ہے،

(۹) **غزوۂ خیبر**، خدا نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

ولقد رضی اللہ عن المؤمنین	خدا مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ وہ تجھ سے بیعت
اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم	کرتے تھے درخت کے نیچے تو خدا نے جانا اس چیز کو جو
ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم	ان کے دلوں میں تھا، تو اتاری انکے اوپر تسکین اور
واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یا	ان کو دی نزدیک کی فتح اور بہت سا مال غنیمت
خذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما الآیۃ	کہ لیں گے وہ اس کو اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(۱۰) **فتح مکہ**، ان آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے،

Marfat.com

لا یستوی منکم من انفق من قبل	اور تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی
الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ	کی برابر نہیں ہو، یہ لوگ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے
من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا	ہیں جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا، اور لڑائی کی
وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اذا جاء	لیکن ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا،
نصر اللہ و الفتح ،	جس وقت خدا کی مدد آئی اور مکہ فتح ہوا،

(۱۱) **غزوۂ حنین** قرآن مجید نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ	بیشک خدا نے بہت سے مقامات میں تمھاری مدد
و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	کی (بالخصوص) حنین کے دن جس وقت نازہوا تمکو
فلم تغن عنکم شیئاً و ضاقت	اپنی کثرت پر لیکن اس نے تمکو فائدہ نہ پہنچایا اور
علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم	تمھارے اوپر زمین باوجود اسکے کہ وہ کشادہ تھی
مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ	تنگ ہو گئی، پھر تم بھاگ گئے پیٹھ پھیر کر، پھر اتاری خدا
علی رسولہ و علی المومنین و انزل	نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور اتاری
جنودا لم تروھا و عذب الذین	ایسی فوجیں کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو عذاب کیا
کفروا ذلک جزاء الکافرین ،	کفار کو، اور کافروں کی یہی سزا ہے،

(۱۲) **غزوۂ تبوک**، غزوۂ عسرہ بھی اسی کا نام ہے، اور سورۂ توبہ میں اس کے بہت سے واقعات کی تفصیل مذکور ہے، اور غزوات میں سب سے زیادہ مطول بیان قرآن مجید میں اسی غزوہ کا ہے، چنانچہ اس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے،

یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل	اے مسلمانو! یہ کیا بات ہے، کہ جب تم سے یہ کہا جاتا
لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم	ہے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین میں بوجھل

Marfat.com

الی الارض ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا	ہو جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے میں دنیوی
من الآخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا	زندگی کو پسند کر لیا ہے، ؟ تو نہیں ہے زندگانی
فی الآخرۃ الا قلیل،	دنیا کا فائدہ آخرت میں مگر تھوڑا،

تقریبًا اخیر سورۂ تک اسی کا ذکر ہے،

یہ تمام غزوات قرآن مجید کے مذکورۂ بالا اصول یعنی مدافعت ظلم، حفاظت، دعوت اسلام اور مصالحت کرنے والوں کے ساتھ میاں ان مصالحت کے مطابق وقع ہوئے، اور آپ کی زندگی کے آخری زمانہ تک تمام جزیرۂ عرب آپکے زیر اقتدار آگیا،

نظام منزلی

قرآن مجید نے نظام منزلی کی جو تفصیل کی ہے، اور اس کے متعلق جو احکام نافذ کئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے،

نکاح

قرآن مجید نے نکاح کو جس اہمیت کے ساتھ مشروع کیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے عقدِ نکاح کا نام مستحکم قول و قرار رکھا ہے،

واخذن منکم میثاقا غلیظا	اور بی بیاں تم سے پکا قول لے چکی ہیں،

اور خداوند تعالیٰ نے لوگوں پر اپنا یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے میاں بی بی کے درمیان الفت و محبت قائم کی،

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم	اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے
ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل	تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں

Marfat.com

بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک — تاکہ تم کو (انکی طرف رغبت کرنے سے) راحت ملے

لآیات لقوم یتفکرون — اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا

جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں لاتے ہیں، ان کے لئے

ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں،

اور میاں بی بی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا ہے،

ھُنَّ لباسٌ لکم وانتم لباسٌ لھن — عورتیں تمہارا لباس ہیں، اور تم ان کا،

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے سکون حاصل کرتے ہو، اور وہ تم سے سکون حاصل کرتی ہیں، چنانچہ بعینہ یہی الفاظ خدا نے ایک اور موقع پر استعمال فرمایا ہے،

جعل لکم اللیل لباسا — خدا نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا،

یعنی یہ کہ تم رات میں سکون حاصل کرتے ہو،

حدیث میں بھی نکاح اور اضافہ تعداد امت کی خاص طور پر سخت ترغیب دی گئی ہے،

چنانچہ حدیث میں آیا ہے،

تزوجوا، تناسلوا فانی مباہ — نکاح کرو نسل بڑھاؤ، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ

بکم الامم یوم القیامۃ، — سے قیامت کے دن اور امتوں پر فخر کروں گا

قرآن مجید نے نکاح کی ترغیب اس آیت میں دی ہے،

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من — اور اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرو اور اپنے غلاموں

عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرآء — اور لونڈیوں میں سے ان کے جو نیک بخت ہوں اگر

یغنھم اللہ من فضلہ واللہ — یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انکو

واسع علیم، — غنی کر دیگا، اور اللہ گنجایش والا واقف ہے

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی سوابغ نعمۃ وجلائل کرمۃ وصلی اللہ علی سیدنا محمد

رسول ربہ وعلی الہ وازواجہ وصحبہ

اردو زبان میں جدید طرز پر علوم اسلامیہ کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے قائم کیا، اور علم کلام کی تاریخ میں علم الکلام کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی اور چار پانچ جلدوں میں فارسی شاعری کی ایک مبسوط تاریخ مدوّن کی، اسکے بعد اگرچہ سیرت نبویؐ کی تالیف نے ان کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا، تاہم وہ علوم اسلامیہ کی تاریخ کی تکمیل کا بار بار ذکر کرتے رہتے تھے اور اس کو اردو زبان کیلئے ایک جدید تاریخی موضوع خیال فرماتے تھے، اگر وہ اپنی زندگی میں سیرت نبویؐ کی تکمیل سے فارغ ہو سکتے تو بہت ممکن تھا کہ اس دلچسپ موضوع کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتے، لیکن افسوس ہے کہ موت نے اُن کو سیرتِ نبویؐ ہی کے مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، پھر اور سلسلوں کی تکمیل تو ایک عالمِ خیال کی چیز تھی، تاہم جب اُن کی

اہلِ عرب کے یہاں بی بیوں کی تعداد متعین نہ تھی، اس لئے بعض لوگ بسا اوقات دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے، اس بنا پر قرآن مجید نے اس کی ایک متوسط تعداد مقرر کر دی، اور ان لوگوں کو متعدد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی، جو اپنی عورتوں کے بارے میں ناانصافی سے مامون ہیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ الا تعدلوا	تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو، پھر اگر تمکو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیوں میں) برابری (کیساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے تو (اس صورت میں) ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی) تمھارے قبضے میں ہو (اسی پر قناعت کرنا) نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لئے یہ تدبیر زیادہ تر قرین مصلحت ہے،

متعدد عورتوں کے نکاح کی اجازت حسب ذیل مصالح پر مبنی ہے،

(۱) انسان کی طبعی ضرورت جس کی نسبت تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بسا اوقات فطرتِ انسانی ایک عورت پر قناعت نہیں کرتی،

(۲) تکثیر نسل،

لیکن اس اجازت کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ متعدد بی بیوں میں غیر منصفانہ برتاؤ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ شارع کی نگاہ میں یہ خرابی ان دونوں مصلحتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کے ساتھ تعدد نکاح اُن بنیادی احکام میں داخل نہیں ہے، جو شارعِ اسلام کی نگاہ میں لازمی ہیں، بلکہ وہ ایک مباح فعل ہے، اور ایک شخص کو

Marfat.com

حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں اس کے کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے

قرآن مجید نے مسلمانوں پر چند عورتوں کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے، اور یہ عورتیں وہ ہیں جن کے ساتھ وہ قرابت یا رضاعت یا مصاہرت کے تعلقات رکھتے ہیں،

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم
مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ
سَبِيلًا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ
وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ
الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي
أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ
وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ
اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ
اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ
تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ
الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن
تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو، تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرو، مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت ہی برا دستور تھا، (مسلمانو!) تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (رضاعی) مائیں جنہوں نے تمکو دودھ پلایا، اور تمہاری دودھ شریکی بہنیں اور تمہاری ساسیں تم پر حرام ہیں، اور جن بی بیوں کے ساتھ تم صحبت داری کر چکے ہو، ان کی پچھلگ لڑکیاں جو اکثر تمہارے گودوں میں پرورش پاتی ہیں، (تم پر حرام ہیں) لیکن اگر ان بی بیوں کے ساتھ تم نے صحبت داری نہ کی ہو تو پچھلگ لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے تم پر کچھ گناہ نہیں اور (تمہاری بہوئیں یعنی تمہارے (اپنے) صلبی بیٹوں کی بی بیاں (بھی تم پر حرام ہیں) اور دو بہنوں کا ایک

Marfat.com

والمحصنات من النسآء الا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم

(نساء ۔۴)

ساتھ نکاح میں رکھنا بھی تم پر حرام ہے، مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے، اور وہ عورتیں (بھی حرام ہیں) جو دوسروں کے قید (نکاح) میں ہوں مگر وہ (جو کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر) تمھارے قبضے میں آئی ہوں یہ خدا کا حکم تحریری ہے (جو) تم پر (لازم کیا جاتا ہے)،

اور حدیث میں ایک عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو نکاح میں رکھنا ممنوع قرار دیا گیا، اور جن عورتوں کے ساتھ نسبی تعلقات کی بنا پر نکاح حرام ہے، ان کے ساتھ رضاعی تعلقات سے بھی نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا،

قرآن مجید نے مسلمان مرد یا مسلمان عورت کا نکاح مشرک عورت اور مشرک مرد سے حرام کیا، چنانچہ خداوند تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے،

ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن ولامة مومنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا ولعبد مومن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولٓئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنة والمغفرة باذنه

اور مسلمانو! (مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں) اُن سے نکاح نہ کرو اور مشرک کرنیوالی عورت گو تمکو بھلی (کیوں نہ) لگے، اُس سے مسلمان لونڈی بہتر اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں اپنی عورتیں انکے نکاح میں نہ دو، تمکو کیسا ہی بھلا (کیوں نہ لگے) اس سے مسلمان غلام بہتر، یہ مشرک (مرد و زن تو) لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے،

اور اہل کتاب کی عورتوں کو اس آیت کے ذریعہ سے حلال کیا،

والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے، ان میں کی (بھی) بیاہتا بی بیاں (تمھارے لئے حلال) ہیں بشرطیکہ اُن کے مہر ان کے حوالے کرو، (اور) تمہارا ارادہ (ان کو قید نکاح میں لانے کا ہو نہ کھلم کھلا بدکاری کرنیکا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا،

اور پاکدامن عورت کا نکاح بدکار مرد کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح بدکار عورت کے ساتھ حرام کیا،

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذالک علی المومنین

یہ بدکار مرد (تو اپنی رغبت سے (بدکار عورت یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کریگا، اور یہ بدکار عورت یا (بھی رنا بنا اپنا ہی جیسا ڈھونڈھیگی (اور اسکو) بدکار یا مشرک (کے سوا کوئی نکاح میں نہیں لائیگا) اور اور مسلمانوں پر تو ایسے تعلقات حرام ہیں،

جو لوگ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لئے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیا اور فرمایا،

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیٰتکم المومنات واللہ اعلم بایمانکم

اور تم میں سے جسکو مسلمان بی بیوں سے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو (خیر) لونڈیاں (ہی سہی) جو (کافروں) کی لڑائی میں) تم مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں بشرطیکہ ایمان رکھتی ہوں اور اللہ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے

بعضكم من بعض فانكحوهن باذن اهلهن وآتوهن اجورهن بالمعروف محصنت غير مسافحات ولا متخذات اخدان،

(آدم زاد ہونے کے اعتبار سے) تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، پس لونڈیوں کے مالکوں کے اذن سے اُن کے ساتھ نکاح کر لو، اور دستور کے مطابق ان کے مہر اُن کے حوالے کر دو، بشرطیکہ قید (نکاح) میں لائی جائیں (اور یہ نہ) بازاری عورتوں کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ خانگیوں کا سا،

حدیث میں عقد نکاح کے لئے بعض قیدیں اور لگائی گئی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ مہر عورت کے حوالے کر دے،

واحل لكم ما وراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة ان الله كان عليما حكيما،

ان کے علاوہ (سب عورتیں) تمھارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ قید (نکاح) میں لانے کے لئے مال (یعنی مہر) کے بدلے (نکاح کرنا) چاہو پھر جن عورتوں سے تم نے صحبت اٹھائی ہو تو ان سے جو مہر مقرر کیا ہو حوالے کرو اور مقرر کئے پیچھے (مہر کے کم و بیش کرنے پر) آپس میں راضی ہو جاؤ تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں، اور بیشک اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور سب کام) حکمت و تدبیر سے کرتا ہے،

قرآن مجید نے عورت کے مقابلہ میں مرد کا جو درجہ قرار دیا وہ یہ ہے،

Marfat.com

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف
وللرجال علیهن درجة

الرجال قوامون علی النساء
بما فضل الله بعضهم علی بعض
وبما انفقوا من اموالهم
فالصالحات قانتات حافظات
للغیب بما حفظ الله والتی تخافون
نشوزهن فعظوهن واهجروهن
فی المضاجع واضربوهن فان اطعنکم
فلا تبغوا علیهن سبیلا ان الله
کان علیا کبیرا

وان امرأة خافت من بعلها
نشوزا او اعراضا فلا جناح
علیهما ان یصلحا بینهما صلحا

اور جیسے (مردوں کا) حق عورتوں پر ہے ویسے ہی
دستور کے مطابق عورتوں کا (حق) مردوں پر ہے
ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے،

مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں (اسکے دو سبب
ہیں ایک یہ کہ (آدمیوں میں) اللہ نے بعض
(یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر برتری دی ہے
اور دوسرا سبب یہ کہ مردوں نے (عورتوں پر)
اپنا مال خرچ کیا ہے تو جو نیک (بی بیاں) ہیں
(مردوں کا) کہا مانتی ہیں (اور) خدا کی عنایت
سے ان کے پیٹھ پیچھے (ہر ایک چیز کی) حفاظت کرتی
ہیں، اور تم کو جن بی بیوں کے جھگڑے کا اندیشہ ہو
تو (پہلی دفعہ) ان کو سمجھا دو، پھر ان کے ساتھ
ہمبستری موقوف کر دو (اس پر بھی نہ مانیں تو) انکے
ساتھ مار پیٹ سے پیش آؤ پھر اگر تمھاری بات ماننے
لگیں تو تم بھی ان پر ناحق بہکے پہلو نہ ڈھونڈھے
پھرو، کیونکہ اللہ (سب پر) غالب اور بڑا زبردست ہے،

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی
یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی دونوں
(میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (اصلاح کی کوئی بات

Marfat.com

والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا ولن یستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما،

ٹھہرا کر) آپس میں صلح کر لیں اور صلح (بہر حال) بہتر ہے اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہے، اور اگر (ایک دوسرے کے ساتھ) سلوک کرو اور سخت گیری سے بچے رہو، تو خدا تمہارے (ان نیک) کاموں سے باخبر ہے اور تم (اپنی طرف سے) ہر چند چاہو لیکن یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی) بیویوں میں (پوری پوری) برابری کرو تو بالکل ایک ہی کی طرف، مت جھک پڑو کہ دوسرے کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا (ادھر میں) لٹک رہی ہے اور اگر (آپس میں) موافقت کر لو اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ حقوق میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات کی بنیاد قائم کی ہے تاہم گھر کا سردار مرد ہی کو بنایا ہے اور حسن معاشرت کا بکثرت حکم دیا ہے، اسی طرح احادیث میں بھی مردوں کو حسن معاشرت کا بہ کثرت حکم دیا گیا ہے۔

طلاق

خداوند تعالیٰ نے نظام اجتماع یعنی نکاح کی طرح نظام افتراق یعنی طلاق کو بھی مشروع کیا، لیکن طلاق کو بالکل آزادانہ اور خود مختارانہ چیز نہیں بنایا بلکہ عقد نکاح کے گرد ایسی چار دیواریاں قائم کر دیں جو اس کو وقتی تاثرات سے محفوظ رکھ سکیں، چنانچہ

ان حدود کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے انسان کے احساسِ نفرت کو جو افتراق کا سبب ہے مشکوک قرار دیا اور فرمایا،

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا،

اور بی بیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو اور تمکو (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو، اللہ اس میں بہت سی (خیر و برکت) دے،

اور اس حدیث کے بھی یہی معنی ہیں،

لا یفرک مومن مومنة ان کره منها خلقا رضی منها آخر

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے ناچاقی نہ رکھے، اگر اس کا ایک خلق اس کو ناپسند ہوگا تو اس کا دوسرا خلق پسند آئے گا،

اسی طرح عورت کو بھی، طلب صلح کی ترغیب دی،

وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر،

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میاں بی بی) دونوں (میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں، کہ (اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر) آپس میں صلح کریں اور صلح (بہرحال) بہتر ہے،

(۲) جس وقت باہم ناچاقی کا اندیشہ ہو، تحکیم یعنی پنچ ماننے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا،

وان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکمًا من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحًا یوفق اللہ بینہما ان اللہ کان علیماً خبیرا،

اور اگر تمکو میاں بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے، اگر پنچوں کا (دلی) ارادہ (میاں بی بی میں) اصلاح کرا دینے کا ہوگا تو اللہ ان کو سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کرا دیگا بیشک اللہ (سب کے دلی ارادوں سے) واقف (اور) خبردار ہے،

یہ خطاب تمام مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس کا نفاذ ان کا قائم مقام یعنی ان کا حاکم کریگا،

(۳) مذکورۂ بالا احکام کے نفاذ کے بعد اگر طلاق کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہو تو طلاق ابتدائے عدت یعنی عورت کی اُسی پاکی کے زمانہ میں جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو دینی چاہئے،

یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم،

اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو کہ) جب تم (اپنی بیبیوں) کو طلاق دینی چاہو تو ان کو انکی عدت کے شروع میں طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآن مجید کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا، اور اُن کو حکم دیا کہ وہ اپنی بی بی کو واپس لے لیں، اور جب طلاق دینی چاہیں تو حکم قرآنی کے مطابق دیں،

Marfat.com

(۴) یہ حکم دیا کہ عدت کے پورے زمانہ میں عورت سسرال ہی میں قیام کرے کیونکہ جب تک اُس سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو، جو اُس کے نکال دینے کا سبب ہو، وہ بدستور بی بی باقی رہے گی،

ولا تخرجوھن من بیوتھن	(عدت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور
ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ	وہ (خود بھی) نہ نکلیں مگر یہ کہ کھلم کھلا (کوئی بےحیائی
مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن	کا کام) کر بیٹھیں (تو ان کو نکال دینے کا مضائقہ
یتعد حدود اللہ فقد ظلم	نہیں) اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں
نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث	اور جس شخص نے اللہ کی (باندھی ہوئی) حدود سے
بعد ذالک امرا،	قدم باہر رکھا تو اس نے (آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا
	(اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے، تو نہیں جانتا)
	شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی کوئی صورت پیدا کر دے

اخیر کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے، کہ عورت کو سسرال میں قیام کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

(۵) عدت کے گذرنے کے بعد شوہر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ عورت کو واپس لے لے یا اسکو عملاً چھوڑ دے لیکن دونوں حالتوں میں گواہوں کی ضرورت ہے جو دونوں کیلئے گواہی دیں،

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن	پھر جب عورتیں اپنی عدت کو پوری کرنے پر آئیں
بمعروف او فارقوھن	تو یا تو (رجوع کرکے) سیدھی طرح ان کو (اپنی زوجیت)
بمعروف واشھدوا ذوی عدل	میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کرو
منکم واقیموا الشھادۃ للہ	(جو کچھ بھی کرو) اپنے لوگوں میں دو معتبر آدمیوں

یادگار میں دار المصنفین قائم کیا گیا تو اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا، کہ یہ انتساب تیمناً وتبرکاً نہ ہو بلکہ اس کو حقیقی طور پر اُن کے نام کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بنایا جائے، اسلئے ابتدا ہی سے یہ لحاظ رکھا گیا کہ سیرت نبوئی کے علاوہ اُن کے دماغ نے اور جن تاریخی سلسلوں کا خاکہ قائم کیا تھا، اُن کی تکمیل کی جائے، چنانچہ آج تک دار المصنفین سے جو تاریخی اور مذہبی کتابیں شائع ہوئی ہیں اُن میں تقریباً اکثر ان ہی سلسلوں سے تعلق رکھتی ہیں، اور تاریخ فقہِ اسلامی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے،

فقہ اسلامی کی اجمالی تاریخ اگرچہ عربی تاریخوں مثلاً مقدمۂ ابن خلدون اور کشف الظنون وغیرہ میں مذکور ہے، لیکن اس زمانے میں جو جدید فقہی ضروریات پیدا ہوگئی ہیں ان کے لئے یہ اجمالی حالات واشارات بالکل ناکافی ہیں،

موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، اور ان معاملات کی بنا پر ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے، اس لئے موجودہ زمانے کا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آیا فقہ اسلامی ایک جامد چیز ہے؟ یا ہر زمانے کی ضروریات و حالات کے مطابق اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے؟

اس سوال کے حل کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مختلف دوروں کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے، اور ہر دور کے تغیرات، انقلابات، خصوصیات اور امتیازات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے جائیں، اور ان کے علل و اسباب کی تشریح کی جائے اور تاریخ فقہ اسلامی سے بہت کچھ یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے

خوش قسمتی سے ہم کو اس کتاب کی تدوین میں کسی غیر معمولی جد و جہد کی ضرورت پیش نہیں آئی، بلکہ علامہ محمد خضری مرحوم نے جو مصر کے ایک مشہور عالم اور مؤرخ

Marfat.com

کو گواہ کر لو اور گواہ ہو اگو اہی کی ضرورت آپڑے
تو، اللہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا،

لیکن جب تک عدت کا زمانہ باقی ہے، شوہر کو عورت کے واپس لینے کا زیادہ مستحق قرار دیا،

و بعولتھن احق بردھن فی ذٰلک	اور اُن کے شوہر (اُن کو) اچھی طرح رکھنا چاہئیں
ان ارادوا اصلاحا،	تو وہ اس اثنا میں اُن کو (اپنی زوجیت میں) واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں،

(۶) مختلف عورتوں کو مختلف عدتوں کے گذارنے کا حکم دیا، یعنی حائضہ عورت کی عدت کا زمانہ تین حیض کے آنے تک مقرر کیا،

والمطلقات یتربصن بانفسھن	اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنے آپ کو
ثلاثۃ قروء،	تین حیضوں کے آنے تک روک رکھیں،

اور آئسہ (وہ معمر عورتیں جن کا حیض اقتضائے سن سے بند ہو گیا ہو) اور غیر حائضہ (یعنی وہ عورتیں جن کو اب تک حیض نہیں آیا ہے) کی عدت کا زمانہ تین ماہ قرار دیا،

واللائی یئسن من المحیض من	اور (مسلمانو!) تمھاری مطلقہ بیبیوں میں سے جنکو
نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ	پیرانہ سالی کی وجہ سے حیض کے آنے کی امید نہیں رہی،
اشھر واللائی لم یحضن،	اگر تمکو شبہہ ہو تو ان کی عدت (حیض سے نہیں بلکہ دنوں کے حساب سے) تین مہینے اور (علی ہذا القیاس) جن عورتوں کو حیض کے آنے کی نوبت نہیں آئی،

اور حاملہ عورتوں کی عدت کا زمانہ وضع حمل قرار دیا،

وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن،

اور (رہیں) حاملہ عورتیں (سو) ان کی عدت ان کے بچے جننے تک،

اور جن عورتوں کے ساتھ اُن کے شوہروں نے مقاربت نہیں کی ہے، ان کو عدت سے مستثنیٰ کر دیا،

إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها

مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں کو (اپنے نکاح) میں لاؤ پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو عدت (میں بٹھانے کا) تم کو اُن پر کوئی (حق) نہیں کہ انکو عدت کی (ان سے) گنتی پوری کرانی،

اور زمانۂ عدت میں مرد کو عورت کے ساتھ رفق و ملاطفت کا حکم دیا،

أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن حتى يضعن حملهن فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن وأتمروا بينكم بمعروف وإن تعاسرتم فسترضع له أخرى لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها سيجعل الله بعد

مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لئے) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو، اور ان پر تنگی کرنے کے لئے انکو ایذا نہ دو، اور اگر حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک انکا خرچ اٹھاتے رہو، پھر (بچہ جنے پیچھے) اگر وہ (بچے کو) تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی (دودھ پلائی) دو اور آپس کی صلاح سے دستور کے مطابق (اجرت وغیرہ کا) ٹھہراؤ کر لو، اور آپس میں کشمکش کرو گے تو مرد کو کوئی اور (عورت میسر) آجائیگی اور (وہ) اس کے لئے (بچے کو) دودھ پلادیگی جس کو گنجایش ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی گنجایش

عسر یسریٰ،

(طلاق)

کے مطابق خرچ کرے اور جس کی آمدنی تنگ ہو وہ جتنا خدا نے اس کو دیا ہے اسی کے موافق خرچ کرے، خدا نے سب کو جتنا دے کھائے اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی نہیں چاہتا گھبرانے کی بات [4]

[illegible]

(۷) یہ حکم دیا کہ جس عورت کو طلاق دیجائے اسکے ساتھ اتنا سلوک کر دینا چاہیے جو اسکے لئے موجب تسکین ہو، اور جس عورت کی مہر متعین نہ ہوا ور اس کو مقاربت سے پہلے طلاق دیدی جائے اس کے لئے اس حق کو فرض قرار دیا،

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف حقاً علی المحسنین،

اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کا مہر ٹھہرایا ہو اور اس سے پہلے انکو طلاق دیدو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ سلوک کرو (مقدار والے پر اپنی حیثیت کے مطابق سلوک کرنا لازم ہے) اور بے مقدور پر اپنی حیثیت کے مطابق (اور یہ سلوک (جو کچھ بھی ہو) دستور کے مطابق ہو جن کا شیوہ احسان کرنے کا ہے ان پر (ایسی عورتوں کا بھی ایک طرح کا) حق ہے،

اس کے بعد اس کا ذکر ایک عام لفظ میں کیا،

وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین،

اور جن عورتوں کو طلاق دیجائے ان کے ساتھ مہر کے علاوہ بھی دستور کے مطابق (جوڑے وغیرہ سے) کچھ سلوک کرنا مناسب ہے، کہ پرہیزگاروں پر (انکا یہ بھی) ایک حق ہے [2]

[illegible]

Marfat.com

اور جن عورتوں کو قبل از مقاربت طلاق دیجائے اُن کی نسبت فرمایا،

فمتعوهن وسرحوهن سراحًا جميلا، — تو ایسی صورت میں ان کو کچھ دے دلاکر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردو،

لیکن جن عورتوں کا مہر متعین کر دیا گیا ہے، اگر ان کو قبل از مقاربت طلاق دیدیجائے تو اُن کے لئے نصف مہر کا ادا کرنا ضروری قرار دیا،

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون او يعفوا الذي بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى ولا تنسوا الفضل بينكم ان الله بما تعملون بصير،

اور اگر مقاربت سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو اور ان کا مہر ٹھہرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھہرایا تھا اسکا آدھا (دینا آئے گا) مگر یہ کہ (عورتیں) چھوڑ بیٹھیں یا (مرد) جس کے ہاتھ میں عقد نکاح (کا جوڑے رکھنا یا توڑ دینا) ہے، وہ اپنا حق چھوڑ دے (یعنی پورا مہر دینے پر راضی ہو) اور (اپنا حق) چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے،

(۸) اگر مرد عورت کو کچھ دے چکا ہے تو اُس کو واپس لینے کی ممانعت فرمائی،

وان اردتم استبدال زوج مكان زوج وآتيتم احداهن قنطارًا فلا تأخذوا منه شيئًا اتأخذونه بهتانا واثما مبينا وكيف تأخذونه وقد افضى بعضكم الى بعض واخذن منكم

اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سا مال دیدیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی (واپس) نہ لینا کیا (تمھاری غیرت جائز رکھتی ہے، کہ کسی قسم کا بہتان لگا کر اور صریح بیجا بات کرکے

Marfat.com

ميثاقا غليظا

اپنا دیا ہوا (اس سے واپس) لیتے ہو اور دیا ہوا کیسے (واپس) لیلوگے، حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور بی بیاں (نکاح کے وقت مہر و نفقہ وغیرہ کا) تم سے پکا قول لی چکی ہیں

لیکن جب میاں بی بی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت سے کچھ مال لینے کی اجازت دی،

ولا يحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شيئا الا ان يخافا الا يقيما حدود الله فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظلمون

اور جو تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے تمکو کچھ (بھی) واپس لینا جائز نہیں، مگر یہ کہ میاں بی بی اس بات کا) خوف ہو کہ خدا نے (میاں بی بی کے سلوک کی) جو حدیں ٹھہرادی ہیں اُن پر قائم نہیں رہ سکیں گے، تو اس صورت میں کہ تم لوگوں کو اس بات کا خوف ہو کہ میاں بی بی اللہ کی باندھی ہوئی حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے عوض) کچھ دے تو اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو ان سے (آگے) مت بڑھو اور جو اللہ کی (باندھی) ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ بڑے ناحق ہیں

(۹) طلاق کے تجربہ کی حد دو بار قرار دی،

الطلاق مرتان فامساك بمعروف

طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا ہے وہ تو

او تسریح باحسان — دو ہی طلاقیں ہیں) جو دو دفعہ (کرکے دی جائیں) پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق (زوجیت) میں رکھنا ہے، یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنا

لیکن جب تیسری بار طلاق دیدی تو وہ عورت اس پر بالکل حرام ہوگئی اور اس کے بعد میاں بی بی میں سے ہر ایک کو اپنا شریکِ زندگی تلاش کرنا چاہئے،

فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ — اب اگر عورت کو (تیسری بار) طلاق دیدی تو بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرلے اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی،

لیکن جب بی بی دوسرے شوہر کا تجربہ کر چکے تو اس کے بعد پہلا شوہر دوسری بار اس سے نکاح کرسکتا ہے،

فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعقلون، — پس اگر دوسرا شوہر ہم بستر ہوکر) اسکو طلاق دیدے تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں کہ پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں بشرطیکہ ان کو توقع ہو کہ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں پر قائم رہ سکیں گے اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے، (جو سمجھ رکھتے ہیں)

امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں"، اور یہ (واللہ اعلم) اس بنا پر کہ شوہر کو یہ اجازت دیدی جائے کہ وہ ایک ہی بار میں اپنی بی بی کو اپنے اوپر بالکل

طور پر حرام کرے تو اُس سے وہ فوائد و خصوصیات بالکل معدوم ہو جائیں گی جو قرآن مجید کی ان آیتوں سے نکلتی ہیں جن میں دو بار کی طلاق میں رجعت کی اجازت ہے، اور تیسری بار کی طلاق میں عورت بالکل حرام کر دی گئی ہے،

(۱۰) قرآن مجید نے علٰحدگی کی اور چند صورتوں کا جو زمانۂ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں ذکر کیا ہے، اور ان کا ایک نظام قائم کر دیا ہے،

(۱) ان میں پہلی صورت ایلاء کی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ وہ اپنی بی بی سے مقاربت نہ کرے گا، چنانچہ اس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

للذین یؤلون من نسآئھم تربص	جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں
اربعۃ اشھر فان فآءو فان اللّٰہ	ان کو چار مہینے کی مہلت ہے، پھر (اس مدت میں)
غفور رحیم وان عزموا الطلاق	اگر رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر
فان اللّٰہ سمیعٌ علیم، (بقرہ ۲۸)	طلاق کی ٹھان لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے

اس آیت کی ترتیب و نظام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر کے لئے ایک ایسی انتہائی مدت مقرر فرما دی ہے، جس کے گذرنے سے پہلے وہ اپنی قسم کی حفاظت کر سکتا ہے لیکن اگر اس مدت میں رجوع کرے تو خدا اس کو قسم کے مواخذہ سے جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت سے ثابت ہوتا ہے، بری کر دیگا،

ولا تجعلوا اللّٰہ عُرضۃ لایمانکم	اور خدا کو (یعنی اس کے نام کو) لوگوں کے ساتھ سلوک
ان تبروا و تتقوا و تصلحوا بین	کرنے اور پرہیزگاری رکھنے اور لوگوں میں ملاپ
الناس واللّٰہ سمیع علیم،	کرانے کا مانع (ومزاحم) نہ ٹھہراؤ اور اللہ سنتا اور جانتا ہے
لا یؤخذکم اللّٰہ باللغو فی	تمھاری قسموں میں جو لایعنی قسمیں

Marfat.com

ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم واللہ غفور حلیم (البقرہ ع ۲۸)

ہیں ان پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ کرتا نہیں لیکن ان قسموں پر تم سے (ضرور) مواخذہ کریگا جو تمہارے دلی ارادہ سے ہوں، اور اللہ بخشنے والا

(۲) دوسری صورت ظہار کی ہے، یعنی اہل عرب کے نزدیک عورت کے حرام کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی بی بی کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا کہ "تو میرے ماں کی پیٹھ کے مثل ہے"، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی،

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر الذین یظاہرون منکم من نسائہم ما ہن امہاتہم ان امہاتہم الا الّائی ولدنہم وانہم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور والذین یظاہرون من نسائہم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین

(اے پیغمبر) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے شوہر (اوس بن صامت) کے بارے میں تم سے جھگڑتی اور خدا سے فریاد کرتی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (مسلمانو!) جو لوگ تم میں سے اپنی بی بیوں کے ساتھ ظہار کر بیٹھیں وہ (کچھ) ان کی مائیں (تو ہو) نہیں (جاتیں)، انکی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انکو جنا ہے (مگر) ان (بی بی کو ماں کہہ بیٹھنے سے) انھوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات کہی اور بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹ کر وہی (کام) کرنا چاہتے ہیں جسکو کہہ چکے ہیں کہ (نہیں کرینگے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد کو) ایک غلام

Marfat.com

من قبل ان یتماسا ذالکم توعظون
بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد
فصیام شہرین متتابعین من قبل
ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام
ستین مسکینا ذالک لتؤمنوا باللہ
و رسولہ ،
(مجادلہ - ۱)

آزاد کرنا چاہیے مسلمانو! تمکو یہ نصیحت کیجاتی ہے
(تاکہ اس پر کاربند رہو) اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ
کو اسکی (سب) خبر ہے، پھر جس کو غلام میسر نہو تو ایک
دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) لگاتار دو مہینے
کے روزے رکھے، اور جس سے یہ نہ ہو سکے وہ
ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے یہ (حکم) اسلئے
(دیا جاتا ہے) کہ تم لوگ (اللہ اور اس کے رسول پر
(پورا پورا) ایمان لے آؤ،

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ شریعت نے طلاق کا جو نظام قائم کیا ہے، وہ ایک ایسا بہترین نظام ہے کہ اگر اس کی پابندی کیجائے تو اسمیں بھلائی ہی بھلائی ہے، کیونکہ میاں بی بی کے اختلاف کی بنا پر اگر سخت ناگواری کی صورت پیدا ہو جائے تو اس نظام کے رو سے شوہر کے لئے بی بی کے ساتھ رہنا لازمی نہیں ہے، لیکن اسی کے ساتھ علیحدگی کا معاملہ بھی ایسا آسان نہیں کہ بغیر ضمانت و کفالت کے طے ہو جائے،

اگر عورت کا شوہر مر جائے تو شارع نے اس پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اس کا سوگ کرے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

والذین یتوفون منکم ویذرون
ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ
اشھر و عشرا فاذا بلغن اجلھن
فلا جناح علیکم فیما فعلن

اور تم میں جو لوگ مر جائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو
(عورتوں کو چاہیئے کہ) چار مہینے اور دس دن اپنے
تئیں روکے رکھیں، پھر جب اپنی (عدت کی) مدت پوری
کریں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا

Marfat.com

فی انفسھن بالمعروف و اللہ بما تعملون خبیر،
(دوا آثار بیت) پر کچھ الزام نہیں اور تم لوگ جو کچھ (بھی) کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے،

اور اس کا یہ حق قرار دیا کہ وہ اگر چاہے، تو سسرال میں ایک سال تک قیام کر سکتی ہے، اور اس حالت میں اس کے مصارف شوہر کے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے،

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم،
اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو اپنی بی بیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان و نفقہ) اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر مریں، پھر اگر عورتیں (از خود گھر سے) نکل کھڑی ہوں تو جائز باتوں میں سے جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے،

تھوڑے سے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ پہلی آیت میں عورت کے فرض کا ذکر ہے۔ اور دوسری آیت میں اسکے حق کا تذکرہ ہے،

اور ایسی عورتوں کے ساتھ کھلم کھلا نکاح کی بات چیت کرنے کی ممانعت کی، البتہ کنایۃً و تعریضاً اس کی اجازت دی،

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا
اور اگر تم کسی بات کی آڑ میں (ان) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو تو اس میں (بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کو (ان عورتوں سے نکاح کر لینے) کا خیال آئیگا

تھے، اس موضوع پر تقریباً چار سو صفحوں کی ایک مفصل کتاب لکھی تھی، اور ہم نے فقہ اسلامی کی تمام شاخوں کے متعلق اس کو ایک اہم تاریخی ذخیرہ سمجھ کر اردو زبان میں منتقل کرنا کافی خیال کیا،

اس کتاب میں انھوں نے فقہ اسلامی کے چھ دور قائم کئے ہیں اور ہر دور کے خصوصیات و امتیازات اور ان کے علل و اسباب کی تشریح کی ہے، جن سے نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے کہ جب تک علوم اسلامیہ کی ترقی کا دور قائم رہا، فقہ اسلامی بھی مختلف صورتیں بدلتی رہی لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے فقہ کی تمام شاخوں کے درمیان باہم موازنہ و مقابلہ نہیں کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اس زمانے میں کس مذہب کی فقہ جدید حالات و ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہے؛ اگرچہ اس قسم کے موازنہ و مقابلہ میں لازمی طور پر تعصب کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے، لیکن بہرحال اس زمانے میں وہی مذہب زیادہ حسن قبول حاصل کر سکتا ہے، جو موجودہ تمدن و تہذیب کے موافق ہو، اس لئے اگر وہ اس حیثیت سے بھی تمام فقہی مذاہب پر نظر ڈال لیتے تو موجودہ دور کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو جاتی،

جہانتک نقل و روایت اور استناد و ماخذ کا تعلق ہے، مصنف مرحوم ایک نہایت وسیع النظر اور محتاط بزرگ ہیں، انھوں نے موجودہ مذاق کے مطابق صرف معانی و مطالب کو اپنے الفاظ میں نقل نہیں کر دیا ہے، بلکہ اکثر جگہ نہایت طویل عبارتیں بلفظہا کئی کئی صفحوں میں نقل کر دی ہیں، اور اس طریقہ سے انھوں نے نقل و روایت میں قدما کے دور کی یاد تازہ کر دی ہے، البتہ اس قسم کی عبارتوں کے ترجمہ میں ہمکو بہت زیادہ

معروفا ولا تعزموا عقدة النكاح
حتی یبلغ الكتاب اجله واعلموا
ان الله یعلم ما فی انفسكم
فاحذروه واعلموا ان الله
غفور حلیم،

دستور مطابق کی بات نہیں) مگر ان سے نکاح کا
ٹھہراؤ تو چپکے سے بھی نہ کرنا (ان جائز طور پر بات کہہ
گزرو تو کچھ حرج کی بات نہیں) اور جب تک میعاد
مقرر (یعنی عدت) اختتام کو نہ پہونچ لے عقد نکاح کی
بات پکی نہ کر بیٹھنا اور جانے رہو کہ جو کچھ تمھارے
جی میں ہے، اللہ (اسکو) جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہو
اور (یہ بھی) جانے رہو کہ اللہ بخشنے والا ہے بردبار ہے

قرآن مجید نے مطلقہ ماں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلائے،

والوالدات یرضعن اولادهن
حولین كاملین لمن اراد ان یتم
الرضاعة وعلى المولود له رزقهن
وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس
الا وسعها لا تضار والدة بولدها
ولا مولود له بولده وعلى الوارث
مثل ذلك فان ارادا فصالا
عن تراض منهما وتشاور فلا
جناح علیهما وان اردتم ان
تسترضعوا اولادكم فلا جناح
علیكم اذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف

اور جو شخص (بی بی کو طلاق دے پیچھے اپنی اولاد کو)
پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اسکی خاطر
مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں اور
جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اس پر دستور کے
مطابق ماؤں کا کھانا کپڑا دینا لازم ہے (نان و نفقہ
کے ٹھہراؤ میں) کسی کو تکلیف نہ دیجائیگی مگر وہیں تک
کہ اسکی گنجائش ہو، ماں کو اُس کے بچہ کی وجہ سے
نقصان نہ پہونچایا جائے اور نہ اسکو جس کا بچہ ہے
(یعنی باپ کو) اس کے بچہ کی وجہ سے (کسی طرح کا
نقصان پہنچایا جائے)، اور دودھ پلانے کا
نان و نفقہ جیسا اصل باپ پر دینا (اُسکے) وارث پر

Marfat.com

واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر،

پھر اگر وقت سے پہلے (ماں باپ) دونوں اپنی رض[امندی] وصلاح سے (دودھ) چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گنا[ہ] نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی دایہ سے) دودھ [پلوانا چاہو] (تو اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو تم نے دستور کے مطابق (ان کو) دینا طے کیا تھا ان کے حوالے کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رکھو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے،

(بقرہ - ۳۰)

نظام منزلی کے سلسلے میں قرآن مجید میں اور چند چیزیں مذکور ہیں،

(۱) ایک تو یتیموں کی سرپرستی واصلاح کے احکام، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

ویسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم

اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے یتیموں کے بارے میں دریاف[ت] کرتے ہیں (تو ان کو) سمجھا دو کہ جس میں ان (یتیموں) کی بہتری (ہو وہی) بہتر ہے، اور اگر ان سے مل [جل] کر رہو، تو (وہ) تمہارے بھائی ہیں، (کوئی غیر) نہیں

اور فرمایا

وآتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوبا کبیرا

اور یتیموں کے مال ان کے حوالہ کرو اور مال [طیب] کے بدلے مال حرام نہ لو، اور ان کے مال اپنے مال میں ملا کر خورد برد نہ کرو کیونکہ (یہ) بہت ہی بڑا گنا[ہ ہے]

اور فرمایا،

وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح

اور یتیموں کو (دنیا کے) کاروبار میں لگائے رہو یہاں [تک]

Marfat.com

فان آنستم منهم رشدا فادفعوا إليهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا وبدارا ان يكبروا ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف فاذا دفعتم إليهم اموالهم فاشهدوا عليهم وكفى بالله حسيبا،

(نساء - ۱)

کہ نکاح (کی عمر) کو پہونچیں، اس وقت اگر اُن میں عقل صحیحت دیکھو تو اُن کے مال اُن کے حوالے کرو اور ایسا نہ کرنا، کہ ان کے بڑے ہونے کے اندیشے سے فضول خرچی کرکے جلدی جلدی اُن کا مال کھا پی ڈالو اور جو (ولی سرپرست) با مقدور ہو اُسے (مال یتیم کے اپنے اوپر خرچ کرنے سے) بچا رہنا چاہئیے، اور جو حاجتمند ہو وہ دستور کے مطابق (بقدر ضرورت) کھائے (تو مضائقہ نہیں) پھر جب ان کے مال انکے حوالہ کرنے لگو تو (لوگوں کو) ان (کے مال کے لینے) کا گواہ کرلو ورنہ حساب لینے کو (تو حقیقت میں) اللہ بس ہے

اس کے بعد فرمایا۔

وليخش الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعفا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولا سديدا ان الذين ياكلون اموال اليتامى ظلما ---------- انما ياكلون في بطونهم نارا وسيصلون سعيرا،

(نساء - ۱)

اور وارثان حقدار کو ڈرنا چاہئیے کہ اگر (خود اپنے مرے) پیچھے اولاد ضعیف چھوڑ جائیں تو ان کے حال پر اُنکو (کیسا کچھ) ترس (نہ) آتا تو چاہئیے کہ (غربا کے ساتھ سختی کرنے میں) اللہ سے ڈریں اور (اُن سے) سیدھی طرح بات کریں لوگ ناحق (ناروا) یتیموں کے مال خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگار بھرتے ہیں، اور عنقریب (مرے پیچھے) دوزخ میں پڑیں گے،

Marfat.com

اور یہ یتیموں کے متعلق جو احکام دیئے ان کے سلسلے میں فرمایا،

وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط — (اور خاص کر) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو،

(۲) دوسرے وصیت، چنانچہ ارشاد ہوا،

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم،

(مسلمانو!) تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور) وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت (کر مرے) جو (خدا سے) ڈرتے ہیں ان پر (اُن کے اوپر ان کا یہ ایک) حق ہے، پھر جو وصیت کے سنے پیچھے اسے کچھ کا کچھ کر دے تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدلیں (بیشک اللہ سب کی سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے، اور جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی خاص شخص کی طرف داری یا کسی کی) حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو اور وہ وارثوں میں میل کرا دے (تو ایسی صورت میں وصیت کے بدلنے کا) اس پر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اور حدیث میں بھی اسی مفہوم کی تائید کی گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ما حق امرئ مسلم لہ شیئ یرید ان یوصی فیہ یبیت لیلتہ الا و صیتہ — ایک مسلمان کا جس کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اسکی وصیت کرنی چاہتا ہو صرف یہ فرض ہے کہ وہ دو راتیں

بسر کرے تو اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود رہنی چاہیے،

(۳) تیسرے آداب استیذان یعنی کسی کے گھر آنے جانے کے طریقے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلھا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتیٰ یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم واللہ بما تعملون علیم لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون

مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا (دوسرے) گھروں میں گھر والوں سے پوچھے اور ان سے سلام علیک کیے بدوں نہ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (یہ) حکم تمکو اس غرض سے دیا گیا ہے کہ جب ایسا موقع (ہو) تو (تم) اس کا خیال رکھو، پھر اگر تمکو معلوم ہو کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں، تو جب تک تمہیں (خاص) اجازت نہ ہو ان میں نہ جاؤ اور (اگر گھر میں کوئی ہو اور) تم سے کہا جائے کہ (اسوقت موقع نہیں) لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ، یہ (لوٹ آنا) تمہارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اسکو جانتا ہے، غیر آباد مکانوں میں جن میں تمہارا اسباب ہو ان میں (بے اجازت) چلے جانے سے تم پر (کچھ) گناہ نہیں اور جو کچھ تم علانیہ کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے،

اور فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلوٰۃ العشاء ثلث عورات لکم لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن، طوافون علیکم بعضکم علیٰ بعض کذٰلک یبین اللہ لکم آیاتہٖ واللہ علیمٌ حکیم،

مسلمانو! تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلام) اور تم میں سے جو (حد) بلوغ کو نہیں پہونچے، تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لے لیا کریں، (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب تم دوپہر کو (سونے کے لئے معمول کے مطابق) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں (ان اوقات) کے سوا نہ (تو بے اذن آنے دینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں (بے اذن چلے آنے میں) ان پر کچھ گناہ کیونکہ وہ (اکثر تمہارے پاس آتے جاتے) رہتے ہیں (اور) تم میں سے بعض کو (یعنی لونڈی غلاموں کو) بعض (یعنی تمہارے) پاس آنے جانے کی ضرورت لگی ہی رہتی ہے، (تو بار بار اذن مانگنے میں تمکو بڑی تکلیف ہوگی) یوں اللہ (اپنے) احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا

(سورۃ النور ۸ ع)

اور فرمایا۔

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ،

تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کر لیا کرو، (سلام ایک) دعائے خیر ہے جو تم (مسلمانوں) کو) خدا کی طرف سے (تعلیم کی گئی ہے) برکت والی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہائے مبارکہ کی نسبت خصوصیت کے ساتھ فرمایا

یاایہا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر ناظرین اناہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحیی منکم واللہ لا یستحیی من الحق،

مسلمانو پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو، مگر یہ کہ تمکو کھانے کے لئے (آنے کی) اجازت دیجائے تو اس صورت میں ایسا وقت تاک کر جاؤ کہ تمکو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑے مگر جب تمکو بلایا جائے تو (عین وقت پر) جاؤ اور جب کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی، اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے، اور اللہ تو حق بات کے کہنے میں (کسی کا کچھ) لحاظ کرتا نہیں،

(۴) چوتھے آداب حجاب (یعنی پردہ کے طریقے) پردے کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو عورت کے لباس، اسباب آرائش اور مرد کی طرف اسکے دیکھنے، اور اس کی طرف مرد کے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، دوسرے وہ جو عورت کے گھر سے نکلنے، اور کاروبار میں مرد کے ساتھ شریک ہونے سے متعلق ہے، ان دونوں قسموں میں سے پہلی صورت کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

وقل للمومنات یغضضن من ابصارہن ویحفظن فروجہن ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن ولا یبدین زینتہن

اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہی (تو اس کا ظاہر ہونے دینا مضائقے کی بات نہیں)

الا لبعولتهن او اٰبائهن او اٰباء
بعولتهن او ابنائهن او ابناء
بعولتهن او اخوانهن او بنی اخوانهن
او بنی اخواتهن او نسائهن او
ماملکت ایمانهن او التابعین غیر
اولی الاربة من الرجال
او الطفل الذین لم یظهروا
علی عورات النساء ولا یضربن
بارجلهن لیعلم ما یخفین من
زینتهن و توبوا الی الله جمیعا
ایها المؤمنون لعلکم تفلحون،

اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور
اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے
دیں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند
کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں
پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں
پر یا اپنی (یعنی میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے
مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا (گھر کے لگے ہوئے)
خدمتیوں پر کہ مرد (تو) ہیں (مگر عورتوں سے کچھ غرض
(و مطلب) نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے
پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے (کی باتوں) سے
آگاہ نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں ایسے زور سے
نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) اُن کے اندرونی زیور کی
خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ
کرو تاکہ تم (آخرکار) فلاح پاؤ،

اور فرمایا،

یا ایها النبی قل لازواجک و
بناتک و نساء المؤمنین یدنین
علیهن من جلابیبهن ذالک ادنی
ان یعرفن فلا یؤذین وکان الله غفورا رحیما

اے پیغمبر اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں
سے کہدو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں
اس سے غالباً یہ لوگ پہچان پڑیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اور
کوئی چھیڑیگا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

Marfat.com

اور فرمایا۔

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحاً فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لھن واللہ سمیع علیم،

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید (باقی) نہیں (رہی) اگر اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار رکھیں تو اس میں اُن پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ ان کو اپنا بناؤ دکھانا منظور نہ ہو اور (اگر اسکی بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں بہتر ہے، اور اللہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ جانتا ہے،

دوسری صورت کے متعلق ازواج مطہرات رضی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ،

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کا بناؤ سنگار نہ دکھاؤ،

اور اُن کے بارے میں ارشاد ہوا،

واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذالکم کان عند اللہ عظیما،

اور جب پیغمبر کی بی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے آڑے مانگو، اس سے تمہارے دل (انکی طرف سے) خوب پاک (صاف) رہیں گے اور (اسی طرح) انکے دل بھی، اور تمکو شایاں نہیں کہ رسول خدا کو ایذا دو، اور نہ یہ (بات شایاں ہے) کہ ان کے بعد کبھی انکی بی بیوں سے نکاح کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی (بیجا) بات ہے،

نظامِ وراثت

اصولِ قرابت کے موافق اہلِ عرب کے یہاں وراثت کا عام رواج تھا، اور اس اصول کے مطابق میت کا وارث اُس کا سب سے قریبی قرابت دار یعنی بیٹا ہوتا تھا جو اس کی مدد کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وراثت صرف مردوں یعنی بیٹوں تک محدود تھی کیونکہ یہی لوگ تلوار اٹھاتے تھے، اور خاندانی شرف کی حفاظت کرتے تھے، لڑکوں کے ہوتے ہوئے ان کے علاوہ اور کسی کو ترکہ سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، لڑکے کا قائم مقام صرف میت کا باپ ہو سکتا تھا، جو اس کے بعد میت کا سب سے قریبی قرابتدار تھا، پھر باپ کے بعد بھائی اور بھائی کے بعد چچا وھلم جرا،

اسلام آیا تو اس نے بھی اسی اصول کو قائم رکھا، لیکن چونکہ وہ ایک ایسی امت اسلامیہ پیدا کرنا چاہتا تھا جس کے افراد ایک مضبوط رشتے میں مربوط ہو جائیں اُس لئے اس نے اس اصول کی بنیاد اسلام اور ہجرت پر قائم کی، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا	جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے ہجرت کیں اور
باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ	اللہ کے رستے میں اپنے جان و مال سے جہاد
والذین آووا ونصروا اولٰئک بعضھم	کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور
اولیاء بعض والذین آمنوا	(ان کی) مدد کی، یہی لوگ ہیں، ایک کے وارث
ولم یھاجروا ما لکم من	ایک، اور جو لوگ ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں
ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا	کی تو تم مسلمانوں کو ان کی وراثت سے کچھ تعلق
وان استنصروکم فی الدین	نہیں یہانتک کہ ہجرت کر کے تم میں (نہ) آئیں اور

Marfat.com

دقتیں پیش آئیں، اور باوجود کوشش کے ہم ان میں سلاست و روانی نہ پیدا کر سکے بلکہ بعض موقعوں پر غیر ضروری عبارتوں کو حذف بھی کر دیا، اس قسم کی عبارتوں کے علاوہ خود یہ ایک ایسا موضوع تھا جس میں عبارت کی شگفتگی کی تلاش ایک بے سود چیز ہے، اس کا مطالعہ صرف معانی و مطالب کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہیئے،

عبدالسلام ندوی

دارالمصنفین اعظم گڈھ

۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

Marfat.com

فعليكم النصر الا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بما تعملون بصير والذين كفروا بعضهم اولياء بعض الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير والذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين آووا ونصروا اولئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم والذين آمنوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معكم فاولئك منكم

(انفال - ۱۰)

اگر دین کے بارے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تمکو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد (و پیمان) ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھ رہا ہے، اور کافر ایک وارث ایک انکو ایک دوسرے کی میراث لینے دو) اگر ایسا نہ کروگے تو ملک میں شورش پھیل جائیگی اور بڑا فساد ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کئے، اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں، اُن کے لئے (گناہوں کی) معافی ہے اور عزت (و آبرو) کی روزی اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انھوں ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہوکر جہاد بھی کئے تو وہ تمہیں میں داخل ہیں،

اور اس قانون کے رو سے مہاجر اور اُن لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لائے یا ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی وراثت کا تعلق منقطع ہوگیا،

اس کے بعد وراثت اقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق مقرر کی،

چنانچہ ارشاد ہوا،

واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض

اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے

فی کتب اللہ ان اللہ ... بکل شئ علیم (انفال ـ ٧٥)

(کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے،

والوالارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتب اللہ من المؤمنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیائکم معروفا کان ذالک فی الکتاب مسطورا

اور رشتہ دار کتاب اللہ کے رو سے (تمام) مسلمانوں اور مہاجروں سے بڑھ کر ایک کے حقدار ایک ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہو (تو وہ بات دوسری ہے) یہی حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے

اور فرمایا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاتوهم نصیبهم ان اللہ کان علی کل شئ شهیدا،

(سورۂ نساء آیت ۳۳)

مرد اور عورت ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک (مرنے والے کی میراث) کے حقدار ٹھہرا دیئے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ تمہارا عہد پیمان ہو تو (بطور خود) ان کا حصہ ان کو بھی دو

اس آیت کی رو سے میت کا ترکہ اس کی اولاد کے بعد اس کے سب سے قریبی رشتہ داروں یعنی باپ، ماں، اقربا اور اُن لوگوں کو ملتا تھا جن سے رشتہ داری کا عقد و پیمان کیا گیا تھا، اور اس عقد و پیمان کی صورت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے رشتہ داری کا معاہدہ اس شرط پر کرتا تھا کہ دونوں باہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اور باہم ایک دوسرے کے وارث ہونگے، اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا اور اصطلاح میں اسی کو ولاء الموالات کہتے ہیں،

اس کے بعد جاہلیت کا وہ اصول توڑ دیا جس کے رو سے ترکے صرف مرد کو ملتے تھے چنانچہ فرمایا۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدٰن	ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا
والاقربون و للنساء نصیب مما	ہو یا بہت، مردوں کا حصّہ ہے، اور (ایسا ہی)
ترک الوالدان والاقربون	ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں
مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا	کا بھی حصہ ہے (اور یہ حصّہ ہمارا) ٹھہرایا ہوا ہے

اور یہ تمام عام اصول ہیں، خداوند تعالیٰ نے ہر وارث کے حصہ کی تفصیل نہیں کی ہے، جس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ احکامِ فقہی میں قرآن مجید نے تدریج و آہستگی کو ملحوظ رکھا ہے،

خداوند تعالیٰ نے پہلے صاحبِ مال کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال میں سے جو کچھ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو دینا چاہتا ہے، خود بیان کر دے، اسی بنا پر آیت وصیت جس کو ہم پہلے لکھ آئے ہیں نازل کی، اس کے بعد خود اُس حصے کی تفصیل کی جو اولاد اور اُن کے علاوہ دوسرے ورثہ ہیں، ہر ایک کو ملنا چاہئے، اور جس صورت میں میت کے ساتھ تمام ورثہ کی رشتہ داریاں یکساں حیثیت کی ہوں اس حالت میں اناث پر ذکور کی فضیلت کے اصول کو ملحوظ رکھا، البتہ اخیافی بھائیوں بہنوں کے متعلق اگرچہ کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے تاہم ظاہر قرآن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب کے سب وراثت میں برابر کے حقدار ہیں، خداوند تعالیٰ نے اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

یوصیکم اللہ فی اولادکم	(مسلمانو! تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے)
للذکر مثل حظ الانثیین فان	میں اللہ تمکو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے
کن نساء فوق اثنتین فلھن	برابر (دیا کرو) پھر اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ
ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ	ہوں تو ترکے میں ان کا (حصّہ) دو تہائی، اور

Marfat.com

فلھا النصف — اگر اکیلی ہو تو اس کا آدھا،

اور ماں باپ کی وراثت کے متعلق فرمایا،

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس،

اور میت کے ماں باپ کو (یعنی) دونوں میں ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اس صورت میں کہ میت کی اولاد ہو اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اسکے وارث صرف ماں باپ ہوں تو اسکی ماں کا حصہ ایک تہائی (باقی باپ کا) پھر اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے (ایک سے زیادہ) بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ،

اور میاں بی بی کی وراثت کے متعلق فرمایا۔

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن .... ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم، (نساء-۲)

اور جو ترکہ تمہاری بی بیاں چھوڑ مریں، اگر انکے اولاد نہیں تو اُن کے ترکے میں تمہارا آدھا اور اگر انکے اولاد ہے تو انکے ترکہ میں تمہارا چوتھائی اور جو کچھ (ترکہ) چھوڑ مرو..... اور تمہاری کوئی اولاد نہ ہو بیبیوں کا (حصہ) چوتھائی اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے بیبیوں کا آٹھواں حصہ۔

اور ماں کی اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد

اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے باپ بیٹا (یعنی اصل و فرع) نہ ہو اور دوسری ماں سے

منهما السدس فان كانوا اكثر من ذالك فهم شركاء فى الثلث

اُس کے بھائی یا بہن ہو تو اُنہیں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں (برابر کے) سب شریک ہیں،

اور عصباتی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا،

يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة ان امرء هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك وهو يرثها ان لم يكن لها ولد فان كانتا اثنتين فلهما الثلثان مما ترك وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حظ الانثيين

(نساء ع ۲۴)

(اے پیغمبر لوگ) تم سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں تو (ان لوگوں سے) کہدو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تمکو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مرجائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا کہ اسی کو کلالہ کہتے ہیں) اور اس کے (صرف ایک) بہن ہو تو بہن کو اس کے ترکہ کا آدھا اور بہن (مرجائے اور اس) کے اولاد نہ ہو تو اس کے (سارے مال) کا یہ وارث (بھائی) پھر اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو اُن کو اسکے ترکہ میں سے دو تہائی اور اگر بھائی بہن (ملے جلے) ہوں (کچھ) مرد اور کچھ عورتیں ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے

لیکن ان وراثتوں کو وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحقوا الفرائض باهلها فما بقى فلاولى رجل ذكر،

ذوی الفرض کا حق پہلے ان کو دو، اسکے بعد جو بچ رہے، وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو،

اس حدیث سے اُن لوگوں کا حقِ وراثت بھی معلوم ہوتا ہے، جن کا ذکر قرآن مجید نے

نہیں کیا یعنی چچا اور بھتیجے،

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدے ہیں جن کے ذریعہ سے لوگ باہم لین دین کرتے ہیں، اور قرآن مجید نے اجمالی اور کلی طور پر ان کا ذکر کیا ہے، اور ان کی تفصیل امت محمدیہ کیلئے چھوڑ دی ہے، چنانچہ ان قواعد کلیہ کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے وفائے عہد کا عام حکم دیا۔

یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود — مسلمانو! قول وقرار کو پورا کرو،

اور یہ ایک ایسا عام لفظ ہے جو ان تمام ضروری اور لازمی باتوں کو شامل ہے جنکو ایک آدمی دوسرے آدمی کے لئے اپنے اوپر فرض کرلیتا ہے،

(۲) ناجائز طور پر لوگوں کے مال کو خورد برد کرنے اور اس کو حکام تک رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے سے منع کیا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل	اور آپس میں ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال
وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا	کو خورد برد کرو، نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی
فریقا من اموال الناس بالاثم	کا ذریعہ گردانو تاکہ لوگوں کے مال میں سے تھوڑا بہت
وانتم تعلمون (بقرہ - ۲۳)	جو کچھ ہاتھ لگے اُس کو) جان بوجھ کر ناجائز
	طور پر ہضم کر جاؤ)

اور تجارتی منافع کو جائز قرار دیا

یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم	مسلمانو! ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو
بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ	خورد برد نہ کیا کرو، ہاں آپس کی رضامندی سے

Marfat.com

عن تراض منکم — خرید و فروخت ہو، (اور اس میں کچھ ہاتھ لگ جائے تو وہ ناروا نہیں)

چونکہ اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ انسان کو دوسرے شخص کے ہر قسم کے مال سے گو وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو کسی قسم کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہئے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔

لیس علی الاعمٰی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم او بیوت امھٰتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخوٰتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عمّٰتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خٰلٰتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم۔ لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا،

نہ (تو) اندھے (آدمی) کے لئے کچھ مضایقہ ہے اور نہ لنگڑے (آدمی) کیلئے کچھ مضائقہ ہے، اور نہ بیمار کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ (عموماً) مسلمانوں کے لئے (اس میں کچھ مضائقہ ہے) کہ اپنے گھروں سے (کھانا) کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اُن گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب

(۳) قرآن مجید نے بیع کا جو باہمی مبادلات میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، خاص حیثیت سے ذکر کیا ہے، اور اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان کی ہے، چنانچہ فرمایا۔

الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون — جو لوگ سود کھاتے ہیں (قبروں سے) کھڑے نہیں

الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا،

ہوسکیں گے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسکو شیطان نے آسیب سے مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ اسلئے کہ انہوں نے کہا کہ جیسا معاملہ بیع کا ہے ویسا ہی معاملہ سود کا ہے، حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام

اس کے بعد فرمایا،

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم،

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکرے ہیں اور کہنا نہیں مانتے، خدا ان کو دوست نہیں رکھتا

پھر فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ فان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون،

مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمے (باقی ہے) اسکو چھوڑ دو اور اگر (ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار رہو، اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تمکو (لینی پہنچی) نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے، اور اگر کوئی تنگدست تمہارا (مقروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسکو (اصل قرضہ بھی) بخش دو

اور فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا

مسلمانو! سود (در سود) نہ کھاؤ (کہ اصل میں مل مل کر

اضعافا مضاعفۃ (دوگنا چوگنا ہوتا چلا جائے)

قرآن مجید نے بیع اور ربو کی حقیقت نہیں بیان کی ہے، اور اس معاملہ میں مخاطبین کے رسم و رواج پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے، اور ایک مدت مقررہ کے لئے قرض دیتے تھے، چنانچہ جب ادائے قرض کا زمانہ آتا تھا، تو قرضخواہ مقروض سے قرض یا سود کا مطالبہ کرتا تھا، اب اگر وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تھا، تو اس پر قرض کو دوگنا کر دیتا تھا، مثلاً اگر ایک سال کی اونٹنی ہوتی تھی، تو اس کو دو سال کی اور اگر ایک پیالہ کھانا ہوتا تھا تو اس کو دو پیالہ کر دیتا تھا،

قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ سود اس فیاضانہ اصول کے منافی ہے، جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

وما آتیتم من ربا لیربوا فی	اور (یہ) جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال
اموال الناس فلا یربوا عند اللہ	میں اضافہ ہو تو وہ (سود) خدا کے یہاں نہیں بڑھتا
وما آتیتم من زکوٰۃ تریدون	اور (وہ) جو تم محض خدا کی رضاجوئی کے ارادے سے
وجہ اللہ فاولٰئک ہم المضعفون	زکوٰۃ دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو وہی (اپنے دینے کو خدا کے ہاں) بڑھا رہے ہیں،

اور عرب کے معمول و عادت اور بعض احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ادائے قرض کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لئے قرض کی جو مدت مقرر کی جاتی ہے، سود اسی کا معاوضہ ہے،

قرآن مجید نے جو اہم اصول پیش کئے ہیں، ان میں قرض مؤجل کی تحریر کا نظام بھی داخل ہے، اس کے متعلق قرآن مجید میں سب سے بڑی آیت سورہ بقرہ میں آئی ہے، اور نزول کے

Marfat.com

روسے قرآن مجید کی سب سے آخری آیت یہی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایها الذین آمنوا اذا تداینتم
بدین الی اجل مسمی فاکتبوه
ولیکتب بینکم کاتب بالعدل
ولا یاب کاتب ان یکتب کما
علمه الله فلیکتب ولیملل الذی
علیه الحق ولیتق الله ربه ولا
یبخس منه شیئا فان کان الذی
علیه الحق سفیها او ضعیفا او لا
یستطیع ان یمل هو فلیملل ولیه
بالعدل واستشهدوا شهیدین
من رجالکم فان لم یکونا
رجلین فرجل وامراتان
ممن ترضون من الشهداء
ان تضل احدهما فتذکر احدهما
الاخری ولا یاب الشهداء اذا ما
دعوا ولا تسئموا ان تکتبوه صغیرا
او کبیرا الی اجله ذلکم اقسط عند الله
واقوم للشهادة وادنی الا ترتابوا

مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقرر تک ادھار کا
لین دین کرو تو اسکو لکھ لیا کرو اور (اگر انکو لکھنا نہ
آتا ہو تو) تمہارے درمیان میں (تمہارے باہمی قول و قرار
کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے اور
(جس سے لکھواؤ تو اس) لکھنے والے کو چاہئے
کہ لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح خدا نے اسکو
(لکھنا پڑھنا) سکھایا ہے، (اسی طرح اسکو بھی
چاہئے کہ بے عذر) لکھدے اور جس کے ذمے قرض
عائد ہوگا، (وہی دستاویز کا) مطلب بولتا جائے
اور اللہ سے کہ وہی اس کا پروردگار ہے، ڈرے اور
(بولتے وقت) قرض دہندہ کے حق میں سے
کسی طرح کی کمی نہ کرے، پھر جس کے ذمے
قرض عائد ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور ہو یا خود
ادائے مطلب نہ کرسکتا ہو تو (جو) اس کا ولی (ہو وہ)
انصاف کے ساتھ (دستاویز کا مطلب) بولتا جائے اور اپنے
لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو، پھر اگر دو
نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ ان میں سے کوئی ایک
بھول جائیگی تو ایک دوسرے کو یاد دلا دے گی اور جب

گواہ ادائے شہادت کے لئے بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس کی میعاد تک کی دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی سوابغ نعمہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ

مقدمہ

ترتیب کتاب

فقہ اسلامی کے ماخذ حسب ذیل ہیں،

(۱) قرآن مجید

(۲) حدیث یعنی رسول اللہ صلعم کے وہ اقوال و افعال جو قرآن مجید کے مطالب کی تشریح و توضیح کرتے ہیں،

(۳) فقہا کی رائیں، جن کا ماخذ گو اگرچہ قرآن و حدیث ہی ہیں، تاہم وہ ایسے خیالات کا نتیجہ ہیں جو تبعاً اپنے زمانہ کے اقتضا اور ہر فقیہ کے روحانی قالب میں ڈھل کر مختلف موثرات سے متاثر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص فقہ اور فقہا کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اس تاریخ کو الگ الگ زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھے، یا اسکو مجتہدین کے مختلف روحانی قالب کے مطابق مرتب کرے، لیکن ہم نے اس تاریخ کو الگ الگ

Marfat.com

الا ان تکون تجارۃ
حاضرۃ تدیرونہا بینکم فلیس
علیکم جناح الا تکتبوھا واشھدوا
اذا تبایعتم ولا یضار کاتب ولا
شہید وان تفعلوا فانہ فسوق
بکم واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ
بکل شئ علیم وان کنتم علی سفر
ولم تجدوا کاتبا فرھن مقبوضۃ
فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی
اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ
ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمہا
فانہ آثم قلبہ واللہ بما
تعملون علیم،

(بقرہ ۳۹)

گواہ (ادائے شہادت کیلئے) بلائے جائیں تو جائیں (حاضر ہونے سے)
انکار نہ کریں اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا اس کی دستاویز
کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ
دکارروائی ہی اور گواہی کیلئے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک
ہے اور زیادہ تر اسکے قریب ہے کہ تم آیندہ کسی طرح کا
شک (وشبہہ) نہ کرو۔ مگر سودا دم نقد ہو جسکو تم (ہاتھوں
ہاتھ) آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو اسکی دستاویز کے نہ
لکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور ہاں (جب سطرح کی)
خرید و فروخت کرو تو احتیاطاً گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب
(دستاویز) کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ
گواہ کو اور ایسا کروگے تو یہ تمہاری نافرمانی ہے اور اللہ
سے ڈرو اور اللہ تمکو تعلیم دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا
ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمکو کوئی لکھنے والا نہ ملے
(اور قرض لینا ہو) تو رہن یا قبضہ (رکھ لو) پس اگر تم
میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے (اور بے رہن رکھے
قرض دیدے) تو جس پر اعتبار کیا گیا ہی (یعنی قرض
لینے والا) اس کو چاہیے کہ قرض دینے والی کی امانت
(یعنی قرض) کو ادا کرے۔ اور خدا سے جو اس کا پروردگار
ہے ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا تو

[illegible]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں بہت سے معاملات احادیث میں مذکور ہیں، اور وہ سب کے سب یا تو قرآن مجید کے عام احکام کے مطابق ہیں، یا اس کے مجمل احکام کی تفصیل ہیں، یا اس کے مطلق کو مقید کیا گیا ہے، چنانچہ جہاں استنباط احکام کے متعلق ہم مسلمانوں کے اجتہاد کا ذکر کریں گے، اُن کا ایک حصہ نقل کریں گے،

تعزیرات

قرآن مجید نے مجرموں کو جن سزاؤں کی دھمکی دی ہے، ان میں اکثر اخروی سزائیں ہیں اور جو جرائم اس نے بیان کئے ہیں، اُن ہی کے ساتھ اکثر ان کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ دنیوی سزاؤں میں صرف پانچ سزائیں خدا نے اپنی کتاب میں مقرر کی ہیں،

(۱) قصاص،

عادت و تقلید نے عرب میں قصاص کا یہ نظام قائم کر دیا تھا کہ پورا قبیلہ کا قبیلہ اپنے ایک فرد کے جرم کا ذمہ دار ہوتا تھا، البتہ جب عام مجالس میں کوئی قبیلہ کسی شخص کی آوارگی اور اوباشی کا اعلان کر دیتا تھا، تو وہ اسکے جرائم کی ذمہ داریوں سے بری ہوجاتا تھا، یہی وجہ ہے، کہ مقتول کا ولی صرف قاتل سے بہت کم قصاص لیتا تھا، بالخصوص جب مقتول شریف یا اپنی قوم کا سردار ہوتا تھا، اُس وقت قصاص کا مطالبہ اس قدر وسعت اختیار کر لیتا تھا کہ دو دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی، اور چونکہ اکثر قاتل کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا تھا اس لئے اس سے ایسے فسادات و محاربات قائم ہوجاتے تھے، جن کا سلسلہ بہت طویل زمانے تک قائم رہتا تھا، اس بنا پر قرآن مجید نے قصاص کی ذمہ داری کی تحدید کر دی اور اس کو صرف قاتل تک محدود رکھا، چنانچہ فرمایا۔

یاایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی

مسلمانو! جو لوگ (تم میں) مارے جائیں، اُن (کے بارے میں تم کو (جان کے بدلے جان) کا حکم دیا جاتا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت،

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے، کہ صرف قاتل سے اُس کے جرم کا مواخذہ کرنا چاہیئے، اس کے بعد نہایت مختصر اور دقیق الفاظ میں اس زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت بتائی، اور فرمایا۔

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون،

اور عقلمندو! (قصاص (کے قاعدے) میں تمہاری زندگی ہے، (اور اس غرض سے جاری کیا گیا ہے) تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو،

اور اجمالی طور پر یہی مفہوم مکی سورۂ اسرار کی اس آیت کا بھی ہے،

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا،

اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اسکے وارث کو (قاتل سے قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیئے کہ خون (کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے (وہ ابھی بدلہ لینے میں بھی) اسکی جیت ہے،

اہل عرب کے یہاں نظام دیت پر عام طور پر عمل درآمد جاری تھا، قرآن مجید نے بھی اسکو قائم رکھا اور اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا۔

ومن قتل مومنا خطأً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی

اور جو مسلمان غلطی سے بھی، مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور وارثان مقتول کو خونبہا دے (سوا کہ

اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من	مگر یہ کہ وارثانِ مقتول خونبہا معاف کردیں (اگر)
قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر	مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن
رقبۃ مومنۃ وان کان من	اور وہ خود مسلمان ہو تو بس ایک مسلمان غلام آزاد
قوم بینکم وبینھم میثاق	کرنا ہوگا، اور اگر (مقتول) ان لوگوں میں کا ہو جنہیں
فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر	اور تم میں (صلح) کا عہد و پیمان ہے تو (قاتل) کو چاہئے
رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام	کہ وارثانِ مقتول کو خونبہا بھی پہنچائے اور اسکے علاوہ
شھرین متتابعین توبۃ من اللہ	ایک مسلمان غلام (بھی) آزاد کرے اور جس کو (مسلمان
وکان اللہ علیما حکیما،	غلام) آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے
	روزے رکھے کہ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے اور
	اللہ (سب کے حالات) واقف ہے (اور) اسکا انتظام
	(بڑا) پکا انتظام ہے،

اور احادیث نے نظامِ دیت کی وضاحت کر دی ہے، اور بعض دیتوں کا ذمہ دار عاقلہ (یعنی اہلِ قبیلہ یا اہلِ خاندان یا اہلِ محلہ) کو بھی ٹھہرایا ہے، اور یہ اہلِ عرب کا وہی دستور ماخوذ ہے، جو اس صورت میں قائم رہ گیا ہے،

اور اعضاء کے قصاص میں قرآن مجید نے تورات کا یہ نظام بتایا ہے،

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس	اور ہم نے تورات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ
بالنفس والعین بالعین والانف	جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے
بالانف والاذن بالاذن والسن	ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت
بالسن والجروح قصاص فمن	اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم، پھر جو مظلوم (بدلہ

تصدق بہ فھو کفارۃ لہ — کردے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا،

(۲) حد زانی:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں بلا تفصیل زانی کی سزا سو درے مقرر کی ہے، چنانچہ سورۂ نور میں فرماتا ہے،

الزانیۃ والزانی فاجلدوا — عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک
کل واحد منھما مائۃ جلدۃ — کو سو درے مارو اور اگر اللہ اور روز آخرت کا یقین
ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ — رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تم کو ان کے حال
ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر — پر کسی طرح کا ترس دامنگیر نہ ہو اور نیز انکو سزا
ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین — دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت (عبرت کیلئے) موجود ہے

لیکن زانیہ لونڈی کی سزا اس کی آدھی مقرر کی، چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا۔

فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ — پھر اگر قید (نکاح) میں آئے پیچھے کوئی بیحیائی کا کام
فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب — کریں تو جو سزا بی بی کی اسکی آدھی لونڈی کی،

لیکن حدیث میں ایک نکاح شدہ زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ ابو اسحٰق شیبانی نے عبد اللہ بن اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے،؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں"، انھوں نے پوچھا کہ "سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد یا اس سے پہلے" بولے "میں نہیں جانتا"،

(۳) حد قاذف،

جو شخص کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی سزا اسی درے مقرر کی، چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا،

Marfat.com

والذین یرمون المحصنات — اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں
ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم — اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی درے مارو اور
ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة — (آئندہ) کبھی ان کی گواہی نہ قبول کرو، اور یہ لوگ
ابدا واولئک هم الفاسقون الا الذین — خود بدکار ہیں، مگر جنھوں نے ایسا کئے پیچھے توبہ کی اور
تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم (۴-۵) — اپنی عادت درست کرلی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اگر خود شوہر اپنی بی بی پر زنا کی تہمت لگائے، تو اس کے لئے ایک خاص نظام مقرر فرمایا،

چنانچہ اسی سورہ میں فرمایا،

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن — اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور
لهم شهداء الا انفسهم فشهادة — بجز اپنے ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے مدعیوں میں
احدهم اربع شهادات بالله انه — سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہو کہ وہ بار بار خدا کی قسم کھا کر
لمن الصادقین، والخامسة ان — بیان کرے، کہ بلا شک و شبہ (اپنے دعوے میں سچا ہو) اور
لعنت الله علیه ان کان من — پانچویں (دفعہ) یوں کہے کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہو تو
الکاذبین، — اس پر اللہ کی لعنت،

اور چونکہ شوہر کی یہ چار قسمیں، چار گواہوں کی قائم مقام ہیں، اس لئے قرآن مجید نے عورت کی برأت کا بھی ایک خاص طریقہ مقرر کیا،

اور اس کے بعد فرمایا،

ویدرؤا عنها العذاب — اور (مرد کے قسم کھائے پیچھے) عورت (کے سر) سے اسطرح
ان تشهد اربع شهادات — پر سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر بیان
بالله انه لمن الکاذبین — کرے کہ یہ شخص سر تا سر جھوٹا ہے اور پانچویں (بار)

Marfat.com

والخامسة ان غضب اللّٰہ علیہا ان کان من الصادقین، | یوں (کہے) کہ اگر یہ (شخص) اپنے دعوے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا ہی کا غضب پڑے،

ان دونوں آیتوں پر تھوڑے سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ انکا موضوع یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے زنا کا الزام ثابت کیا جائے، اور بیوی اس سے اپنی برات کرے اس کو نکاح اور اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہے،

(۴) حد سارق

خداوند تعالیٰ نے چور کی سزا یہ مقرر کی کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں، چنانچہ سورہ مائدہ میں فرمایا،

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللّٰہ یتوب علیہ ان اللّٰہ غفور رحیم

اور (مسلمانو) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو انکے دونوں (داہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو یہ سزا انکے کرتوت کے بدلے میں عبرت کیلئے خدا کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ زبردست اور حکیم ہے تو جو اپنے قصور کے پیچھے توبہ کرے اور اپنی حالت سنوارے تو اللہ اسکی توبہ قبول کر لیتا ہے

(۵) حد قطّاع الطریق

خداوند تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ڈاکوؤں کی یہ سزا مقرر کی ہے،

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم

اور جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں انکی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل

Marfat.com

وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم،

کر دیئے جائیں، یا انکو سولی دیجائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں یا انکو جلا وطن کر دیا جائے، یہ تو دنیا میں انکی رسوائی ہوئی اور اس کے علاوہ آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے، مگر مسلمانو! جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کر لیں تو ان کے حال سے تعرض نہ کرو اور جانتے رہو کہ اللہ لوگوں کے

۶ احکام القرآن

ان سزاؤں کے علاوہ قرآن مجید میں اور کوئی سزا مذکور نہیں، ہو البتہ حدیث میں ایک چھٹی سزا بھی بیان کی گئی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوش کو بھی سزا دی ہے،

قرآن مجید نے سزاؤں کا دار و مدار جن اصولوں پر رکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) قوم کی بھلائی، چنانچہ قصاص کے متعلق فرمایا۔

ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب لعلکم تتقون، — عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم لوگ (خونریزی سے) باز رہو،

(۲) مجرم کی تنبیہ تاکہ وہ دوبارہ جرم نہ کر سکے، چنانچہ چور اور چورنی کی سزا کے متعلق فرمایا

جزاء بما کسبا نکالا من الله، — یہ سزا ان کے اعمال کے بدلے میں عبرت و سرزنش کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے،

اور ڈاکوؤں کی سزا کے متعلق ارشاد ہوا،

ذلک لهم خزی فی الدنیا، — یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے،

(۳) جسمانی سزائیں، جن کا اثر نہایت سخت ہوتا ہے،

اور حدیث میں ان سزاؤں کے عمل میں لانے کے لئے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ جو حاکم خود ان سزاؤں میں سختی کرنا چاہے، اس کو تنبیہ ہو جائے، اور وہ احتیاط کے ساتھ اثباتِ جرم میں رعایت کرے، چنانچہ ترمذی میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ حدیث مذکور ہے،

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما	مسلمانوں کو سزاؤں سے جہاں تک تم سے ہو سکے
استطعتم فان کان لہ مخرج	بچاؤ، اور اگر کوئی گنجائش ہو تو اسکو چھوڑ دو
فخلوا سبیلہ فان الامام ان	کیونکہ رہائی میں امام کا غلطی کرنا، اس سے بہتر ہے
یخطی فی العفو خیر من ان	کہ وہ سزا میں غلطی کرے،
یخطی فی العقوبۃ،	

یہ وہ احکام ہیں جو خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعۂ وحی نازل فرمائے تھے، اور آپ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں تک ان کو پہونچا دیں اور اُن کے لئے ان کی توضیح و تشریح کر دیں، چنانچہ اس حکم کے مطابق آپ نے اُن کی تبلیغ کر دی، اور لوگوں کے لئے جو احکام نازل ہوئے تھے، عملی اور قولی حدیثوں سے ان کی تشریح فرما دی،

Marfat.com

دوسرا دور

فقہ بہ عہد کبار صحابہؓ

۱۱ سنہ سے ۴۰ سنہ ہجری تک

اجمالی طور پر سیاسی صورتحال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے، سوءِ اتفاق سے اُن کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اکثر اہلِ عرب مرتد ہوگئے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزمِ صادق اور مہاجرین اور انصار کی قوتِ ایمانیہ نے اس حالت میں نہایت کامیاب طریقہ پر ستونِ اسلام کو قائم رکھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد فوجیں روانہ کیں اور ان کے ذریعہ سے اہلِ عرب کی بگڑ فتاری کو سیدھے راستہ پر لگایا، اور دوبارہ اتحادِ عربی کو قائم کیا، اس مہم کے سر ہونے کے بعد انھوں نے ایرانی اور رومی سلطنتوں میں اشاعتِ اسلام کے لئے عراق و شام میں فوجیں بھیجیں، لیکن ابھی تک اس مہم کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ انھوں نے وفات پائی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا، اور اسکے ذریعہ سے یہ فتح مکمل ہوگئی، اور مشرقی جانب سے مسلمان اکثر ایرانی شہروں پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے نہر جیحوں (آمو دریا) تک پہونچ گئے، شمالی جانب سے انھوں نے شام اور بلادِ آرمینیا پر قبضہ کر لیا اور مغربی جانب سے مصر پر مسلط ہوگئے، ان ہی کے زمانے

زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھنے کو ترجیح دی ہے کیونکہ ان زمانوں کا اثر زیادہ قوی اور زیادہ عام ہے اسکے بخلاف فقہار کے روحانی خصوصیات میں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو جائیگا، حقیقی اختلاف نہ تھا، بالخصوص جو فقہار باہم معاصر تھے ان کی ان خصوصیات میں تو اور بھی اختلاف نہ تھا،

رسول اللہ صلعم کی بعثت سے آج تک فقہ اسلامی پر چھ دور گذر چکے ہیں، اور ہر دور میں اجتہادات اور فتاوی پر مسلمانوں کے مخصوص اجتماعی حالات کا عظیم الشان اثر پڑا ہے چنانچہ ان دوروں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) فقہ بعہد حیات پاک رسول اللہ صلعم اصل فقہ جس کی نسبت ہر فقیہ تصریح کرتا ہے، کہ وہ اس کا ماخذ ہے، یہی ہے،

(۲) فقہ بعہد کبار صحابہؓ، یہ زمانہ خلفاے راشدینؓ کے زمانہ کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا ہے،

(۳) فقہ بعہد صغار صحابہؓ و تابعینؒ، یہ زمانہ پہلی صدی ہجری یا اسکے کچھ دنوں بعد تک ختم ہو جاتا ہے،

(۴) فقہ کا وہ زمانہ جب اُسنے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی اور بڑے بڑے فقہار جو مسلم طور پر مذہبی پیشوا تسلیم کیے گئے، اور اُن کے تلامذہ جو بجائے خود مستقل طور پر بانی فقہ نہ تھے، بلکہ اپنے اساتذہ کی رایوں کی تشریح کرتے تھے، پیدا ہوئے، یہ دور تیسری صدی ہجری کے اخیر تک ختم ہو جاتا ہے

(۵) فقہ کا وہ دور جس میں ائمہ کے مسائل کی تحقیق کے لیے جدل کی گرم بازاری ہوئی، بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہوئیں اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے، یہ دور بغداد میں خلافت عباسیہ کے زوال، تاتاری غارت گری کے آغاز اور اس کے کچھ دنوں بعد تک مصر میں قائم رہا اسکے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا،

(۶) فقہ بزمانہ تقلید محض، پانچویں دور کے بعد یہ دور شروع ہوا، اور آج تک قائم ہے یہ کتاب میں نے انہی مختلف دوروں کی ترتیب کے مطابق لکھی ہے، اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی تکمیل کے سامان بہم پہنچائے،

میں اسلام کے بڑے بڑے شہر مثلاً فسطاط، کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے اور وہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت جن میں بہت سے صحابہؓ تھے آباد ہوئی، اور عرب کے علاوہ اور بہت سی دوسری قومیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی اسلامی فتوحات نے مشرق و مغرب میں نہایت وسعت حاصل کی، لیکن ابھی تک یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، یعنی ان کے دشمنوں کے اتفاق رائے سے ان کے خلاف ایک شورش برپا ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر، شام اور عراق سے چند جماعتیں مدینہ میں آئیں، اور ان کو شہید کر دیا، جس سے مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد پڑی، اور ان کے دو فرقے ہو گئے، ایک فرقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر اسی نے بیعت کی تھی، دوسرا فرقہ ان کے قاتلوں کا دشمن تھا، اور اسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی تھی پہلا فرقہ عراق کے دارالسلطنت کوفہ میں اور دوسرا فرقہ شام کے پایہ تخت دمشق میں رہتا تھا، ان دونوں فرقوں کے بغض و عداوت اور لعن و طعن کا یہ نتیجہ ہوا کہ صفین کے ریگستان میں دونوں میں باہم عظیم الشان معرکہ ہوا، اور عالم اسلامی کے چیدہ مسلمان فریقین کی جانب سے اس معرکہ میں باہم برد آزما ہوئے، لیکن کسی فریق کے لئے اس معرکہ کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ اہل شام نے کتاب اللہ کو حکم بنایا، اور اکثر اہل عراق نے بھی اس کو قبول کیا، لیکن یہ تحکیم ایک فریق یعنی حامیان معاویہؓ کی طاقت، اور دوسرے فریق یعنی حامیان علی کے ضعف کا ذریعہ بن گئی، کیونکہ ان کی فوج میں ایسے اشخاص پیدا ہو گئے، جنہوں نے تحکیم پر اعتراض کیا اور جن لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا، ان پر لعن و طعن کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے فریق

Marfat.com

کو جس نے تحکیم کے ذریعہ سے اپنی قوت میں اضافہ کر لیا تھا، چھوڑ کر خود اپنی فوج کی مخالفت میں مصروف ہوگئے، اور آخرکار انہی خوارج میں سے ایک خارجی نے ان کو ناگہانی طور پر شہید کر دیا، اور اب اُن کی شہادت سے مسلمانوں کی عام جماعت نے امیر معاویہؓ کی خلافت پر اتفاق عام کر لیا، الغرض یہ دور ختم ہوا، تو مسلمان سیاسی حیثیت سے تین فرقوں میں منقسم ہو گئے،

(۱) **جمہور مسلمان**، جو امیر معاویہؓ اور اُن کی خلافت کو پسند کرتے تھے،

(۲) **شیعہ**، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور اہلبیت کی محبت پر قائم تھے،

(۳) **خوارج**، جو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور امیر معاویہؓ تینوں سے بغض رکھتے تھے،

اور ان تینوں فرقوں نے جیسا کہ آیندہ دور سے معلوم ہوگا فقہ اسلامی پر خاص اثر ڈالا ہے،

قرآن وحدیث

(دوسرے دور میں)

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل ہوا، چنانچہ جب قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا نازل ہوتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں تک اس کو پہونچا دیتے تھے، اور اپنے کاتبانِ وحی کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے عام لوگوں میں بعض لوگ تو صرف اُس کے حفظ پر اکتفا کرتے تھے، لیکن بعض لوگ اس کو لکھ لیتے تھے،

آیات سُور کی جو ترتیب ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانے تک قرآن مجید ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا تھا بلکہ حفاظ قرآن کے سینوں، کاتبانِ وحی اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بہت سے لوگ حافظ قرآن تھے جن میں بعض لوگوں پر پورا قرآن یاد تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس نے ان کو ایک مصحف میں پورے قرآن کے جمع کرنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا، کیونکہ یمامہ کی فوج میں بہت سے حفاظ قرآن نے شہادت پائی جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ پیدا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل یمامہ کی شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، میں پہنچا تو حضرت عمر بن الخطاب بھی ان کے پاس موجود تھے، تو مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمرؓ نے مجھ سے آکر بیان کیا کہ جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ قرآن شہید ہوئے، اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی حفاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائیگا، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔" میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے اس کے لئے میرے دل کو کھول دیا، اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو حضرت عمرؓ کی تھی، زیدؓ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "تم جوان عاقل آدمی ہو، ہم تم میں کوئی قابلِ الزام عیب نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، اس لئے

Marfat.com

قرآن مجید کو ڈھونڈھو اور جمع کرو، تو خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو وہ مجھ کو ان کے ارشاد یعنی جمع قرآن سے زیادہ گراں نہ ہوتا میں نے کہا آپ لوگ وہ کام کیونکر کرتے ہیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا" بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے، الغرض حضرت ابوبکرؓ بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہانتک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اس چیز کے لئے کھول دیا جس کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی عنہما کے دلوں کو کھول دیا تھا، تو میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کے شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا، یہانتک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاریؓ سے ملا، ان کے علاوہ میں نے ان کو کسی دوسرے کے یہاں نہیں پایا، (لقد جاءکم رسول) آخر سورہ براۃ تک تو یہ صحیفے تا دم وفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس، پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہے،

بروایت سیوطی حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کا لکھنا بدعت نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے البتہ وہ مختلف ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں پر متفرق طریقے سے لکھا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف یہ کیا کہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ مجموعی صورت میں نقل کرنے کا حکم دیا، گویا اس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک میں چند اوراق جن میں قرآن متفرق طور پر لکھا ہوا تھا، پائے گئے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی شیرازہ بندی کر دی تا کہ ان میں سے کوئی ورق ضائع نہ ہونے پائے

حضرت زید بن ثابتؓ اگرچہ خود حافظ قرآن اور کاتب وحی تھے، تاہم انھوں نے

Marfat.com

صرف اپنی یاد، اور اپنے لکھے ہوئے اجزا پر قناعت نہیں کی، بلکہ انھوں نے اور حفاظ کی یاد دوسرے کاتبوں کے صحیفے، اور ان اجزا سے بھی مدد لی جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں لکھے ہوئے محفوظ تھے، اور مہاجرینؓ و انصارؓ کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا، اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے اپنی اس ضمانت کو پورا فرمایا،

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، ہمیں نے ذکر کو اتارا اور ہمیں اسکے نگہبان ہیں،

یہ تمام صحیفے جیسا کہ اوپر گذرا بہ ترتیب یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہے،

حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں بڑے بڑے اسلامی شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی، اور اُن کو جس چیز نے اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ ان شہروں میں حفاظ قرآن پھیل کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے تھے لیکن ان کی زبان کے اختلاف کے لحاظ سے ان کے درمیان قرآن مجید کے بعض حروف میں کسی قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض قاری اپنی قرات کو دوسرے قاری کی قرات پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اسکو ایک سخت اور قابل تدارک خطرے کا ذریعہ خیال کیا، امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ اہل شام کی فوج کو اس غرض سے بھیج رہے تھے کہ اہل عراق کے ساتھ شریک جنگ ہو کر آرمینیا اور آذربائجان کی فتح میں حصہ لے، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ان کی خدمت میں آئے اور ان لوگوں نے قرآن کی قرارت میں جو کچھ

اختلاف کیا تھا، اُس کے متعلق اپنی پریشانی ظاہر کی، اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ امت محمدیہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرے، آپ اس کا تدارک فرمائیے، چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حضرت ابو بکرؓ نے جو غیر مرتب صحیفے لکھوائے تھے، وہ ہمارے پاس بھجدیجئے، تاکہ ہم ان کو مصاحف میں نقل کرواکے آپ کو واپس کردیں، حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے ان کی خدمت میں بھیجدیئے، اور انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبد الرحمان بن حارث بن ہشام رضوان اللہ علیہم کو اس کے نقل کرنے کا حکم دیا، اور ان لوگوں نے ان کو مصاحف میں نقل کیا، حضرت عثمانؓ نے تینوں قریشی صحابیوں یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبد الرحمن بن حارثؓ سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن مجید کی کسی چیز میں کوئی اختلاف پیش آئے، تو اُس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ وہ قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، ان لوگوں نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ جب اُن غیر مرتب صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت حفصہؓ کی خدمت میں واپس کر دیا، اور ان نقل شدہ مصاحف میں سے ہر صوبے میں ایک ایک مصحف بھیجدیا، اور حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ قرآن مجید جس صحیفہ اور جس مصحف میں لکھا ہوا ہو، وہ جلا دیا جائے، یہ کام ۲۵ھ میں انجام پایا اور جو مصاحف اس مصحف سے لکھے گئے، وہ کوفہ، بصرہ دمشق، مکہ، اور مدینہ میں روانہ کیے گئے، اور حضرت عثمانؓ نے خود اپنے لئے ایک مصحف رکھ چھوڑا، جس کا نام "مصحف امام" تھا، یہ تمام مصاحف ان شہروں کی جامع مسجدوں میں رکھے گئے جن کو دیکھ کر قراء پڑھتے تھے، اور حفاظ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، غرض حضرت عثمانؓ کے

Marfat.com

اس طرزِ عمل سے قرآنِ مجید کا حرف حرف اختلاف کے خطرے سے محفوظ ہوگیا، لیکن قولی حدیثوں کے جمع و ترتیب کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی، بلکہ اس کے برخلاف تقلیلِ روایت کی کوشش کی جاتی تھی، چنانچہ ابن سبلی کو فشنوں کے متعلق چند تصریحات حسب ذیل ہیں،

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے، اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے اُن میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو، جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اُس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو،

(۲) حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہاری مشایعت کرتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہماری عزت افزائی کے لئے بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے، کہ تم ایسی آبادی کے لوگوں کے پاس جاتے ہو، جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا گنگنا کر قرآن مجید پڑھتے ہیں، تو احادیث کی روایت کرکے ان کی تلاوتِ قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا، صرف قرآن مجید پر بس کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو اور اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں، چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے روایت حدیث

کی خواہش کی، انھوں نے جواب دیا کہ مجھ کو حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کی ہے،

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرؓ سے، اور محمد بن عمرؓ نے ابی سلمہ سے اور ابی سلمہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ تم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ بولے جس طرح میں تم سے روایت کرتا ہوں اگر اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے،

(۴) معن بن عیسٰی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو مالک نے عبد اللہ بن ادریس کے ذریعہ سے اور عبد اللہ بن ادریس نے شعبہ کے ذریعہ سے، اور شعبہ نے سعید بن ابراہیم کے ذریعہ سے اور سعید بن ابراہیم نے اپنے باپ کے ذریعہ سے خبر دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخص یعنی ابن مسعودؓ، ابو الدرداؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو قید کر دیا اور فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ روایتیں کر دیں،

(۵) ابن علیہ نے رجار بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہونچی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں جاری تھا، کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں،

(۶) سیوطی نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں ایک روایت میں جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیرؓ تک منتہی ہوتا ہے، یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے احادیث کو لکھنا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا

تو عام صحابہؓ نے اس کا مشورہ دیا، لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر متیقن طور پر اس معاملے میں استخارہ کرتے رہے، اس کے بعد ایک دن انھوں نے یقینی راے قائم کرلی، اور فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا، پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہوگئے، اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، اس بنا پر بخدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا، اس لئے انھوں نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا۔

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے،

(۷) امام بخاری نے اعمش سے، انھوں نے ابراہیم تیمی سے، انھوں نے اپنے باپ سے، اور انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور اُن احادیث کے جو اس صحیفہ میں درج ہیں پڑھنے کی اور کوئی کتاب نہیں، اس کے بعد انھوں نے اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں حسب ذیل حدیثیں درج تھیں،

(۱) اسنان الابل	مختلف عمر کے اونٹوں کے صدقات کا بیان،
(۲) المدینة حرم ما بین عیر الی کذا فمن احدث فیها حدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا	مدینہ عیر سے یہاں تک حرم ہے جو شخص اس میں کوئی جرم کریگا، اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت پڑیگی، اور اس کی سفارش اور اس کا فدیہ خدا نہ قبول کریگا،
(۳) ذمة المسلمین واحدة یسعی بها	مسلمانوں کی امان یا مسلمانوں کا قول و قرار

ادناھم فمن احقر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا

ایک ہے، اور ادنی سے ادنی مسلمان اس کا مالک ہے، تو جو شخص کسی مسلمان کا قول توڑ دے اس پر خدا فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑیگی، اور خدا نہ اس کی سفارش اور نہ اس کا فدیہ نہ قبول کریگا،

(۴) من والی قوما بغیر اذن موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا،

جس شخص نے کسی قوم سے بغیر اس کے موالی کی اجازت کے موالات کی تو اس پر خدا فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑیگی اور خدا نہ اسکی سفارش قبول کریگا، نہ فدیہ،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرے میں مذکور ہے کہ وہ حدیث کی بہت کم روایت کرتے تھے، اور الفاظ میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے (غالباً یہ حضرت عمرؓ کا فیض تھا) ابو عمرو الشیبانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھتا تھا، لیکن وہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" نہیں کہتے تھے، اور جب "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے تھے تو کانپ اٹھتے تھے، اور کہتے تھے "اس طرح یا "اس کے مثل" یا "اس کے قریب" پایا،

ان ائمۂ فتاوی اور پیشوایانِ اسلام سے جو روایتیں نقل کی گئیں اُن پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے، کہ وہ لوگ احادیث سے بہت زیادہ استدلال نہیں کرتے تھے، اور ان کو احکام قرآنیہ کا مکمل نہیں سمجھتے تھے، لیکن احادیث سے

Marfat.com

پہلا دور

فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

قرآن و حدیث

قرآن مجید رسول اللہ صلعم کی ولادت کے اکتالیسویں سال سے آپ پر بتدریج نازل ہونا شروع ہوا، اس نزول کی ابتدا رمضان شریف کی سترہویں رات سے ہوئی اور سب سے پہلے غار حرا میں جس میں آپ معتکف تھے، یہ آیت نازل ہوئی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم، اس کے بعد وہ بتدریج آپ پر نازل ہوتا رہا یہانتک کہ ۱۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر کا ترسٹھواں سال تھا ۹ ذی الحجہ کو حج اکبر کے دن سب سے آخری آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً، اس بنا پر نزول قرآن کی ابتدا و انتہا کی کل مدت ۲۲ سال ، ۲ مہینے اور ۲۲ دن ہے، نزول قرآن کی ابتدا جس رات سے ہوئی اس کا نام لیلۃ القدر ہے، چنانچہ اس کے متعلق خود خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (القدر) ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ (دخان) ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا۔

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ رات رمضان کی تھی، چنانچہ خدا خود کہتا ہے،

استدلال کرنے کے متعلق جو روایتیں اُن سے مروی ہیں، اگر ہم ان پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ وہ کیوں صحابہ سے یہ خواہش کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں کم کریں، چنانچہ اس قسم کی چند روایتیں یہ ہیں،

(۱) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بہ سند روایت کی ہے کہ دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا حق وراثت مانگنے کے لئے آئی، لیکن انھوں نے کہا کہ میں کتاب اللہ میں تمھارا کوئی حصہ نہیں پاتا، اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا کوئی حصہ مقرر فرمایا ہے، اس کے بعد انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھٹا حصہ دیتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمھارا کوئی مؤید ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی تو انھوں نے اس کو بھی حصہ دلوایا،

(۲) حریری نے ابو نضرہ سے اور انھوں نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے دروازے کے اوٹ سے حضرت عمرؓ کو تین بار سلام کیا، لیکن اُن کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملی، وہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے، اور بلوا کر کہا تم کیوں پلٹ گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "جب تم میں کوئی شخص تین بار سلام کر چکے اور اس کو اذن نہ ملے تو واپس چلا آئے"، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر میرے پاس ایک گواہ لاؤ، ورنہ تم کو سزا دوں گا، اب حضرت ابوموسیٰؓ ہمارے پاس حالت غم میں آئے، اور ہم سب بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے پوچھا تمھارا کیا حال ہے، انھوں نے ہم کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا کیا تم میں سے ....

کسی نے اس حدیث کو سنا ہے؟ ہم نے کہا ہم میں سے ہر ایک نے اس کو سنا ہے بہرحال لوگوں نے اُن کے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا، جس نے آکر حضرت عمرؓ کو اس حدیث کی خبر دی،

(۳) ہشام نے اپنے باپ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے عورت کے ساقط کردہ حمل (یعنی جو کسی کے مارنے پیٹنے سے ساقط ہو جائے) کی دیت کے بارے میں مشورہ کیا تو مغیرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ایک لونڈی یا غلام دلوائی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک اور آدمی کو بھی لاؤ جو اس کو جانتا ہو تو محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی،

(۴) حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں بیان کیں تو انھوں نے کہا کہ اس پر میرے سامنے کوئی گواہی لاؤ، وہ اس غرض سے نکلے تو ان کو چند انصاری ملے جن سے انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا، ان لوگوں نے کہا ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تم پر تہمت نہیں لگائی، بلکہ میں نے یہ چاہا کہ اس معاملہ میں ثبوت طلب کر لوں۔

(۵) عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے، اور انھوں نے اسماء بنت الحکم الفزاریہ سے روایت کی ہے، کہ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا، تو خدا کو اس کے ذریعہ سے مجھے جس قدر فائدہ پہنچانا ہوتا تھا، پہنچا دیتا تھا، لیکن جب آپ کے علاوہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تھا، تو میں اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم کھا چکتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا،

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور کے ائمہ مسلمین اور پیشوایان اسلام صرف اس خوف سے تقلیل روایت کا مشورہ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کذب و غلط بیانی کا رواج نہ ہونے پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جو روایتیں کی جاتی تھیں، اس پر ثبوت طلب کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے، جن کی نسبت دو شخص شہادت دیتے تھے کہ انھوں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اسی بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا جو مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کی تائید کرے، اور حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت ابیؓ کے مؤیدین کی تلاش کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی سے قسم لیتے تھے، حالانکہ رفعت و عظمت کے لحاظ سے ان میں باہم کس قدر اعتماد تھا، لیکن جب قابل اطمینان طریقہ پر روایت کا ثبوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے، اور اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے،

ان کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور میں حدیث کی روایت کم ہوئی، اور صرف انہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا، جن کی روایت دو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے، اور وہ بھی اس وقت جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے، جس کے لئے حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت ہو،

اس دور میں اجتہاد

اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ شارعؑ کے معتبرہ دلائل یعنی قرآن و حدیث سے حکم شرعی کے استنباط میں پوری کوشش صرف کی جائے، اور اس کی دو قسمیں ہیں،

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن وحدیث کے ظاہر الفاظ سے حکم کا استنباط کیا جائے، اور
اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ الفاظ اس حکم کے محل و موقع کو بھی شامل ہوتے ہیں،

(۲) دوسرے یہ کہ حکم قرآن وحدیث کے عقلی مفہوم سے اخذ کیا جائے، مثلاً نص قرآن
یا نص حدیث کی کوئی علت ہو جو یا تو مصرح طور بیان کر دی گئی ہو، ....
یا استنباط کے ذریعہ سے نکالی گئی ہو، اور وہ محلِ حکم میں بھی پائی جاتی ہو لیکن قرآن و
حدیث کے الفاظ اس کو شامل نہ ہوں اور اصطلاح میں اس کو قیاس کہتے ہیں،

اس دور میں استنباط صرف اُن فتووں تک محدود تھا، جن کو وہ لوگ دیتے تھے
جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا، اور یہ لوگ مسائل کے اثبات اور اُن کے
جواب میں بہت زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتے تھے، بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور جب تک
کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو جائے، اس کے متعلق اپنی رائے نہیں ظاہر کرتے تھے، البتہ جب مسئلہ
پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے لئے استنباطِ حکم میں اجتہاد کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کبار صحابہ
سے جو فتوے منقول ہیں، اُن کی تعداد بہت کم ہے،

یہ لوگ اپنے فتاویٰ میں صرف دو چیزوں پر اعتماد کرتے تھے،

(۱) ایک تو قرآن کیونکہ وہی دین و ملت کی بنیاد ہے، اور چونکہ وہ اُن ہی کی زبان
میں نازل ہوا تھا، اس لئے وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے، اس کے ساتھ
ان کو خصوصیت کے ساتھ اسباب نزول کا علم تھا، اور اس وقت عرب کے علاوہ
اور کوئی شخص ان میں شامل نہیں ہوا تھا،

(۲) دوسرے حدیث، چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی، تو وہ لوگ بالاتفاق
اس کا اتباع کرتے تھے، اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرتا تھا، اس پر اعتماد

کرتے تھے، اس بنا پر جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا، تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے، اور اگر ہمیں اس کا حکم مل جاتا تو اسی پر فیصلہ کرتے لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے، اور اگر ان کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے، لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ اس حالت میں اکثر لوگ اٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دریافت فرماتے، اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا، اور ان کو اس کے خلاف کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، اسی احتیاط فی القبول کے ساتھ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا طرز عمل بھی یہی تھا،

صحابہؓ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے، جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں ان کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جس کو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے، اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، اور جب کسی چیز پر ان کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی یہی تھا، چنانچہ جب شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ان کو ہدایت کی کہ جو کچھ تمھیں کتاب اللہ سے معلوم ہو سکے اس کو اسی میں دیکھو اور اسکے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو، اور جو چیز تمکو اس میں نہ معلوم ہو سکے اسکے متعلق حدیث نبویؐ

کا تبع کرو، اور جو چیز تم کو حدیث میں بھی نہ معلوم ہو، اُس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ قضاءت فریضۂ محکمہ یا سنت متبعہ کا نام ہے، لیکن جو چیز تمکو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہہ ہو تو اس پر غور و فکر کرو اور خوب غور کرو، اسکے ہم صورت اور ہمشکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ (وہ عورت جس کو طلاق لینے کا اختیار دیدیا جائے) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں، اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے، اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور خدا کا رسول اس سے بری ہے" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا کہ کتاب اللہ میں بقیہ کا ثلث ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں، اور تم اپنی رائے سے کہتے ہو، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ تمھارے معاملہ میں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ علیؓ اور زیدؓ نے یہ فیصلہ کیا، بولے اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا، اس نے کہا کہ آپ کو کس نے روکا ہے، خلیفہ تو خود آپ ہیں، بولے اگر میں تمکو قرآن و حدیث کی طرف لوٹا سکتا تو انھی کی طرف لوٹاتا، لیکن میں تمکو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں اور رائے ایک مشترک چیز ہے، اس بنا پر انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا،

لیکن با ایں ہمہ وہ لوگ رائے پر اعتماد کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تاکہ لوگ دین کے بارے میں بلا علم رائے زنی پر دلیر نہ ہو جائیں، اور اس میں ایسی چیزیں نہ شامل کر دیں جو اس میں شامل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے رائے کی برائی بیان کی ہے، لیکن یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انھوں نے جس رائے کی برائی کی ہے، وہ اس رائے

Marfat.com

سے الگ ہے، جس پر انھوں نے خود عمل کیا ہے، اس لئے قابلِ مذمت رائے اگر ہے تو یہ ہے کہ فتووں میں خواہشِ نفس کی پیروی کی جائے، اور اس کا استناد دین کی کسی اصل کی طرف نہ کیا جائے، اور قابلِ ستایش رائے وہ ہے، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی کے لئے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے "ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو معلوم کرو، پھر ان سے قیاس کرو"، کیونکہ اس صورت میں رائے پر عمل کرنا درحقیقت قرآن وحدیث کے عقلی مفہوم پر عمل کرنا ہے، بہرحال جن فتاویٰ میں ان لوگوں نے رائے سے استناد کیا ہے، وہ بہت کم ہیں،

شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی حکم کے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے، اور وہ اس کے متعلق اپنی رائے سے مشورہ دیدیتی تو لوگ اس پر عمل کرتے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتا، اظہارِ رائے کے اسی طریقہ کا نام اجماع تھا، اور چونکہ اس وقت مجتہدین صحابہ کی تعداد محدود تھی، اس لئے اُن سے مشورہ لینا اور ان کی رائے کے نتیجہ سے واقف ہو جانا ممکن تھا، اور اس لئے اجماع ایک آسان چیز تھی الغرض اس طریقہ پر اس زمانے میں احکام کے ماخذ چار تھے،

(۱) **قرآن**، اور یہی قابلِ اعتماد ماخذ تھا،

(۲) **حدیث**،

(۳) **قیاس**، یا رائے، یہ قرآن وحدیث ہی کی فرع تھا،

(۴) **اجماع**، اور یہ بدیہی بات ہے کہ وہ اپنے اجماع میں قرآن وحدیث اور قیاس ہی سے استناد کرتے ہوں گے،

شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ احکام میں بہت کم اختلاف ہونے پایا، کیونکہ وہ یا تو مشورہ کے بعد صادر کئے جاتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اختلاف نہیں

ہو سکتا تھا، یا وہ کتاب محکم اور سنتِ متبعہ معروفہ کے رو سے صادر ہوتے تھے، ایسی حال میں اختلاف کا سبب صرف وہ فتاویٰ ہو سکتے تھے، جو رائے سے صادر کئے جاتے تھے لیکن ہمکو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو رائے پر بہت کم اعتماد تھا، اس کے ساتھ لوگوں پر حضرت عمر کی عام ہیبت چھائی ہوئی تھی، اس لئے فتوی دینا ان کے نزدیک کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ اس ذمہ داری کو لوگ ایک دوسرے کے سر پر ڈالنا چاہتے تھے،

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایوں کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے شریعت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، اس لئے عملی حیثیت سے اس کو لازمی نہیں قرار دیتے تھے، چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "یہ میری رائے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے، اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے ہے اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں" حضرت عمرؓ کے ایک محرر نے لکھا کہ "یہ خدا کی رائے اور عمر کی رائے ہے" تو انھوں نے کہا کہ "یہ نہایت بری بات ہے، یہ عمر کی رائے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے، اور اگر غلط ہو تو عمر کی جانب سے" اور فرمایا سنت وہ جس کو خدا اور خدا کے رسول نے مقرر کیا ہے، رائے کی غلطی کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔

امام محمد بن حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے، اور انھوں نے حماد سے، اور انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر متعین نہیں کیا، اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مرگیا، اب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عورت کے لئے پورے مہر مثل کا فتوی دیا، چنانچہ جب وہ یہ فتوی دے چکے تو فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور غلط ہو تو میری جانب اور شیطان کی جانب سے ہے، خدا اور خدا کے رسول اسکے ذمہ دار نہیں، اس پر ان کے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی

معقل بن سنان الاشجعی جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، نے کہا کہ خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملہ میں کیا تھا، چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ کے مطابق پڑ گیا تھا، اس لئے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہیں ہوئے تھے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فتویٰ میں ان کے مخالف ہیں، وہ اس عورت کو وراثت دلواتے ہیں، اس کے لئے عدت لازمی قرار دیتے ہیں، اور اس کو مہر نہیں دلواتے اور کتاب اللہ کے مقابلے میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول تسلیم نہیں کرتے، الخ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دیجاتی تو اسکو مہر نہ ملتا، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء	اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے
ما لم تمسوھن اوتفرضوا لھن	سے پہلے طلاق دیدو تو تم پر کوئی گناہ نہیں،

فریضۃ،

اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ موت کو طلاق کے مثل قرار دیتے ہیں چونکہ وہ قبول روایت میں نہایت متشدد تھے، اس لئے اس حدیث کو قبول نہیں کرتے لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے، اور معقلؓ کی روایت سے اپنی رائے کی تائید کرتے ہیں،

اس موقع پر ان چند مسائل کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جن میں اس دور کے بڑے بڑے مفتیوں نے اختلاف کیا ہے، تاکہ ان سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں،

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مطلقہ عورت نے اپنی عدت کے زمانے میں

نکاح کرلیا (اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت آئی ہے) اس بنا پر حضرت عمرؓ نے شوہر کو چند کوڑے لگائے، اور دونوں میں علیحدگی کروادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرے تو جس شخص نے اس نے نکاح کیا ہے، اگر اس کے ساتھ مقاربت نہیں کی ہے، تو ان دونوں میں علیحدگی کروادی جائے گی، اور اس کو اپنے پہلے شوہر کے طلاق کی بقیہ عدت گذارنی پڑے گی، اس کے بعد دوسرا شوہر اس کے ساتھ منگنی کر سکے گا، لیکن اگر اس نے اس سے مقاربت کرلی ہے، تو دونوں میں علیحدگی کروادی جائے گی، اس کے بعد عورت کو اول پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گذارنی ہوگی، پھر وہ دوسرے شوہر سے علیحدگی کی عدت گذارے گی اس کے بعد وہ اس سے کبھی نکاح نہ کر سکے گا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک جب پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گذار چکے گی تو دوسرا اگر چاہے گا تو اس کے ساتھ نکاح کر سکے گا، اس مسئلہ میں ان دونوں بزرگوں میں اختلاف یہ ہے کہ جب شوہر ثانی نے زوجہ معتدہ کے ساتھ مقاربت کرلی تو وہ اس کے لئے دائمی طور پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ قرآن مجید کی کوئی آیت دونوں میں سے کسی کی بھی تائید نہیں کرتی، لیکن حضرت عمرؓ نے زجر و تادیب کے قاعدے پر عمل فرمایا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصول عامہ پر

(۲) حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ جو آزاد عورت غلام کی بی بی ہو جائے، وہ صرف دو طلاق سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کی اور فرمایا کہ وہ تین طلاق سے کم میں دائمی طور پر حرام نہ ہوگی، البتہ جو لونڈی آزاد مرد کی بی بی ہو وہ صرف دو طلاق سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی، تو ان مفتیوں نے اس پر تو اتفاق کرلیا ہے، کہ غلام کے حقوق بہ نسبت آزاد آدمی کے آدھے ہیں، البتہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ

شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ (الآیۃ) رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا

اور یہی وہ مہینہ ہے، جس میں رسول اللہ صلعم غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے، چنانچہ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ آپ سال کے ایک مہینے میں اعتکاف کرتے تھے یہانتک کہ جب آپ کی بعثت کا سال آیا تو آپ رمضان شریف میں حسب معمول غار حرا کی طرف بغرض اعتکاف گئے البتہ جس رات میں وحی کی ابتدا ہوئی ہے، اس کی تعیین میں سخت اختلاف ہے، ابن اسحٰق کا میلان یہ ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی اور قرآن مجید نے بھی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے،

اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ

اگر تم خدا پر اور اس کتاب پر جسکو ہم نے اپنے بندہ پر حق و باطل کے جدا ہونے کے دن یعنی اس دن جبکہ دونوں فریق نے جنگ کی نازل کی ایمان لائے

"یوم التقی الجمعن" سے مراد وہ دن ہے جس میں یہ مقام بدر مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی اور یہ جمعہ کا دن تھا جو ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں واقع ہوا اور یوم الفرقان سے وہ دن مراد ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی ہے، اس بنا پر ان کا دونوں کا سنہ اگرچہ مختلف ہے، تاہم دونوں وصف تاریخ اور مہینے میں تاہم متحد ہیں، طبری نے بھی اپنی تفسیر میں حسن ابن علی کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ "حق و باطل کے جدا ہونے کی رات جس کے دن میں مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی رمضان کی سترھویں تاریخ میں واقع تھی"

قسطلانی نے شرح بخاری میں اس رات کی تعیین کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن میں ایک قول وہ ہے جس کی طرف ابن اسحاق .... میلان ہے اور اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے زید بن ارقمؓ

Marfat.com

طلاق کا اعتبار شوہر کے لحاظ سے کیا جائے گا، یا بی بی کے لحاظ سے؟ حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ کے نزدیک چونکہ شوہر طلاق دینے والا ہے، اس لئے طلاق کا اعتبار اسی کے لحاظ سے کیا جائے گا، لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک چونکہ طلاق بی بی پر پڑتی ہے، اس لئے اس کا اعتبار بی بی کے لحاظ سے کرتے ہیں،

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی بی بی کو حالتِ مرض میں طلاق دی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی عدت گذرنے کے بعد اس کو ان کے ترکہ سے وراثت دلوائی لیکن روایت ہے کہ شریحؓ نے ایک شخص کے بارہ میں جس نے اپنی عورت کو حالتِ مرض میں تین طلاق دی تھی، حضرت عمر بن الخطابؓ کو لکھا تو انھوں نے ان کو لکھا کہ جب تک وہ اپنی عدت میں ہے، اس کو وراثت دلوادو، لیکن اگر عدت گذر جائے تو وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں، ان دونوں بزرگوں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ مرض کی طلاق زوجیت کا رشتہ اس طرح نہیں منقطع کر دیتی کہ وہ وراثت کا سبب نہ ہو سکے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کی ہے، یعنی تا زمانۂ عدت اور حضرت عثمانؓ نے اسکی حد مقرر نہیں فرمائی، اور اس مسئلہ میں قرآن وحدیث کا کوئی صریحی حکم جس کی طرف رجوع کیا جا سکے نہیں ہے،

(۴) جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت حضرت عمر بن الخطابؓ نے وضع حمل مقرر کی ہے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا، وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا اس اختلاف کا سبب یہ ہے، کہ اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دیجائے، تو زمانہ وضع حمل کو خداوند تعالیٰ نے اس کی عدت مقرر کیا ہے، اور جس عورت کا شوہر قضا کر جائے اسکی

Marfat.com

عدت کا زمانہ چار مہینے دس دن قرار دیا ہے، اور اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہیں کی ہے، اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس عورت (جس کا شوہر مرجائے) کے معاملہ میں دونوں آیتوں پر عمل کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے آیت طلاق کو آیت وفات کا مخصص ٹھہرایا ہے، اس معاملہ میں ایک حدیث بھی ہے، اور وہ یہ کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے شوہر نے انتقال کیا تو ان کی وفات کے ۲۵ دن کے بعد ان کے یہاں ولادت ہوئی، ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت کے گذر جانے کا فتویٰ دیا لیکن روایت کے قبول کرنے میں حضرت علیؓ کی جو متشددانہ رائے ہے وہ ہم کو معلوم ہوچکی ہے،

(۵) امام مسلم اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دیجاتی تھیں تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھیں لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کام تمہل و تامل کا تھا، اس میں لوگوں نے جلد بازی کی تو ہم بھی ان کی سزا کے لیے اس کو نافذ کردیں، چنانچہ انھوں نے اس کو نافذ کردیا لیکن اور صحابہؓ نے اس پر اتفاق نہیں کیا، بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کے خلاف روایت موجود ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعزیراً نافذ کیا ہے، اور جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے، انھوں نے ظواہر نصوص کی پیروی کی ہے،

(۶) اگر شوہر ایلا کرلے یعنی اپنی بی بی سے مقاربت کرنے کی قسم کھالے اور بغیر رجعت کئے ہوئے اس پر چار مہینے گذر جائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود کا فتویٰ ہے

۔۔۔ کہ بی بی پر طلاق بائن پڑ جائے گی، اور اب اگر شوہر اس سے نکاح کرنا چاہے، تو اس کو نئے سرے سے منگنی کرنا ہوگی، لیکن اور صحابہؓ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب یہ مدت گذر جائے گی تو شوہر کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو رجعت کرلے یا طلاق دیدے، صرف چار مہینے کا گذر جانا طلاق نہ شمار کیا جائیگا، اور قرآن مجید کی آیت میں ان دونوں فتووں کا احتمال ہے،

للذین یؤلون من نسآئھم تربص اربعۃ اشھر فان فاءو فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم (بقرہ - ۲۸)	جو لوگ اپنی بی بیوں سے ایلا کرتے ہیں، ان کو چار مہینے انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد اگر رجعت کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

(۷) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ ہے، اور اس میں حضرت عمرؓ بھی ان کے موافق ہیں کہ مطلقہ عورت جب تک تیسرے حیض کے بعد غسل کرکے پاک و صاف نہ ہوجائے اپنی عدت سے نہیں نکل سکتی، لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ ہی وہ عدت سے نکل جائیگی، اور اس اختلاف کا منشا یہ ہے، کہ لفظ "قرء" کے متعلق ان میں باہم اختلاف ہے، حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک اس کے معنی طہر یعنی پاکی کے ہیں، (اس لئے تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ تین پاکیوں کا زمانہ گذر گیا) لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس کے معنی حیض کے لیتے ہیں، (اس لئے جب تک وہ تیسرے حیض سے پاک نہ ہوجائے تین حیض کا زمانہ گذر نہیں سکتا،)

Marfat.com

(۸) اگر ایک عورت کو جس کو معمولاً حیض آتا ہے، طلاق دیجائے، اور طلاق دے
بعد اس کا حیض بند ہو جائے تو اس کی نسبت حضرت عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ نو
تک انتظار کرے گی، اس زمانۂ انتظار میں اگر یہ معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو بھی اس
عدت کا زمانہ ہو گا، ورنہ نو مہینے کے بعد اس کو تین مہینے تک عدت میں رہنا ہو گا، لیکن
ان کے علاوہ اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو اپنے آئسہ (یعنی بالکل حیض
ناامید) ہونے کا انتظار کرنا ہو گا، اس کے بعد وہ مہینوں کے حساب سے عدت گذارے گی
حضرت عمرؓ کے علاوہ جن لوگوں نے فتویٰ دیا ہے، اس میں عدت کے متعلق قرآن مجید کے ظاہری
الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہے، کیونکہ اس عورت کو پہلے معمولاً حیض آتا تھا، اس لئے قرآن مجید
کی آیت کی رو سے اس کی عدت کا زمانہ تین حیض ہے، اور اب تک وہ آئسہ نہ تھی
کہ اُس کو مہینوں کے حساب سے عدت بسر کرنا پڑے، لیکن حضرت عمرؓ کے فتویٰ میں
عدت کے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی اس بات کا ثبوت کہ عورت کو حمل نہیں ہے، اور حمل
کی غالب مدت کے گذرنے کے بعد اس کا شبہہ باقی نہ رہجائیگا، اس لئے وہ مہینوں کے
حساب سے عدت بسر کرے گی،

(۹) جس عورت کو تین طلاق دیجا چکے اُس کی نسبت حضرت عمرؓ نے یہ فتویٰ دیا
کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل ہے لیکن جب ان کو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی یہ
حدیث معلوم ہوئی کہ تیسری طلاق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حق
نفقہ اور حق سکونت سے محروم کر دیا تو فرمایا کہ ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے
پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اس نے
یاد رکھا یا بھول گئی" اور خدا کی کتاب سے یہ آیت مراد ہے،

تخرجوهن من بیوتهن و لا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة، | (عدت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور وہ (خود بھی) نہ نکلیں، مگر یہ کہ کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو ان کے نکال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں،

لیکن اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل نہیں ہے اور ان لوگوں نے اولاً تو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور دوسرے اس آیت کے آخری ٹکڑے سے بھی دلیل لائے ہیں،

لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا، | (اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے،

لیکن یہ عورت جس کو تین طلاق دیجا چکی اور وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی اس کے بارے میں خدا ملاپ کی کیا صورت پیدا کر سکتا ہے؟ ان کے علاوہ اور لوگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو نفقہ کا نہیں، لیکن سکونت کا حق حاصل ہے، ان لوگوں نے حقِ نفقہ کا انکار اس آیت کے مفہوم سے کیا ہے،

وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن حتیٰ یضعن حملهن، | اور اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو بچے جننے تک اُن کا خرچ اٹھاتے رہو،

یہ لوگ کہتے ہیں کہ غیر حاملہ عورت کو حقِ نفقہ حاصل نہیں،

(۱۰) دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی حضرت ابوبکرؓ

دادا کو باپ تسلیم کیا ہے، اور باپ کی موجودگی میں بہ نصِ قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی، حضرت عمرؓ نے اس کو باپ نہیں تسلیم کیا، اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں،

(۱۱) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے، کہ ایک جدہ (یعنی نانی) حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث (یعنی نواسے کے ترکے سے) مانگنے آئی، انھوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تمھارا کوئی حصہ نہیں، اور حدیث میں بھی ہمکو تمھارا حصہ معلوم نہیں ہوتا، اس وقت واپس جاؤ تاکہ ہم لوگوں سے دریافت کرلیں، انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا، تو مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا کہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نانی کو چھٹا حصہ دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تمھارے علاوہ کوئی اس کی شہادت دے سکتا ہے؟ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے بھی کھڑے ہو کر یہی بات کہی، اور حضرت ابوبکرؓ نے اس کو چھٹا حصہ دلوایا، اس کے بعد دوسری جدہ (یعنی حقیقی دادی) حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوئی، تو انھوں نے فرمایا، قرآن مجید میں تمھارا کوئی حصہ نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ تمھارے لیے نہ تھا، بلکہ نانی کے لیے تھا، میں بذاتِ خود فرائض میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا، البتہ اسی چھٹے حصے میں اگر تم دونوں شریک ہو تو برابر تقسیم کرلو، ورنہ جو تنہا ہو وہ اسی کا حق ہے،

(۱۲) امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاکؓ بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے) سے ایک چھوٹی سے نہر نکالی، اور اس کو حضرت محمد بن مسلمہؓ کی زمین میں سے لیجانا چاہا، لیکن محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا، اس پر ضحاکؓ نے کہا تم مجھے کیوں روکتے ہو؟ وہ تو تمھارے ہی فائدے کی چیز ہے، تم اس سے ہر طرح پر فائدہ

اٹھا سکتے ہو، لیکن اب بھی انھوں نے انکار کیا، اب انھوں نے اس معاملہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے گفتگو کی، انھوں نے محمد بن مسلمہؓ کو بلوایا، اور حکم دیا کہ ان کو نہر لیجانے دو، لیکن انھوں نے اب بھی انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے فائدے کی چیز میں کیوں رکاوٹ پیدا کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے لیے بھی مفید ہے، تم اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتے ہو اور تم کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا لیکن محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم وہ نہر تمہارے پیٹ پر سے ہو کر گذرے گی، چنانچہ ضحاکؓ کو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ محمد بن مسلمہؓ کی زمین میں سے نہر کو نکال لے جائیں،

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھولے بھٹکے اونٹ بالکل آزادانہ چھوٹے ہوئے رہتے تھے، بچے جنتے تھے، اور ان کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے اُن کی تعریف (یعنی مالک کی تلاش کے لئے اعلان) کا حکم دیا، اس کے بعد وہ فروخت کر دیئے جاتے تھے، اور جب ان کا مالک آتا تھا تو اس کو اُن کی قیمت دے دی جاتی تھی،

(۱۴) عراق اور شام کی فتح کے بعد صحابہؓ کے دور میں سب سے اہم مسئلہ جو پیدا ہوا یہ تھا کہ یہ زمین جو فوجی طاقت سے فتح ہوئی ہے، اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کریں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اس کو مالِ غنیمت میں محسوب کرکے اس کا چار خمس مجاہدین پر تقسیم کر دینا چاہئے، اور ایک خمس ان مصالحِ عامہ پر صرف کرنا چاہئے، جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، چنانچہ جب ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اگر یہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے، اور اس میں وراثت جاری ہو تو اس کے بعد کے آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ میری یہ رائے نہیں ہے" اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا تو کیا رائے ہے؟ "زمین اور رعایا دونوں کو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور مال غنیمت کے دیا ہے"، حضرت عمرؓ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو، لیکن میری رائے یہ نہیں ہے، خدا کی قسم میرے بعد جو ملک فتح ہوگا اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا، بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے سر کا وبال ہو جائے اگر عراق کی زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے، اور اسی طرح شام کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ دی جائے تو سرحد کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ شام عراق اور دوسرے شہروں کے چھوٹے بچوں اور بیوہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ لیکن لوگوں نے حضرت عمرؓ سے بڑا مباحثہ کیا، اور کہا کہ خدا نے ہماری تلواروں کے ذریعہ سے ہمکو جو مال غنیمت عطا فرمایا ہے، اسکو آپ ایسے لوگوں پر وقف کرنا چاہتے ہیں جو شریک جنگ نہیں ہوئے، آپ اسکو ایسے لوگوں کے لڑکوں اور پوتوں کو دینا چاہتے ہیں جو جنگ میں موجود نہ تھے، لیکن باایں ہمہ حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہتے تھے کہ "یہ میری رائے ہے، اب ان لوگوں نے کہا کہ اس معاملہ میں مشورہ کیجئے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین سے مشورہ طلب کیا، ان لوگوں نے بھی اختلاف کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رائے یہ تھی کہ انکے حقوق تقسیم کر دیئے جائیں: اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ کے ہم رائے تھے، اب حضرت عمرؓ نے دس انصار کو طلب فرمایا جن میں پانچ آدمی شرفائے اوس کے اور پانچ آدمی شرفائے خزرج کے تھے، یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو صرف اسلئے تکلیف دی ہے کہ آپ لوگ میری ذمہ داریوں میں شریک ہوں کیونکہ میں بھی آپ ہی لوگوں

کا ایک معمولی فرد ہوں، اور آج آپ ہی لوگ حق کو قائم رکھ سکتے ہیں، کسی نے میری مخالفت کی اور کسی نے میری موافقت، میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری اس خواہش نفسانی کی تقلید کریں، آپ کے ساتھ خدا کی حق گو کتاب ہے، اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جسکو میں کرنا چاہتا ہوں، تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہوگا،، ان لوگوں نے کہا ،، اے امیر المومنین فرمایئے ہم سنیں گے،، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ،، آپ لوگوں نے لوگوں کی بات سن لی جو خیال کرتے ہیں، ان کے حقوق کو ظلماً لینا چاہتا ہوں، اور خدا سے پناہ مانگتا ہوں، کہ میں ظلم کا ارتکاب کروں، اگر میں ان سے ظلماً کوئی ایسی چیز نے لوں جو انکی ہو، اور اس کو دوسروں کو دیدوں تو میں بد بخت ہوں گا، لیکن میری رائے یہ ہے کہ ملک کسریٰ کی فتح کے بعد اگر تمام مال دجائداد اور رعایا کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے،، اور خمس کو میں اس کے مصارف میں صرف کردوں تو کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہوسکے گا، میری رائے یہ ہے کہ میں تمام آراضی کو مع رعایا کے وقف قرار دوں اور ان پر خراج اور جزیہ مقرر کروں تاکہ وہ شرکائے جنگ، خردسال بچوں اور ان کے بعد کے مسلمانوں کے لئے وقف عام ہو، کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے، جو وہاں جمع رہیں، کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان بڑے بڑے شہروں یعنی شام جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعہ سے ان کی حفاظت کیجائے اور ان کو وظائف دیئے جائیں، لیکن اگر زمین اور رعایا تقسیم کر دی گئی تو ان کو کہاں سے وظیفہ دیا جائیگا، آ. ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے،، اور آپ نے یہ بہت صحیح فرمایا کہ اگر یہ سرحد میں اور شہر فوجوں کے ذریعہ سے محفوظ نہ رکھے جائیں اور ان کے وظائف نہ مقرر کئے جائیں تو تمام کفار اپنے

شہروں میں واپس چلے جائیں گے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لئے معاملہ صاف ہوگیا اور زمین کو خود اُس کے اصلی مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، اور ان پر خراج مقرر کیا، انکی یہ رائے صحیح تھی، اور عام رائے کی پیروی میں مخالفین خاموش ہو گئے،

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں پر برابر برابر مال تقسیم فرماتے تھے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، لیکن ان سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم مال میں تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ فضیلت رکھتے ہیں، ان کو قدامت حاصل ہے، ان کے اگلے کارنامے ہیں، ان لوگوں کو ترجیح دینی چاہیئے، لیکن انھوں نے کہا کہ ان چیزوں کا ثواب تو خدا کے یہاں ملے گا، معاش کے معاملہ میں مساوات ہی بہتر ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کو وسعت ہوئی، تو انھوں نے ترجیحی حقوق قائم کئے، اور فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے، میں ان کو ان لوگوں کے برابر نہیں کر سکتا جو آپ کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے ہیں اور اسی اصول پر انھوں نے فوجی دفتر مرتب کیا،

ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اس دور کے تمام مفتیوں کے فتاوی کا استقصا کریں اور ان کے تمام اختلافی مسائل کو بیان کریں، ہم نے صرف چند مثالیں اس غرض سے درج کی ہیں کہ ان کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو جائے اور باوجود قربِ عہد رسالت کے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں، چنانچہ ان مسائل سے اختلاف کے یہ تین سبب معلوم ہوتے ہیں (۱) تو قرآن کے سمجھنے میں اختلاف ہوا، اور اس کی وجہ سے فتوی میں بھی اختلاف ہو گیا، چنانچہ اس کی چند صورتیں ہیں،

(۱) قرآن مجید میں ایک ایسے لفظ کا آنا جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، مثلاً اس آیت میں،

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین

سلسلۂ دار المصنفین

(۳۰)

تاریخ فقہ اسلامی

یعنی

علامہ محمد الخضری مرحوم کی تاریخ التشریع الاسلامی

کا ترجمہ

جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بہ تفصیل بیان کی گئی ہیں

از

مولانا عبدالسلام ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ میں چھپی

طبع چہارم — قیمت: ۱۰ روپیہ — ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء — کاتب سید اقبال احمد

Nizami Book Agency
BUDAUN - 243601 (U.P.)

Marfat.com

سے اس کی روایت کی ہے، اور میں اس اعتماد کی بنا پر اسکی طرف اپنا میلان ظاہر کرتا ہوں کہ ایسی عظیم الشان رات کی تعیین کو قرآن مجید نظر انداز نہیں کر سکتا، اگر تصریحاً نہیں تو کم از کم اشارۃً اسکی تعیین کرنا تعیین کرنا لازمی ہے، اور قرآن مجید نے نہایت عمدہ موقع پر اسکی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ بدر کا دن ایک ایسا دن تھا جس میں خدا نے مسلمانوں کو غالب کیا، اور انکو سربلندی عطا فرمائی، اور اسی دن میں خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو اپنی رسالت کا شرف بخشا، اس بنا پر اس آیت میں قرآن مجید کا یہ اشارہ "وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ" نہایت موزوں اور موقع کے مناسب ہے، لیکن نزول قرآن کی انتہا جس دن ہوئی، اس کے متعلق طبری نے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس سال رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کیا ہے، اس میں عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اور مفسرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد احکام دینی کے متعلق آپ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے، چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے جو ان کے ساتھ تھا کہا کہ اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو اس کے نزول کے دن ہم عید مناتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ خود یہ آیت اجتماع العیدین کے موقع پر جو ایک ساتھ عرفہ کے موقع پر جمعہ کے دن جمع ہوگئی تھیں نازل ہوئی ہے،

قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے پر مشرکین کو اعتراض تھا، چنانچہ قرآن مجید نے خود اس اعتراض کا ذکر کیا ہے، اور اس کا جواب دیا ہے، سورہ فرقان میں ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ	کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر پر قرآن مجید دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ یہ اسلئے کہ ہم سکے ذریعہ

...لَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ...ثَةَ قُرُوْءٍ (بقرہ - ۲۸)	مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں،

"لفظ قروء" کے معنی کے سمجھنے میں اختلاف ہوا، اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود ...اللہ عنہما نے اس کے معنی حیض لے، اور حضرت زید بن ثابت نے طہر یعنی پاکی کے سمجھے اور ...یک نے دلائل سے اپنے اپنے مفہوم کی تائید کی، اسی طرح آیتِ ایلا میں خداوند تعالیٰ نے ...یعنی بی بی کے پاس جانے کی قسم کھانے والے کے لئے چار مہینے کی مدت مقرر کی، جس ...ں اس کو انتظار کرنا چاہیے، اس کے بعد فرمایا

...ن فَاءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ...اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ ...مِيْعٌ عَلِيْمٌ، (بقرہ - ۲۸)	اگر قسم سے رجوع کر جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ مدت معینہ کے گذرنے کے بعد ہوا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ رجعت صرف مدتِ معینہ میں ہو سکتی ہے، اور جب ...وہ مدت گذر گئی تو رجعت نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے گذرنے کے ساتھ ہی طلاق پڑ جائیگی۔

(۲) دو الگ الگ چیزوں کے متعلق دو مختلف حکموں کا آنا جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ ...ان میں ایک حکم دوسری چیز کے بعض اجزا کو بھی شامل ہے، اور اس طرح وہ دونوں حکم ...اس جز میں باہم متعارض ہو جائیں، مثلاً جس عورت کا شوہر مر گیا ہو، اس کی عدت کے ...متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے، اس نے اس پر چار مہینے دس دن کا انتظار واجب کیا ہے ...اور اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے لیکن ...جس حاملہ عورت کو طلاق دیجائے، اس کی مدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے سے

Marfat.com

اس کی عدت وضعِ حمل کو قرار دیا ہے، اس بنا پر جس حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو، و
آیتوں کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے، پہلی آیت کے رُو سے اگر چار مہینے دس دن سے پ
وضع حمل ہو جائے تب بھی اس کو اس مدت میں عدت گذارنی چاہئے، لیکن دوسری یعنی ح
عورت کی عدت والی آیت کے رُو سے اگر اس مدت کے گذر جانے سے پہلے لڑکا ہو جا
اس پر اس مدت کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس کی عدت زمانہ وضع حمل کو قرا
دیا جائیگا، چنانچہ بعض کبار صحابہؓ نے ان دونوں راویوں کے مطابق فتویٰ
دیا ہے،

(دوسرے) حدیث کی وجہ سے فتوؤں میں اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ ہم اوپر بیان
کر چکے ہیں، کہ بعض حدیثیں عام طور پر معلوم تھیں، اور صحابہؓ کے ایک جم غفیر کے سا
یا تو اُن پر عمل کیا گیا تھا، یا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہو
تھیں، مثلاً نماز، کیفیتِ نماز، تعدادِ رکعاتِ نماز، حج اور شعائر حج کے متعلق جو حدیثیں تھ
وہ اسی قسم کی تھیں، لیکن بعض حدیثوں پر صرف ایک یا دو آدمیوں کے سامنے عمل کیا گ
تھا یا آپ کی زبانِ مبارک سے وہ انہی اشخاص کے سامنے ادا ہوئی تھیں، اس بنا
ان کی روایت صرف انہی لوگوں تک محدود تھی، جو اس وقت موجود تھے، چنانچہ اکث
قولی حدیثیں اسی قسم کی ہیں، اور یہی منشاء اختلاف ہیں، کیونکہ اس دور میں روایت حد
کا رواج نہ تھا، اور حدیثیں کسی ایسی کتاب میں مدون نہیں کی گئی تھیں، جس کی طرف
رجوع کیا جا سکے، اس لئے جب مفتیوں کے سامنے کوئی واقعہ آتا تھا، اور ان کو اس
متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں ملتی تھی، تو وہ لوگ اپنے رفقاء سے اس کے متع
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ دریافت فرماتے تھے، اور اس حالت م

Marfat.com

لوگ ایسے نکل آتے تھے، جو اُن کے لئے حدیث بیان کر دیتے تھے، اور وہ لوگ کافی ... کے بعد اس کے مطابق فتویٰ دیدیتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ راوی سے ایک ایسے شخص ... مطالبہ کرتے تھے جو سماعِ حدیث میں اس کا شریک ہو، اور حضرت علی بن ابی طالبؓ ... سے قسم لیتے تھے، لیکن جو حدیث ایسی روایت کی جاتی تھی، جس کی صداقت پر اُن کو ... اطمینان نہیں ہوتا تھا، اُس پر وہ عمل نہیں کرتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا" ... اپنے خدا کی کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول سے نہیں چھوڑ سکتے ... کو کیا معلوم کہ وہ صحیح کہتی ہے یا غلط، اس نے یاد رکھا یا بھول گئی" غرض عدم رواج ... رواج اور روایت کردہ حدیثوں کے قبول کرنے میں چھان بین کی بنا پر وہ لوگ ... بھی اس مفہوم کے رو سے فتویٰ دیتے تھے، جو آیاتِ قرآنیہ کے عموم سے سمجھا جاتا تھا، ... حالانکہ اس موقع پر ایسی حدیث موجود ہوتی تھی جو اس عموم کی تخصیص کرتی تھی، ... لیکن جب کوئی نص موجود نہ ہوتی تو وہ لوگ رائے اور اجتہاد سے فتویٰ صادر ... کرتے تھے،

(تیسرے) رائے کی وجہ سے فتوے میں اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ ہم ابھی اوپر ... بیان کر چکے ہیں کہ جب واقعہ کے متعلق قرآن پاک یا حدیث کی کوئی نص نہیں ہوتی ... تھی، تو وہ لوگ رائے سے فتویٰ دیتے تھے، لیکن رائے کے متعلق وہ یہ لحاظ نہیں ... کرتے تھے، کہ اس واقعہ کی کوئی معین اصل ہے یا نہیں، بلکہ جو چیز عملاً موافقِ مصلحت ... اور فقہ اسلامی کی روح سے قریب تر ہوتی تھی، اسی کا نام انھوں نے رائے رکھا تھا، ... حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ان کے پڑوسی کی نہر ان کی زمین ... سے نکالی جاسکتی ہے، کیونکہ اس میں فریقین کا فائدہ تھا اور محمد بن مسلمہؓ کو

کوئی نقصان نہیں پہونچتا تھا، یا مثلاً انھوں نے دفعۃً واحدۃً تین طلاق کے پڑجانے کا فتویٰ دیا، کیونکہ جو معاملہ غور وفکر کا محتاج تھا، اس میں لوگ جلد بازی سے کام لیتے تھے، یا مثلاً جس شخص نے زمانۂ عدت میں کسی عورت سے نکاح کرلیا، علیحدگی کے بعد اس نے دوبارہ تعزیری طور پر اُس کے نکاح کو اُس کے لئے حرام قرار دیا، لیکن مصالح پر مختلف لوگ مختلف حیثیتوں سے نگاہ ڈالتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض صحابہ نے ان کی رائے کی مخالفت کی، اور چند مسائل میں جیسا کہ ہم "بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث" اور عطیہ میں باہمی ترجیح کے متعلق بیان کرچکے ہیں، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی، اور ان کے فیصلہ سے الگ فیصلہ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی چند مسائل میں اس دور کے مفتیوں کے خلاف فتویٰ دیا ہے، چنانچہ جو یتیم ان کی کفالت میں ہوتے تھے، وہ ان کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے، لیکن ان کے علاوہ اور صحابہ کا فتویٰ یہ تھا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ اس دور میں اختلاف بہت زیادہ نہ تھا، کیوں کہ جتنے مسائل و واقعات پیدا ہوتے تھے اسی قدر وہ فتوے دیتے تھے، اور ان کے زمانے میں فتاویٰ مدوّن نہیں کئے گئے، غرض اس دور تک فقہ حسب ذیل چیزوں کا نام تھا،

(۱) قرآن مجید کے احکام وآیات،

(۲) وہ حدیثیں جو عام طور پر معلوم تھیں، اور ان پر عموماً عمل کیا جاتا تھا، ان کے علاوہ وہ حدیثیں جن کو دوسرے صحابہؓ سے روایت کیا تھا، اور کبار صحابہؓ نے ان کو قبول کرلیا تھا، یا وہ حدیثیں جن کو کبار صحابہؓ نے خود سنا تھا،

(۳) چند فتاوے جو اجتہاد و بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے،

Marfat.com

اس دور کے مشہورترین مفتی خلفائے اربعہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰؓ اشعری، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ہیں، لیکن ان میں حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے زیادہ تر فتوی دیئے ہیں، اور حضرت زید بن ثابتؓ خصوصیت کے ساتھ فرائض کے مفتی ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے حالات تو اس قدر واضح ہیں کہ اس موقع پر اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، البتہ ان کے علاوہ ہم دو بزرگوں کے حالات درج کرتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہذلی بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہیں، ان کا بیان ہے، کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا، اس وقت سطح زمین پر ہم لوگوں کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا، مکہ میں سب سے پہلے انہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا، جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا، اور وہ آپؐ کی خدمت کرنے لگے، آپؐ نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تمھاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو، چنانچہ وہ آپؐ کے پاس اندر آتے جاتے آپؐ کو جوتا پہناتے، آپؐ کے ساتھ اور آپ کے آگے آگے چلتے، جب آپ غسل فرماتے تو پردہ کرتے، اور جب آپ سوتے تو آپ کو بیدار کرتے، حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد، خندق، بیعۃ الرضوان اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے، اور آپ کے بعد معرکہ یرموک میں شرکت کی، ان سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا، کہ ہمکو ایسا شخص بتائیے، جو طور و طریقے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے حدیث سنیں اور اخذ کریں، بولے طرز و روش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر ابن مسعودؓ ہیں، اصحاب محمد میں جو لوگ محفوظ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) سب سے زیادہ مقرب بارگاہ الٰہی ہیں؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا،

حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے ان کو کوفہ بھیجا، اور باشندگانِ کوفہ کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسر رضؓ کو امیر اور عبد اللہ بن مسعود رضؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ترین بدری صحابی ہیں، انکی پیروی اور اطاعت کرو اور انکا کہنا مانو، میں نے عبد اللہ بن مسعود رضؓ کو تمھارے لئے اپنے آپ پر ترجیح دی ہے، اور انھوں نے اہلِ کوفہ کے معلم اور قاضی کی حیثیت سے وہاں قیام کیا اور وہاں کے باشندے ان سے حدیث اخذ کرتے رہے، اور انھوں نے جیسا کہ ان کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ قرآن کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھا، مذہب کے فقیہ اور حدیث کے عالم تھے، ان کی زندگی کے اخیر حصہ میں حضرت عثمان رضؓ سے ان کے تعلقات خراب ہو گئے، اور انھوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا، چنانچہ وہ مدینہ میں آئے اور تا دمِ وفات وہیں مقیم رہے، ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے، کہ حضرت عثمان رضؓ نے اُن کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ کی وفات سے پہلے جو ۳۲ھ میں واقع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے کے لئے طلبِ مغفرت کی،

حضرت زید بن ثابت رضؓ

ان کے باپ کا نام ضحاک تھا، اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو ان کی عمر گیارہ سال کی تھی، سب سے پہلے انھوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی، تبوک کی جنگ میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارہ رضؓ ابن حزم کے ہاتھ میں تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت رضؓ کے

حوالے کر دیا، عمارہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا میرے متعلق آپ کو کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟ فرمایا
"نہیں، لیکن قرآن مقدم ہے،" اور زیدؓ نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے، حضرت زید بن ثابتؓ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے، آپ کے پاس سریانی
زبان میں بہت سے خطوط آتے تھے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ارشاد سے
سریانی زبان سیکھی، آپ کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے، اور
حضرت عمرؓ نے ان کو تین بار مدینہ ہی میں اپنا جانشین بنایا، اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو
جاتے تھے تو انکو اپنا جانشین بناتے تھے، وہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے،
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید تم میں سب سے زیادہ فرائض کو جانتے ہیں،
وہ صحابہ میں بہت بڑے عالم اور راسخین فی العلم میں تھے، جب وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ
تنہا ہوتے تھے، تو نہایت خوش طبع ہوتے لیکن قوم کے مجمع میں نہایت باوقار رہتے تھے، وہ عثمانی تھے
اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، لیکن انکے فضل اور
انکی تنظیم کا اظہار کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کو انھی نے جمع کیا، اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں
اس کام کے لئے چند لوگوں کو مقرر کیا تھا، ان کے ساتھ بھی وہ شریک رہے،

Marfat.com

تیسرا دور
صغار صحابہؓ اور اُن کے تلامذہ تابعین کے عہد میں فقہ

یہ دور حکومت معاویہؓ یعنی ۴۱ھ سے شروع ہوا اور اس وقت تک قائم رہا جب عربی سلطنت میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے یعنی دوسری صدی ہجری کے آغاز تک۔

سیاسی صورتحال

یہ دور اُس زمانہ سے شروع ہوا، جب عام اسلامی جماعت نے حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق عام کر لیا، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے اکتالیسویں سال کو عام الجماعۃ یعنی جماعت کا سال کہا جاتا ہے، لیکن با ایں ہمہ ابھی تک سیاسی اختلافات کی بیخ کنی نہیں ہوئی تھی، بلکہ کچھ لوگ ایسے باقی رہ گئے تھے، جو حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے خاندان کے ساتھ دل میں بغض و اختلاف رکھتے تھے، یہ لوگ دو گروہوں میں منقسم تھے، جن میں پہلا گروہ خارجیوں کا تھا، جو اپنے سیاسی اصول کے موافق استبدادی سلطنت اور مستبد بادشاہ کا دشمن تھا، اور اُن کے نزدیک خلافت اسلامیہ کسی خاص خاندان اور کسی خاص شخص کی ذات میں محدود نہ تھی، بلکہ اُس کا دار و مدار جمہور کے ارادہ پر تھا، اور وہ اپنی سیاست اور حکومت کیلئے خود موزوں شخص کا انتخاب کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ سے

Marfat.com

بالکل اپنی علٰحدگی ظاہر کرتے تھے، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیاست ...
کیا اور اپنے خاندان والوں کی رعایت اور عزت افزائی کی، اور قومی حقوق میں انکو ترجیح د...
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان تحکیم پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت
امیر معاویہؓ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کرلیا، دوسرا گروہ شیعوں کا تھا جو خلافت کو حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا تھا، اس لئے جس شخص نے اُن کے اس حق کو غصب
کرلیا وہ اُن کے نزدیک ظالم ہے، اور اس کی حکومت جائز نہیں،

حضرت امیر معاویہؓ کے سیاسی طرز عمل نے شیعوں کے شورش انگیز خیالات کو پرسکون بنادیا تھا
اور خارجیوں کی سختیاں کم کردی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ہی اتحاد اسلامی
کے خلاف شورشیں برپا ہونے لگیں، چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی فسخ بیعت کے لئے شورش کی اور
حضرت امام حسینؓ نے اس خیال سے عراق کا رُخ کیا کہ وہاں اُن کے باپ کے حامیوں میں سے اتنے لوگ
مل جائیں گے، جو ان کے مغصوب حق کی بحالی میں ان کی مدد کریں گے، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
نے مکہ میں پناہ گزیں ہوکر مخالفت کی، ان لوگوں کی شورش نے اہل مدینہ کو بہت مضطرب الحال
بنادیا، اور ان پر سخت آفتیں نازل ہوئیں، چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام حدود عراق
میں داخل ہونے سے پہلے ہی شہید کردیئے گئے، اور اُن کے اہلبیت میں بہت سے لوگوں نے خود
اہل عراق کے درمیان شہادت پائی، اور اگر یزید مرگیا نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا بھی خاتمہ ...
یزید کی موت کے بعد فتنہ و فساد کی آگ اور بھی بھڑکی اور جب تک عبدالملک بن
مروان نے مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا کام تمام نہ کرلیا، اور وہ تمام ممالک واپس نہ لے لئے
جو شورش کا مرکز تھے، یہ آگ اسی شدت کے ساتھ بھڑکتی رہی، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
کی شہادت اور ان ممالک کی واپسی کے بعد اب دوبارہ مسلمانوں میں اتفاق عام پیدا ہوا اور شیعوں ...

فؤادک ورتلناہ ترتیلا — تیرے دل کو مضبوط کریں اور ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے

سورہ اسرار میں ہے،

وقرآنا فرقناہ لتقرءہ علی — ہم نے قرآن کو اسلئے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کیا

الناس علی مکث ونزلناہ — کہ تو آہستہ آہستہ اسکو لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور

تنزیلا — ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا ہے،

نزول قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے، جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، پہلا حصہ اُس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، جس میں آپ کا قیام مکہ معظمہ میں تھا، یہ کل ۱۲ سال پانچ مہینے اور ۱۳ دن کا زمانہ ہے، جسکی ابتداء ۱۷ رمضان ۴۱ سنہ ولادت نبوی سے ہوتی ہے اور یکم ربیع الاول ۵۴ سنہ ولادت تک وہ ختم ہو جاتا ہے، اس مدت میں قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوا ہے، اُس کو مکی کہتے ہیں،

دوسرا حصہ ہجرت کے بعد سے شروع ہوا، یہ کل نوسال نو مہینے اور نو دن کا زمانہ ہے جسکی ابتدا یکم ربیع الاول ۵۴ سنہ ولادت نبوی سے ہوئی، اور وہ ۹ ذی الحجہ ۶۳ سنہ ولادت نبوی اور سنہ ۱۰ ہجری پر ختم ہو گیا، اس زمانہ میں جو آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں، ان کو مدنی کہتے ہیں قرآن مجید کا مکی حصہ، قرآن کا $\frac{19}{30}$ اور مدنی حصہ اس کا $\frac{11}{30}$ ہے،

مدنی سورتیں حسب ذیل ہیں،

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) النسار (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) القتال (۱۱) الفتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذا جاء نصر اللہ، ان کے علاوہ جو سورتیں ہیں، وہ مکی ہیں، قرآن مجید کی سورتوں کی مجموعی تعداد ۱۱۴ ہے جنمیں

Marfat.com

بنی دعوت اور خوارج کی شدت زائل ہوگئی لیکن حضرت امیر معاویہؓ کی ذات پر مسلمانوں کا جو اتفاق ہوا تھا، اس سے یہ اتفاق مختلف تھا، کیونکہ امیر معاویہؓ اسکو رفق، ملاطفت اور حسنِ مجاملت کے ذریعہ سے محفوظ رکھا تھا، اور عبد الملک نے اس کی بنیاد بالکل قوت پر قائم کی تھی، کیونکہ اس نے کم فساد میں حجاج بن یوسف پر اعتماد کیا تھا، جو اُن مستبدین کا امام تھا، جو جبر و اقتدار کے ساتھ اتحاد و اتفاق قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے، جس کا اثر دیر پا نہیں ہو سکتا، اس لیے عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث الکندی کے زیر اثر اس کے خلاف ایک دوسری عظیم الشان شورش پیدا ہوئی اور اگر شام کی پے در پے کمک جس نے سخت جد و جہد کے بعد اس شورش کا خاتمہ کر دیا نہ پہونچی رہتی تو اس شورش نے تقریباً بنو امیہ کے اقتدار ہی کا خاتمہ کر دیا ہوتا، اسی طرح حجاج کو خوارج سے بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور اگر مہلب بن ابی صفرہ کی ہمت شاملِ حال نہ ہوتی اور خارجیوں میں فرقہ بندی نہ ہو گئی ہوتی، تو اُن کا معاملہ بھی نہایت سخت ہو جاتا، ان تمام مصائب کے خاتمہ کے بعد ولید بن عبد الملک کا دور آیا جو حکومت بنو امیہ کا سب سے زیادہ روشن اور خوشگوار دور تھا، اس دور میں فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق و مغرب میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ قائم ہوا، لیکن جس طرح آندھیوں کے سخت جھکڑوں کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ سکون بھی عارضی اور وقتی تھا، ولید کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبد الملک کا دور آیا، اور اس نے سپہ سالاران سلطنت یعنی قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ جنھوں نے مشرق و مغرب میں اس سلطنت کے اقتدار کو پھیلایا تھا، بدسلوکی کی، کیونکہ قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم حجاج بن یوسف سے تعلق رکھتے تھے، اور سلیمان اس سے بغض رکھتا تھا، اسی طرح بعض ذلیل خواہشوں کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی اس کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اسکا

نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اُن کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے دل سلیمان بن عبد الملک سے صاف نہ رہ سکے سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کو خلیفہ بنایا جنھوں نے لوگوں میں عدل و مساوات پھیلایا، اور ان کے اسلاف کے قبضہ میں جو چیزیں تھیں انکو مظالم کے نام سے واپس لیکر بیت المال میں داخل کر دیا، خلافت کے متعلق اُن کی رائے خوارج کی رائے سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی، کیونکہ انھوں نے اس کو اپنی قوم سے نکالنا چاہا، اور اس کا اہل اُس شخص کو قرار دیا جو علم اور دین کے لحاظ سے اسکے لئے موزوں تر ہو، لیکن اُن کی عاجلانہ موت کی وجہ سے یہ معاملہ غیر مکمل رہ گیا، ان کی نرمی اور چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے عہد میں دوسری صدی کے آغاز میں بنو عباس کی مخفی دعوت کا سلسلہ قائم ہوا، یزید بن عبد الملک اُن کا جانشین ہوا، اور اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا، جس کے زمانے میں زید بن علی بن الحسین نے خلافت کا مطالبہ کیا، اور اس طرح ان کی ذات سے فتنہ علویہ اُٹھ کھڑا ہوا، لیکن وہ اپنے ناکامیاب مقصد کے لئے مقتول ہوئے، اور ان کے بعد ہی ان کے فرزند یحییٰ بن زید بھی قتل کئے گئے، ہشام بن عبد الملک کے دور میں عباسیہ کی مخفی دعوت نے جس نے اخیر میں سلطنت بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا، نشو و نما پائی، غرض اس دور میں عالم اسلامی کا جو حال تھا، اس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے،

Marfat.com

اُس دور کے امتیازی خصوصیات

اس دور کے امتیازی خصوصیات یہ ہیں،

(۱) مسلمانوں میں سیاسی حیثیت سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں فرقہ بندیاں قائم ہوگئیں، اس لئے خارجی اور شیعی دونوں فرقوں کے رجحانات و میلانات بالکل الگ الگ تھے شیعوں کا میلان حضرت علیؓ، اہل بیت، اور ان کی جماعت کی طرف تھا، اور یہ لوگ اُن کے دشمنوں پر لعنت ملامت کرتے تھے، اور بسا اوقات اس سے بڑھ کر ان کو کافر کہتے تھے اور ان سے برأت کرتے تھے، اور اُن حالات میں یہ بدیہی بات ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ میں ان لوگوں کے اقوال و آراء کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، لیکن خوارج کا میلان حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء کی طرف تھا، اور یہ لوگ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے دوستوں سے برأت کا اظہار کرتے تھے، اور اس وجہ سے ان لوگوں میں کسی کی رائے کو حجت و دلیل نہیں سمجھتے تھے، طرفداران معاویہؓ یا عام مسلمان ان دونوں فرقوں سے نفرت رکھتے تھے، اور اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتے تھے، اس لئے ان اختلافات نے استنباطِ احکام پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا،

(۲) علمائے اسلام عام طور پر اسلامی شہروں میں پھیل گئے، چنانچہ مدینہ منورہ سے نکل کر بعض صحابہؓ نے معلم اور بعض نے قاری کی حیثیت سے دوسرے اسلامی

شہروں میں سکونت اختیار کر لی، یہاں تک کہ یہ نئے شہر اُن کے وطن تسلیم کر لئے گئے اور ان کی تعلیم و ارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو فتوٰی میں اُن کی شریک ہوئی، اور خود صحابہؓ نے بھی اس منصب میں ان کے حق شرکت کو تسلیم کر لیا اور انھوں نے اپنی علمی مشغولیت اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو درجہ حاصل کیا تھا، اسکو بلند کر دیا، اگر مکہ اور مدینہ کا وجود نہ ہوتا، اگر مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کی عام وقعت نہ ہوتی، اگر مکہ حج کا مقام نہ ہوتا اور مختلف العقیدہ اور مختلف البلاد مسلمان وہاں آمد و رفت نہ رکھتے تو دور دراز شہروں کے علماء میں علمی تعلق قائم نہ ہو سکتا،

(۳) چونکہ روایتِ حدیث کی رکاوٹ کا سبب دور ہو گیا، اس لئے روایتِ حدیث کا عام رواج ہوا، چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے بعد جو صحابہؓ رہ گئے تھے، اُن کے پاس دوسرے شہروں سے لوگ فتوٰی اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے، تمدن کی وسعت نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں، جن کے احکام کے متعلق ان کو مجبوراً تحقیقات کرنی پڑتی تھی، اور اس حالت میں صحابہؓ اور اُن کے شرکائے فتوٰی یعنی کبار تابعینؓ کے سوا ان کا کوئی دوسرا ٹھکانا نہ تھا، اس لئے ان حدیثوں کے ذریعہ سے جو ان کو یاد تھیں انکو فتوٰی دینا پڑتا تھا، لیکن ان میں بعض حدیثوں کو تو انھوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، اور بعض حدیثیں کبار صحابہؓ سے سُنی تھیں، اس دور کے اصحابِ فتاوٰی سے حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہے، چنانچہ ان میں بعض مفتیوں کی حدیثیں ہزاروں سے زیادہ ہیں، مثلاً مسند ابی ہریرہؓ ۱۴۳ صفحوں میں، مسند احمد بن حنبل اور مسند عبد اللہ بن عمر ۱۵۶ صفحوں میں لکھا ہوا ہے، اور اسی کے قریب اس دور کے اور صغار صحابہؓ کا حال ہے، حالانکہ مسند ابی بکرؓ ۴۳ صفحوں میں لکھا ہوا ہے، اور حضرت عمرؓ جو

Marfat.com

دور اول کے امام المفتیین تھے، ان کا مسند ۲۸۱ صفحوں میں درج ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فتویٰ میں اُن کے ہم پایہ تھے، لیکن اُن کا مسند صرف ۵۸ صفحوں میں آیا ہے لیکن کسی ایک شہر بلکہ کسی ایک کتاب میں یہ تمام حدیثیں مجموعی طور پر نہیں پائی جاتی تھیں کیونکہ جو صحابہ فتویٰ دینے والے تھے، وہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، اس لئے جو بزرگ جس شہر میں آئے اس کے باشندوں نے ان سے روایت کی اور اس لئے ایک شہر میں جن حدیثوں کی روایت کی گئی، وہ دوسرے شہر والوں کو نہ مل سکی مثلاً مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ رہتے تھے مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قیام تھا، فسطاط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ رہتے تھے، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ اور کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سکونت پذیر تھے، اور ان میں ہر ایک کے پاس احادیث نبویہ کا جو ذخیرہ تھا وہ انہی کے مطابق لوگوں کو فتویٰ دیتا تھا، اور اس موقع پر مختلف شہروں کے علماء کے درمیان علمی تعلقات کے قائم رکھنے میں گذشتہ سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خانۂ کعبہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، غرض کہ ان تینوں امتیازی خصوصیات نے فتویٰ میں بہت سے اختلافات پیدا کردیئے، اور اُن میں ہر ایک خصوصیت اختلاف کے پیدا کرنے کا قوی سبب بن گئی، مثلاً ان خصوصیات نے شیعوں کے لئے الگ، خوارج کے لئے الگ اور تمام امت کے لئے الگ الگ فتاوے پیدا کردیئے، جو باہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں،

(۴) احادیث کی روایت میں جھوٹ کا رواج ہوا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ رضی اللہ عنہما کو اسی کا ڈر تھا، چنانچہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں طاؤس سے

یہ سند روایت کی ہے کہ بشیر بن کعب، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کے سامنے حدیث بیان کرنے لگا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ "یہ حدیثیں دوبارہ بیان کرو" چنانچہ اس نے ان کو دوبارہ بیان کیا، اسکے بعد پھر انکے سامنے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا کہ "یہ یہ حدیثیں دوبارہ بیان کرو" اس کے بعد بشیر بن کعبؓ نے کہا کہ "مجھے معلوم نہ ہوا کہ آپنے میری کل حدیثوں کو تسلیم کر لیا اور صرف اس حدیث کو مردود قرار دیا، یا میری کل حدیثوں کو مردود خیال فرمایا، اور صرف اس حدیث کو تسلیم کیا، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا، تو ہم آپ سے حدیثوں کی روایت کرتے تھے، لیکن جب ہر سرکش اور فرماں بردار اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی ہر قسم کی جھوٹی سچی حدیثیں بیان کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے روایت حدیث کرنا چھوڑ دیا،

امام مسلم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حدیث بیان کرنے لگا، اور "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگا، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہ تو اس کی حدیث کو سنتے تھے، اور نہ اس کی طرف دیکھتے تھے، اس پر اس نے کہا "اے ابن عباس یہ کیا بات ہے، کہ آپ میری حدیث کو نہیں سنتے، میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں، اور آپ کان نہیں دھرتے"، بولے "ایک مدت تک ہمارا یہ حال تھا کہ جب کسی آدمی کو "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے ہوئے سنتے تھے، تو اس کی طرف فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں، اور ہم اسکی طرف اپنے کانوں کو جھکا دیتے تھے، لیکن جب لوگ ہر سرکش اور فرماں بردار اونٹ پر چڑھنے لگے تو ہم لوگ

Marfat.com

سے صرف ان حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جن کو ہم خود جانتے ہیں،

امام مسلم نے ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خط لکھا، جس میں یہ درخواست کی کہ وہ مجھے ایک کتاب لکھدیں، اور جن چیزوں میں اختلاف ہو، اُن کو چھوڑ دیں، بولے خیر خواہ لڑکا ہے، میں اس کے لئے چند چیزوں کا انتخاب کردونگا اور اختلافی چیزوں کو چھوڑ دونگا، چنانچہ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے طلب کئے، اور ان میں سے چند فیصلے لکھنے لگے، لیکن بعض فیصلوں پر گذرتے تھے تو کہتے تھے کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ اسی وقت کیا ہوگا جب وہ گمراہ ہوگئے ہونگے، (یعنی چونکہ وہ گمراہ نہیں ہوئے اس لئے یہ فیصلہ بھی ان کا نہیں ہے)

امام مسلمؒ نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک لمبی کتاب آئی جس میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے فیصلے تھے" انھوں نے سب کو مٹادیا اور صرف ایک ہاتھ کے برابر قائم رکھا،

امام مسلمؒ نے ابو اسحٰقؒ سے یہ روایت کی ہے، کہ جب لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ باتیں پیدا کیں تو اصحابِ علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا کہ "اُن پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے کیسے علم کو برباد کردیا"

امام مسلمؒ نے ابوبکر بن عباشؒ سے روایت کی ہے، کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے مغیرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو لوگ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے روایتِ حدیث کرتے تھے، اُن میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی،

امام مسلم نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ لوگ رواۃ حدیث سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ فساد ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہمکو اپنے رواۃ کا نام

بتادُ تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ اہلسنت ہیں، اور ان کی حدیث قبول کی جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اہلِ بدعت ہیں، اور اُن کی حدیث قبول نہ کی جائے،

امام مسلمؒ نے ابوالزناد اور عبداللہ بن ذکوان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے مدینہ میں سو آدمی پائے، جن میں سب کے سب مامون تھے لیکن ان کی حدیث نہیں قبول کی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں،

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حارثِ اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا،

جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا،

زہیر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے جابرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں، لیکن اُن میں سے میں نے ایک کو بھی بیان نہیں کیا، اسکے بعد ایک روز ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ ان ہی پچاس ہزار حدیثوں میں سے ہے

سفیان سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے جابر کو سنا کہ وہ تقریباً تیس ہزار حدیثوں کی روایت کرتے ہیں، لیکن میں ان میں سے کسی کا ذکر جائز نہیں سمجھتا، اگرچہ میرے پاس یہ حدیثیں ہیں،

امام مسلمؒ نے ہمام سے روایت کی ہے، کہ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمیٰ آئے، اور کہنے لگے کہ "ہم سے براء نے حدیث بیان کی"، "ہم سے زید بن ارقمؓ نے حدیث بیان کی"، ہم نے قتادہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا "اس نے جھوٹ کہا، اس نے ان لوگوں سے نہیں سنا، اس وقت وہ ایک سائل تھا، طاعون کے زمانہ میں لوگوں سے

بھیک مانگا کرتا تھا،

روایت ہے کہ ابو جعفر ہاشمی مدنی سچ باتوں کے متعلق حدیثیں بنایا کرتے تھے باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ان کی روایت کرتے تھے،

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں، اور اُن سے ان اسباب کا پتہ چلتا ہے، جن کے لئے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کیں، امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: جھوٹ روایت کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیثوں کو منسوب کرتے تھے، اور ان کی بھی چند قسمیں ہیں،

(۱) بعض لوگ مثلاً زنادقہ اور اُن کے امثال جو دین کے وقار کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اپنے ترفع یا دین کی تحقیر کی غرض سے حدیثیں وضع کرتے تھے،

(۲) جاہل مستعبدین یعنی جاہل عبادت گذار لوگوں نے بزعم خود نیک اور دینی کام سمجھ کر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق حدیثیں وضع کیں،

(۳) بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے حدیثیں بنائیں،

(۴) بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب یا اپنے مذاہب پر دلیل قائم کرنے کے لئے حدیثیں گڑھیں،

(۵) بعض لوگوں نے اہل دنیا کی خواہشوں کی پیروی اور اُن کے افعال پر شرعی عذر قائم کرنے کے لئے جعلی حدیثیں بنائیں،

جو لوگ اہل فن ہیں اور رواۃِ حدیث کا علم رکھتے ہیں، ان کے نزدیک ان تمام طبقات میں ہر طبقہ کی ایک ایک جماعت بالتعیین موجود تھی، بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خود متنِ حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن متن ضعیف کے لئے ایک مشہور اور صحیح سند گڑھ لیا کرتے تھے، اور بعض لوگ اسانید کو الٹ پلٹ دیتے تھے، یا ان میں اضافہ کر لیتے تھے، اور جس سے انکا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو متحیر کر دیں، یا اپنے اوپر جہالت کا الزام نہ آنے دیں،

بعض لوگ ان حدیثوں کے متعلق جن کو انھوں نے نہیں سنا تھا، اور ان اشخاص کی نسبت جن سے انھوں نے ملاقات نہیں کی تھی جھوٹا موٹا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انھوں نے ان حدیثوں کو سنا ہے، اور ان اشخاص سے ملاقات کی ہے، اور اس طرح ان کی سند سے اُن کی صحیح حدیثوں کی روایت کرتے تھے،

بعض لوگ صحابہؓ وغیرہ کے کلام اور عرب اور حکمار کے حکمت آمیز مقولوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے، غرض اس دور میں اس قسم کے لوگ بہ کثرت موجود تھے، اور جب حضرت ابن عباسؓ ہی کے زمانہ میں جب کہ اسلام بالکل تروتازہ تھا، یہ حالت پہونچ گئی تھی، جس کی نسبت انھوں نے متذکرۂ بالا اقوال کہے، تو جابر جعفی کی نسبت جو یہ کہتا تھا کہ اس کے پاس ۵۰ ہزار حدیثیں اور بعض روایات کے رو سے ستر ہزار حدیثیں ہیں، جن کو وہ محمد بن باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا ہے تو تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟

سیاسی اختلاف اور تعصب مذہبی کی بنا پر جو لوگ ان مذاہب میں غلو رکھتے تھے، ان میں بہت سے لوگوں نے اپنے عقائد و اعمال کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی حدیثوں کی روایت کرنا اپنے لئے جائز کر لیا تھا، اُس وقت شیعہ، خارجی اور

Marfat.com

سب سے پہلی سورہ فاتحہ اور سب سے آخری سورۃ الناس ہے،

مراتب بلند میں سے ایک مرتبہ کو سورہ کہتے ہیں، چنانچہ نابغہ کہتا ہے،

الم تر ان اللہ اعطاک سورۃ ترٰی کل ملک دونہا یتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا نے تجھ کو ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ تو ہر بادشاہ کو اس کے سامنے تذبذب کرتے ہوئے دیکھتا ہے،

اس شعر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تجھ کو مراتب شرف میں سے ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اور بادشاہوں کے مرتبے اس سے کم ہیں لیکن بعض لوگوں نے قرآن کی سورہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور ان لوگوں کے لغت میں اس کے معنی قرآن کے اس ٹکڑے کے ہیں، جو اس کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ کر لیا گیا ہے کیونکہ ہر چیز کا سورہ بچا کھچا حصہ ہے جو اس حصے کے بعد رہ جاتا ہے جو اس سے لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آدمی پینے کے بعد برتن میں جو فضلہ چھوڑ دیتا ہے، اس کو سؤر کہتے ہیں، اسی بنا پر اعشیٰ ثعلبہ ایک عورت کے متعلق جو اس سے جدا ہو گئی اور اس کے دل میں اپنے غم کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی کہتا ہے،

فبانت وقد اسأرت فی الفؤا دصدعا علی نایہا مستطیرا

وہ جدا ہو کر دل میں اپنی جدائی سے ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی،

اور اسی کے مثل دوسری حالت میں کہتا ہے،

بانت وقد أسأرت فی النفس ما حتقا بعد ائتلاف وخیر الود ما نفعا

وہ جدا ہو گئی اور میل جول کے بعد دل میں اپنی خواہش کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی، حالانکہ بہترین محبت وہ ہے جو مفید ہو،

ان میں ہر سورہ کا ایک خاص نام ہے، اکثر سورتوں کا نام انکی ابتدائی آیتوں سے ماخوذ ہے،

Marfat.com

عام مسلمان سبھی موجود تھے، اور ہر فرقہ میں خبیث الباطن اشخاص پائے جاتے تھے، البتہ ان میں خوارج کم دروغگو ہوتے تھے، کیونکہ ان کے اصول کے رو سے گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دروغگوئی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے، اس لئے ان میں اس قسم کی جرأت کرنے والے اشخاص بمشکل نظر آسکتے ہیں،

اسی وقت نے آیندہ دور میں اہل حدیث کے کام کو بہت زیادہ سخت کر دیا اور تمکو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ انھوں نے ان آمیزشوں سے حدیث کو کیونکر پاک کیا، اور ان کو اس معاملہ میں کس قدر کامیابی ہوئی؟

(۵) تعلیم یافتہ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی، چنانچہ بہت سے ایرانی رومی اور مصری لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، جو موالی کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ جو شخص جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا، وہ اس کا "مولی" ہوتا تھا، ان میں بعض لوگ تو ایسے تھے، جو غلام بنائے گئے تھے، اور بعض لوگ غلام بنانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی گرفتار کیا، ان کو اپنے زیر تربیت رکھا، اور ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دی، چنانچہ ان لوگوں نے قرآن حدیث کو یاد کیا، ان کو سمجھا، اور اس معاملہ میں ان کو لکھنے پڑھنے کی جو استعداد حاصل تھی، اس سے کام لیا، اس وقت عام عربی اسلامی جماعت میں اگرچہ سخت قومی تعصب موجود تھا، بایں ہمہ انھوں نے مجبوراً ان کی عزت کی، اور اُن کے فتووں، اور اُن کی روایتوں کو تسلیم کیا، یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں موجود، اور علم اور تعلیم صحابہؓ اور عرب کے کبار تابعین کے شریک تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ان کے راوی اور مولی عکرمہؒ کا، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے

ساتھ اُن کے موالی نافع کا اور حضرت انس بن مالکؓ کیا تھا ان کے موالی محمد بن سیرینؒ
اور حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ ان کے راوی عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر
ہے، اور صحابہؓ میں یہی چاروں بزرگ ہیں جن سے اکثر حدیثیں اور اکثر فتوے منقول ہیں اس
ان کے چاروں موالی کو اس حیثیت سے بہت بڑی عزت حاصل ہے، اگرچہ یہ خیال غلط ہے، کہ
فقہ اور روایت حدیث میں عرب کا حصہ عجمیوں سے کم ہے، بلکہ اس معاملہ میں دونوں برابر
کے شریک تھے، چنانچہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جس میں دونوں فریق کی وافر تعداد موجود نہ ہو،
تاہم بعض شہر مثلاً بصرہ میں موالی کو امتیاز حاصل تھا، اور حسن بن الحسن البصری ان کے سردار تھے،
اور بعض شہر مثلاً کوفہ میں فقہائے عرب نمایاں حیثیت رکھتے تھے،

(۶) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوئی اور ان دونوں میں سے ہر ایک
اصول کے الگ الگ حامی پیدا ہوگئے، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ دور اول میں کبار صحابہؓ اپنے
فتوؤں میں پہلے قرآن مجید پر اس کے بعد حدیث پر اعتماد کرتے تھے لیکن جب ان دونوں
میں کوئی حکم نہیں ملتا تھا، تو رائے کے ساتھ جس کو وسیع معنوں میں قیاس کہا جا سکتا ہے فتوی
دیتے تھے، لیکن رائے کی طرف اُن کا میلان بہت زیادہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ ان
سے رائے کی برائی منقول ہے، ہم نے اوپر یہ بھی بیان کر دیا ہے، کہ قابل عمل رائے کیا ہے؟
اور مذموم رائے کس کو کہتے ہیں؟ یہ دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان میں کچھ لوگ ایسے تھے،
جو فتوے کو صرف حدیث تک محدود رکھتے تھے، اور اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے، یہ
لوگ ہر مسئلہ میں انہی حدیثوں کے رو سے فتوے دیتے تھے، جو ان کو ملتی تھیں، خود ایسے
روابط موجود نہ تھے، جو باہم مسائل کی شیرازہ بندی کر سکیں لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی
موجود تھا جو شریعت کو ایک عقلی اور اصولی چیز سمجھتا تھا، اگرچہ یہ لوگ بھی حتی المقدور

Marfat.com

اہل بالکتاب والسنہ میں پہلے لوگوں کے مخالف نہ تھے، تاہم چونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا، کہ شریعت کے عقلی وجوہ سمجھ میں آسکتے ہیں، اور وہ ایسے مضبوط اصول پر قائم ہیں جو خود قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں، اس لئے جب ان کو قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ملتی تھی تو فریق اوّل کی طرح ان کو رائے سے فتویٰ دینے میں کوئی باک نہ تھا، اس کے علاوہ یہ لوگ احکام شرعیہ کے علل واسباب اور اُن کے مقاصد و اغراض کو سمجھنا چاہتے تھے، اور بسا اوقات اصولِ شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر بعض حدیثوں کو بالخصوص جب دوسری حدیثیں اُن کے معارض و مخالف ہوتی تھیں رد کر دیتے تھے

اہلِ عراق میں اس اصول کا زیادہ رواج ہوا، چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے تابعین فقہائے اہلِ مدینہ کے شیخ حضرت سعید بن مسیبؓ سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے متعلق سوال کیا کہ عورت کے ایک انگلی کی دیت کیا ہے؟ انھوں نے کہا "دس اونٹ" بولے تو پھر دو انگلیوں کی دیت کیا ہوگی؟ فرمایا "بیس اونٹ" بولے تو پھر تین انگلیوں کی دیت کیا ہے؟ جواب دیا "۳۰ اونٹ" بولے "تو پھر چار انگلیوں کی دیت کس قدر دینا ہوگی؟ انھوں نے کہا ۲۰ اونٹ" بولے "تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب اس کے زخم زیادہ ہوئے تو اس کی دیت ہو گئی" اب حضرت سعیدؒ بن المسیب نے فرمایا کہ تم عراقی تو نہیں ہو؟ سنت یہی ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؓ کے نزدیک ثلث دیت تک عورت کی دیت مرد کی دیت کے مساوی ہے، لیکن جب وہ ثلث سے بڑھ گئی تو عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہو گی، اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے مطابق نہیں ہے، تاہم چونکہ انکے نزدیک فقہی احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں ہے، اس لئے انھوں نے اس مسئلہ کو ظاہری صورت پر قائم رکھا ہے، یعنی تین انگلیوں کی دیت چونکہ ثلث دیت کے (سو اونٹ)

سے کم ہے، اس لئے عورت کی تین انگلیوں کی دیت ۳۰ اونٹ ہیں، لیکن چار انگلیوں کی دیت ثلث دیت سے زیادہ ہے، اس لئے وہ مرد کی دیت کی نصف یعنی ۲۰ اونٹ ہوگی لیکن یہ ایک ایسا نتیجہ ہے، جس کی وجہ ربیعہ نے نہیں سمجھی اور حضرت سعید بن المسیب رض سے اس کے متعلق سوال کیا، لیکن حضرت سعید بن المسیب رض کو یہ سوال پسند نہ آیا، اور انھوں نے یہ سمجھا کہ ربیعہ ان لوگوں میں ہیں، جو باوجود نصِ صریح کے فقہی احکام میں جیسا کہ اہلِ عراق کا عام طریقہ ہے رائے کو دخل دیتے ہیں، اس لئے انھوں نے کہا کہ تم عراقی تو نہیں ہو، اس مسئلہ میں اہل عراق کا فتویٰ یہ ہے کہ جس طرح جان سے مار ڈالنے میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہے (یعنی پچاس اونٹ) اسی طرح ہاتھ پاؤں میں بھی اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، وہ لوگ اس مسئلہ میں اس نتیجہ کو عقل کے مخالف ہے چھوڑ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیب رض کے قول میں سنت سے مراد حضرت زید بن ثابت رض کی سنت ہے، کیونکہ وہی یہ فتویٰ دیتے تھے،

غرض اہلِ حدیث اور اہلِ رائے کا مسلک یہ تھا، کہ اول گروہ صرف ظواہر نصوص سے غرض رکھتا تھا، لیکن ان کے علل و اسباب سے بحث نہیں کرتا تھا، اور رائے سے بہت کم فتویٰ دیتا تھا، لیکن جو لوگ اہل الرائے تھے، وہ احکام کے علل و اسباب کا سراغ لگاتے تھے، اصول کے ذریعہ سے باہم مسائل کی شیرازہ بندی کرتے تھے، اور جب ان کو کوئی حدیث نہیں ملتی تھی، تو رائے سے فتویٰ دینے میں انکو کوئی تامل نہ تھا، ملکی تقسیم کے لحاظ سے اکثر اہلِ حجاز اہلِ حدیث اور اکثر اہلِ عراق اہل الرائے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ نے حضرت سعید بن المسیب رض سے حکم کی علت دریافت

انھوں نے کہا کہ "تم عراقی تو نہیں ہو؟"

فقہائے عراق میں جن لوگوں نے رائے وقیاس میں شہرت حاصل کی اُن میں ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی فقیہِ عراق بہت شہرت رکھتے ہیں، وہ عراق کے مشہور فقیہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے استاد تھے، اور اپنے ماموں علقمہ بن قیس النخعی الکوفی سے جو طبقۂ اولیٰ کے قدمار فقہائے تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برگزیدہ اصحاب میں تھے، فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی، ابراہیم کوفہ کے محدث اور کوفہ کے عالم حضرت عامر بن شراحیل الشعبی کے معاصر تھے، لیکن دونوں کی حالتیں بالکل الگ الگ تھیں، یعنی امام شعبی بالکل اہل حدیث تھے، اور جس مسئلہ میں شارع کی کوئی نصِ صریح نہ پاتے تھے، اس کے متعلق فتوے دینے سے ہچکچاتے تھے، اور رائے کو مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار انھوں نے فرمایا کہ اگر احنف بن قیس (جو عرب کا بہت بڑا حلیم اور عاقل شخص تھا،) کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ قتل کر دیا جائے، تو آیا ان دونوں کی دیت برابر ہو گی یا عقل وحلم کی بنا پر احنف کو ترجیح دیجائیگی؟ لوگوں نے کہا نہیں دونوں کی دیت مساوی ہو گی،" بولے تو پھر قیاس کوئی چیز نہیں،، غرض ان دونوں بزرگوں میں فرق یہ ہے کہ امام شعبیؒ ان کے ہم مشرب اور اہلِ حدیث سے آگے قدم نہیں بڑھاتے، اور مسائل میں حدیث موجود ہو یا نہ ہو، لیکن رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے، ان کے نزدیک عقل ان مسائل کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، اور شارعؐ نے ان احکام میں معینہ مصالح کا لحاظ نہیں کیا ہے جن کی طرف وہ فتوی دیتے وقت رجوع کر سکیں، گویا ان کے نزدیک اصولی حیثیت سے احکام شرعیہ میں کوئی تعلق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے اہلِ حدیث کے شیخ حضرت سعید بن المسیبؒ سے ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے متعلق جب عقلی وجہ

Marfat.com

پوچھی تو ان کو رنج پہونچا اور چونکہ وہ شریعت کے علل و اسباب کا سراغ لگاتے تھے، اس لئے اہل مدینہ ربیعہ کو "ربیعۃ الرائے" کہتے تھے، چنانچہ ایک بار قاضی عبد اللہ بن سوار نے کہا کہ مجھ کو ربیعہ سے زیادہ کوئی شخص راے کا عالم نظر نہیں آتا، تو ان سے کہا گیا کہ "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں؟" بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں"، لیکن ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مشرب تمام فقہاے عراق اور بعض فقہاے مدینہ بھی، اگرچہ فتاویٰ میں قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے ہیں، تاہم ان کا خیال یہ ہے کہ شریعت کے حکم و مصالح ہیں جن کے حاصل کرنے کیلئے وہ قائم کی گئی ہے، اور ان لوگوں کے لئے ان مصالح کا لحاظ رکھنا جائز ہے، اس بناء پر جن مسائل میں انھوں نے قرآن و حدیث کا کوئی صریحی حکم نہیں پایا، ان کے استنباط کے لئے انھوں نے انہی مصالح کو سنگ بنیاد قرار دیا، صحابہ کی بہترین مثال بھی ان کے سامنے تھی، چنانچہ صحابۂ کرامؓ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل پیش ہوئے جن کے متعلق قرآن و حدیث کی کوئی تصریح موجود نہ تھی، تو انھوں نے ان میں قیاس سے کام لیا، اور ان کی یہ رائیں انہی مصالح کے لحاظ کرنے کا نتیجہ تھیں،

اہل الرائے پر اہل حدیث کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ ان پر اتہام ہے، ہم کو اہل الراے میں کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا جس نے اُس حدیث پر جو اس کے نزدیک ثابت ہوگئی ہو، قیاس کو ترجیح دی ہو، البتہ بعض اہل الراے ایسے تھے، جن سے یا تو مسئلہ میں کسی حدیث کی روایت ہی نہیں کی گئی، یا روایت تو کی گئی، لیکن انھوں نے اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا، اور اپنی راے سے فتویٰ دیدیا، اس لئے بسا اوقات یہ فتویٰ اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا، جو ان کو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی، لیکن انھوں نے اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا تھا، یا ایک حدیث جو ان کی

نگاہ میں اس حدیث سے قوی تر تھی، اس کے مخالف تھی، مثلاً حضرت سفیانؒ بن عینیہ نے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ ..... اور امام اوزاعی مکہ میں دار الحناطین میں ملے، تو امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہؒ سے کہا کہ "تم لوگ رکوع جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟" امام ابو حنیفہؒ نے کہا " اس لئے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے"، انھوں نے کہا، کیوں نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو، جب رکوع میں جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے، رفع یدین کرتے تھے، امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی سند سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کے بعد رکوع وغیرہ میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں زہری، سالم، اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی سند سے روایت کرتا ہوں، اور آپ حماد اور ابراہیم کا نام لیتے ہیں" امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ "حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیمؒ سالم سے زیادہ فقیہ ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو اگرچہ فضلِ صحبت حاصل تھا، تاہم علقمہؒ ان سے کم نہیں، اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں، اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تو عبد اللہ بن مسعودؓ ہی ہیں"۔ یہ سنکر امام اوزاعی خاموش ہوگئے۔

بغیر اس کے کہ ہم اس گفتگو پر کچھ رد و قدح کریں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ایک فریق دوسرے فریق کے مقابل میں کیا دلیل رکھتا تھا، اور نیز یہ کہ دونوں فریق

Marfat.com

جب قابلِ اعتماد روایت پاجاتے تھے، تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے،

اسی بنا پر ضمانِ مصراۃ اہل الرائے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مشتری کو چاہیئے کہ اس کو مع اس دودھ کی قیمت کے جس کو اس نے دوہا ہے واپس کر دے اور اہل حدیث ایک حدیث کی رو سے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے، یہ فتوے دیتے تھے کہ وہ اس کو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے (مصراۃ اس مویشی کو کہتے ہیں، جس کے تھن کو باندھ کر اس میں اس غرض سے دودھ جمع کر لیا جائے کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ وہ بڑی دودھ دینے والی ہے، اور اس دھوکے میں آکر وہ اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے اور بعد تجربہ کے اس کو واپس کرنا پڑے، مترجم) تو اہل الرائے یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف کردہ چیزوں کا قانونِ ضمانت یہ ہے کہ اگر تلف شدہ چیز ذوات الامثال میں سے ہو یعنی اس کا مثل مل سکتا ہو تو وہی واپس کیا جائیگا لیکن اگر وہ ذوات القیمہ سے ہو، یعنی اس کا مثل نہ مل سکتا ہو تو اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی لیکن اس حدیث کی رو سے تلف شدہ چیز کا ایسا تاوان دینا پڑتا ہے، جو نہ اس کا مثل ہے، اور نہ اسکی قیمت ہو سکتا ہے، اس بنا پر اگر یہ حدیث اہل الرائے کو ملی ہے، تو وہ اس کی صحت میں شک کرتے ہیں، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان تک نہیں پہونچی ہے، کیونکہ قوانینِ عامہ کے مخالف ان کو اکثر حدیثیں ملی ہیں، اور انھوں نے ان پر عمل کیا ہے اور انکا نام استحسان رکھا ہے،

الغرض اس دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مفتیوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں، یعنی اہلحدیث اور اہل الرائے، البتہ اس دور میں مجتہدین کے پاس اجتہاد کے اور معینہ اصول نہ تھے، کیونکہ اس وقت تک علم فقہ تدوین و ترتیب کے اس درجہ تک نہیں پہنچا تھا جو اس کے لئے موزوں تھا،

اس دور میں اجتہاد

قرآن و حدیث

خلفائے راشدینؓ کے متذکرۂ بالا کارناموں کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا کام مکمل کر دیا تھا، اس بنا پر جس طرح وہ مصاحفِ عثمانی میں لکھا ہوا تھا اسی طرح پڑھا جاتا تھا، اور ان مصاحف سے اور بھی بہت سے مصاحف نقل کر لئے گئے تھے، اور بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ قرآن مجید کے حفظ و تعلیم میں مشہور ہو چکے تھے، اس لئے ان سے اس کثرت سے لوگوں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جن کا شمار نہیں ہو سکتا، بعض قراء جنھوں نے اس دور کے آخر میں شہرت حاصل کی وہ معلمین و حفاظِ قرآن کے اسی بحرِ زخار کا ایک قطرہ تھے،

اگرچہ اس دور میں حدیثوں کی بھی بہ کثرت روایت کی جاتی تھی، اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں، لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کر کے حدیثیں فقہ کی تکمیل کرتی ہیں، اور عام مسلمانوں میں کوئی اس رائے کا مخالف نہ تھا، اسلئے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل مدینہ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ملیں انکو لکھو کیونکہ مجھ کو علم اور

علماء کے فنا ہو جانے کا خوف معلوم ہوتا ہے،، امام مالک نے محمد بن الحسنؒ کے ذریعہ سے موطا میں یہ روایت کی ہے، لیکن ابو نعیم نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے، کہ انھوں نے تمام ملک کے لوگوں کو لکھا کہ "حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو، اور ان کو جمع کرو"

اس دور میں محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے جو اکابر حفاظ حدیث میں تھے، حدیثوں کے لکھنے اور لکھوانے میں اور لوگوں سے زیادہ امتیاز حاصل کیا، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعیانِ علی کے پاس بھی ایک کتاب تھی، جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فتاوے درج تھے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا، اور فرمایا کہ "واللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا"۔ اور اسکے بہت بڑے حصہ کو مٹا دیا، اور تھوڑے سے حصہ کو قائم رکھا،

اس دور کے مشہور مفتی

اُس دور کے مشہور مفتیوں کے نام و مقام حسب ذیل ہیں،

مفتیانِ مدینہ،

(۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں، آپؐ نے ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح کیا اور حسب روایت اس وقت اُن کی عمر سات سال کی تھی، اور نو سال کی عمر میں وہ مدینہ میں آپ کے گھر آئیں، وہ تمام ازواجِ مطہرات میں آپ کی محبوب ترین بی بی تھیں، عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ

Marfat.com

مثلاً سورۂ انفال، سورۂ اسراء، سورۂ طٰہٰ، سورۂ مومنون، سورۂ فرقان، سورۂ روم، سورۂ فاطر وغیرہ کی ابتدائی آیتیں یہ ہیں، یسئلونک عن الانفال، سبحان الذی اسریٰ لیلاً "قد افلح المومنون" "تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ" "آلم غلبت الروم فی ادنی الارض" "الحمد للہ فاطر السمٰوٰت والارض" اور انہی سے ان کا نام ماخوذ ہے،

قرآن مجید میں ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جن کے نام ان چیزوں کے نام پر رکھے گئے ہیں، انکی ابتدا میں مذکور نہیں ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ میں بقرہ کا ذکر اسکی ۶۵ آیتوں کے بعد اور سورۂ آل عمران میں آل عمران کا ذکر اسکی ۳۲ آیتوں کے بعد کیا گیا ہے، اور سورۂ نساء میں نساء کا ذکر کئی بار آیا ہے لیکن سب سے پہلے اس کا ذکر اسکی ابتداء کی آیتوں کی چند آیتوں کے بعد ہوا ہے، سورۂ مائدہ میں مائدہ کا ذکر اسکی ۱۱۰ آیتوں کے بعد یعنی اسکے آخر میں آیا ہے، میں نے ان ناموں کے اختیار کرنے کے متعلق بار بار تحقیقات کی تو مجھے مرجح رائے یہ معلوم ہوئی کہ ان ناموں سے اگرچہ تلاوت کی ابتدا نہیں کیجاتی، تاہم بہ نسبت سورۃ کے اکثر حصوں کے یہ پہلے نازل ہوئے ہیں، کیونکہ جیسا کہ آگے آئیگا، سورت اور آیت دونوں کے لحاظ سے قرآن مجید ترتیب نزول کے موافق مرتب نہیں کیا گیا ہے،

آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید رسول اللہ صلعم پر مختلف حیثیتوں سے نازل ہوا ہے، کبھی پانچ کبھی دس، اور کبھی اس سے زیادہ یا اس سے کم آیتیں آپ پر نازل ہوئی ہیں، روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ قصۂ افک کے متعلق دس آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیتیں بھی یکبارگی اتری ہیں، اسکے برعکس "لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم" میں "غیر اولی الضرر" کا جملہ تنہا نازل ہوا ہے، اسی طرح انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا، کے بعد یہ آیت "وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء ان اللہ علیم حکیم" تنہا نازل ہوئی ہے،

حضرت عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں، اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے زیادہ بہتر تھی،، حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہ اور شعر کا عالم حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا،، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں، چنانچہ مسند ابن حنبل میں ان کا مسند صفحہ ۲۹ سے ۲۸۲ صفحے تک ہے یعنی ۲۵۳ صفحوں میں آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اپنے گھر کے اندر کرتے تھے، ان کے متعلق حضرت عائشہؓ ہی کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ فقہ کے ہر حصے کے متعلق ان کی روایتیں موجود ہیں، فقہا صحابہؓ انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، اور ان سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے، ان میں سب سے زیادہ روایتیں انکے اہل بیت حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جو ان کے بھانجے تھے، اور قاسم بن محمد نے جو ان کے بھتیجے تھے کی ہیں حضرت عائشہؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی،

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمر بن الخطابؓ العدوی القرشی کے بیٹے ہیں وہ بچپن ہی میں قبل از بلوغ اپنے باپ کے ساتھ اسلام لائے، چونکہ وہ غزوۂ بدر میں بچے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکے، سب سے پہلے انھوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی، اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ غزوۂ موتہ میں بھی شریک ہوئے اور یرموک، فتح مصر اور فتح افریقیہ میں بھی شرکت کی، وہ اس قدر متبع سنت تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن منزلوں میں اترے تھے، ان میں وہ بھی اترتے تھے اور آپ نے جہاں جہاں نماز پڑھی تھی، وہ بھی وہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا تو وہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہونے پائے، وہ مسلمانوں کے ائمہ اور مشہور

Marfat.com

مفتیوں میں تھے، وہ تقوی اور اپنے نفس کے مرغوبات میں نہایت محتاط اور اپنے دین کے معا
تھے، یہاں تک کہ اہلِ شام باوجودیکہ اُن کی طرف بہت زیادہ مائل تھے، اور اُن سے سخت
محبت رکھتے تھے، لیکن انھوں نے خلافت کے متعلق کوئی نزاع نہیں کی، اور فتنہ وفساد کے
زمانے میں کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب لڑائیوں میں
سخت دشواریاں پیش آئیں، اسوقت بھی وہ ان کے حامی بن کر کسی جنگ میں شریک نہیں
ہوئے، لیکن اس کے بعد ان کو اس پر ندامت ہوئی، حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا قول تھا
کہ عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کے سوا ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے، جس کو دنیا نے اپنا فریفتہ
اور اس نے دنیا کو اپنا فریفتہ نہ بنایا ہو" انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بہ کثرت حدیثیں روایت کیں، انھوں نے کبار صحابہؓ سے بھی روایت حدیث کی، اور
ان سے بہت سے تابعین نے حدیثیں روایت کیں، ان سے سب سے زیادہ ان کے فرز
سالم اور ان کے مولا نافع نے روایتِ حدیث کی، امام شعبی کا قول ہے کہ ابن عمرؓ حدیث
میں تو بہت اچھے تھے، لیکن فقہ میں بہت اچھے نہ تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے، اور زمانہ حج وغیرہ میں لوگوں کو فتوے دیتے تھے
انھوں نے ۷۳ھ میں وفات پائی،

(۳) حضرت ابوہریرہؓ،

ابوہریرہؓ نام ہے، اور عبدالرحمٰن بن صخر کے بیٹے تھے، اور قبیلۂ دوس سے تعلق
رکھتے تھے، ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
کر کے آئے اور تادم مرگ آپ کی صحبت میں رہے، اور آپ سے بہ کثرت حدیثیں
روایت کیں، اور کبار صحابہ سے بھی روایت کی، ان سے بہت سے تابعین نے حد

Marfat.com

اور کبار صحابہؓ سے بھی روایت کی، اُن سے بہت سے تابعین نے حدیثیں روایت کیں ان سب سے زیادہ اُن کے داماد حضرت سعید بن المسیبؓ اور ان کے مولیٰ اعرج نے روایت کی اور ان دونوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان سے روایتیں کیں، وہ بہت بڑے عالم اور کبار ائمۂ فتوے میں تھے، اس کے ساتھ بڑے جلیل القدر، عبادت گذار اور متواضع وخاکسار تھے، اور صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "اے ابوہریرہؓ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اور ہم سب سے زیادہ آپ کی حدیثوں کا علم رکھتے تھے" انھوں نے ۵۸ھ میں وفات پائی، مدینہ کے صحابہ میں یہ تینوں بزرگ اس دور میں سب سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے اور فتوی دینے والے تھے، اہلِ مدینہ کے علم کا دارومدار انہی بزرگوں کی ذات پر ہے، اور مدینہ کے کبار تابعین نے انہی سے علم حاصل کیا ہے، چنانچہ ان میں ہم مشہور مدنی تابعیوں کے نام درج کرتے ہیں،

(۴) حضرت سعید بن المسیب المخزومیؒ،

خلافت فاروقی کے دو سال بعد پیدا ہوئے، اور کبار صحابہؓ سے حدیث سنی، نہایت وسیع العلم، نہایت معزز، نہایت دیانتدار، نہایت حق گو، نہایت دانشمند و فرزانہ تھے، حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ "سعید بن المسیبؓ مفتیوں میں سے ایک مفتی ہیں،" قتادہ فرماتے ہیں کہ "میں نے سعید بن المسیب سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا،" علی بن المدینی کہتے ہیں، کہ مجھے تابعین میں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو سعید بن المسیبؓ سے زیادہ وسیع العلم ہو، وہ میرے نزدیک بزرگ ترین تابعین ہیں،" وہ بادشاہوں کے عطیے نہیں قبول کرتے تھے، اور ان کی روایتیں اکثر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں حضرت حسن

Marfat.com

بصریؒ کو جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تھی، تو اس کو بذریعہ تحریر کے حضرت سعید ابن المسیبؒ سے دریافت فرماتے تھے، ایک قول کے مطابق انھوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی،

(۵) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوامؓ الاسدی،

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے، اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں، اور اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ سیرت کے عالم، اور قابل اعتماد حافظ الحدیث تھے، ان سے ان کے فرزند ہشام اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایت حدیث کی اور زہری وابوالزناد وغیرہ علمائے مدینہ نے بھی ان سے روایتیں کیں، امام زہری کہتے ہیں کہ "میں نے ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا" انھوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی،

(۶) ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام المخزومی

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے، اور اپنے باپ اور دوسرے صحابہ سے روایت حدیث کی، اور ان سے امام زہری اور اُن کے علاوہ صغار تابعین نے روایتیں کیں، وہ ثقہ، قابلِ استناد فقیہ، امام کثیر الروایت، فیاض بزرگ تھے، وہ نیک، عبادت گذار اور باخدا شخص تھے، اور ان کو "راہب قریش" کہا جاتا تھا، ۹۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی،

(۷) حضرت علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی،

وہ شیعوں کے اماموں میں چوتھے امام ہیں اور زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں، انھوں نے اپنے باپ، اپنے چچا حسنؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کی ہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن الحسین سے زیادہ

Marfat.com

کسی کو فقیہ نہیں دیکھا، البتہ وہ قلیل الحدیث تھے، اور ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ "میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہیں دیکھا"، حضرت سعید بن المسیبؓ سے مروی ہے کہ "میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا" انھوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی،

(۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ،

حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا، اور باوجود امام فقہ ہونے کے عمدہ شاعر بھی تھے، اور وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے اتالیق ہیں، امام زہری کا قول ہے کہ "عبید اللہ علم کے دریاؤں میں سے ایک دریا تھے"، انھوں نے ۹۸ھ میں وفات پائی،

(۹) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ،

اپنے باپ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ، وغیرہ سے حدیث سنی، اور اُن کے باپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور ان کے بارے میں کہتے تھے،

یلومونني فی سالم والومهم — وجلدة بین العین والانف سالم

لوگ مجھ کو سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں، اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں، حالانکہ آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑا سالم ہے،

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں زہد و فضل میں سلف صالحین کا مثل ان سے زیادہ کوئی نہ تھا، وہ اپنے باپ کی روش پر چلتے تھے، اور ان ہی کی طرح سادہ و متقشف تھے"، ۱۰۶ھ میں وفات پائی،

(۱۰) حضرت سلیمان بن یسار مولی ام المومنین میمونہؓ،

Marfat.com

حضرت میمونہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ سے روایت کی، حسن بن محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ "وہ ہمارے نزدیک سعید بن المسیبؓ سے زیادہ سمجھدار ہیں" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؓ کے پاس مستفتی آتا تھا، تو وہ کہتے تھے کہ "تمکو سلیمان بن یسار کے پاس جانا چاہئے" امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "وہ لوگوں کے عالم تھے" سنہ ھ میں وفات پائی،

(۱۱) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ

اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی، اور ان کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے اُن کی پرورش کی، یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا، جس کو قاسم پر ترجیح دیں، ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو اُن سے زیادہ عالم اور کسی کو ان سے زیادہ حدیث کا ماہر نہیں دیکھا" ابن عیینہ کا قول ہے کہ "قاسم اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھے" ابن سعد کہتے ہیں کہ "وہ امام، فقیہ، مستند، بلند رتبہ، متقی، اور بہت سی حدیثوں کے روایت کرنے والے تھے" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "اگر مجھ کو خلیفہ بنانے کا اختیار ہوتا تو میں اعیمش بنو تیم یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا، انھوں نے سنہ ۱۰۶ھ میں وفات پائی،

(۱۲) حضرت نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمرؓ

اپنے مولا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اُن کو مصر بھیجا تھا، کہ وہاں کے لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں۔ وہ حضرت سالمؒ کی زندگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے، انھوں نے تیس سال تک

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت کی، وہ نسباً دیلمی تھے، اور ۱۱۷ھ میں وفات پائی،

(۱۲) محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب الزہری،

۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی، لیث بن سعد کا قول ہے کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع علم کبھی نہیں دیکھا، وہ ترغیب کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی اس خوبی سے ان حدیثوں کو بیان نہیں کر سکتا، اور اگر عرب اور انساب کے متعلق روایت کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ صرف وہی اس عمدگی کے ساتھ اس کام کو کر سکتے ہیں، وہ قرآن و حدیث کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ "زہری سے زیادہ گذشتہ حدیثوں کا عالم کوئی باقی نہیں رہا، امام مالک کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے زندگی اس طرح بسر کی کہ دنیا میں انکا کوئی مثل نہ تھا" حضرت لیث فرماتے ہیں کہ "وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فیاض تھے" وہ ہشام بن عبد الملک کے لڑکے کو تعلیم دیتے تھے، اور اس کی ہمنشینی کرتے تھے ہشام نے اُن سے خواہش کی کہ اُس کے بعض لڑکوں کو چند حدیثیں لکھوا دیں، انھوں نے اسکو چار سو حدیثیں لکھوا دیں، پھر وہ ایک مہینہ کے بعد اس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ کتاب گم ہو گئی، انھوں نے ایک کتاب منگوائی اور اس کو لکھوایا، پھر اس نے پہلی کتاب سے مقابلہ کیا، تو انھوں نے ایک حرف بھی نہیں چھوڑا تھا، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ ابن شہاب مدینہ میں آئے تو ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور دونوں دفتر میں گئے، لیکن جب عصر کے وقت اس سے نکلے تو ابن شہاب یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ "میرے خیال میں ربیعہ کا مثل مدینہ میں کوئی نہیں" اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے چلے کہ "میرے خیال میں ابن شہاب علم کے جس درجہ کو پہونچ گئے ہیں اس درجہ

کو کوئی نہیں پہنچا،، ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تمکو علم کا حریص پاتا ہوں تو کیا میں تمکو ایک ظرف علم کا پتہ بتا دوں؟ میں نے کہا ہاں فرمایا تم کو بنت عبدالرحمٰن کے پاس جانا چاہئے کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی پروردۂ آغوش تھیں،، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا،، امام زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی،

(۱۴) ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقر،

وہ شیعوں کے پانچویں امام ہیں، اپنے باپ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے سردار تھے، انھوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابوالزناد وعبداللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ،

انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیث سنی لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ "میں نے ان کے پیچھے پیچھے تین سو آدمی دیکھے جن میں بعض فقہ کے اور بعض شعر وغیرہ کے طالب العلم تھے" اس کے بعد وہ تنہا رہ گئے، اور یہ سب کے سب ربیعۃ الرائے کی طرف بڑھے" امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا، لیکن ابوالزناد ان میں زیادہ فقیہ تھے،، امام سفیان ابوالزناد کو "امیرالمومنین فی الحدیث" کہتے تھے، انھوں نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی،

(۱۶) یحییٰ بن سعید انصاری،

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی، یحییٰ قطان کا قول ہے کہ وہ زہری پر مقدم ہیں، زہری کے متعلق اختلاف ہے، اور ان کے متعلق کوئی

Marfat.com

اختلاف نہیں،، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محفوظ و محتاط ہیں، وہیب کہتے ہیں کہ" میں مدینہ میں آیا تو بجز یحیٰ بن سعید اور امام مالک کے کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کے متعلق بری بھلی دونوں قسم کی رائیں نہ ہوں" یحیٰ بن سعید نے سنہ ۱۴۳ھ میں وفات پائی،

(۱۷) ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن فروخ،

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہ سے روایت کی، وہ امام، حافظ، فقیہ مجتہد اور رائے کے بہت بڑے ماہر تھے، اسی بنا پر اُن کو "ربیعۃ الرائے"، کہا جاتا تھا یحیٰ بن سعید کا قول ہے کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا، قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو ربیعہ سے زیادہ رائے کا عالم نہیں دیکھا میں نے کہا حسن اور ابن سیرین بھی نہیں، بولے" حسن اور ابن سیرین بھی نہیں" وہ نہایت فیاض تھے اور امام مالک بن انس نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، انھوں نے سنہ ۱۳۶ھ میں وفات پائی

مفتیانِ مکہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب،

ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے یہ دعا کی کہ" خدا ان کو دین میں فقیہ بنائے، ان کو تاویل سکھائے" اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہیں، اگر اُن کو ہمارا سن و سال ملتا تو ہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا، معمر کا قول ہے کہ ابن عباسؓ کا عام علم تین بزرگوں سے ماخوذ ہے، عمرؓ، علیؓ اور ابی بن کعبؓ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے پاس آتا تھا، اور بیٹھتا تھا، یہاں تک کہ

Marfat.com

جب وہ نکلتا تھا، تو میں اس سے پوچھتا تھا، اور اگر میں یہ چاہتا، کہ اس سے نکلنے کی خواہش کرتا، تو کر سکتا تھا تفسیر اور فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دارومدار حضرت ابن عباسؓ ہی پر ہے انھوں نے ۶۸ھ میں بمقام طائف وفات پائی،

(۲) حضرت مجاہد بن جبیر مولیٰ بن مخزوم،

حضرت سعدؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے حدیث سنی اور حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے، اور ان سے قرآن پڑھا، وہ علم کے ظروف میں سے ایک ظرف تھے، خود ان کا قول ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو تین بار قرآن سنایا، اور اُن کے سامنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر آیت پر ٹھہرتا تھا، اور پوچھتا تھا، کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی؟ اور اس کا کیا واقعہ ہے؟ قتادہ کا قول ہے کہ جو علماء رہ گئے ہیں ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد ہیں، ان کا بیان ہے کہ "بعض اوقات ابن عمرؓ نے میرا رکاب تھاما،" انھوں نے ۱۰۳ھ میں وفات پائی،

(۳) حضرت عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ،

انھوں نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، حضرت سعید بن جبیرؓ سے کہا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ عالم ہو؟" فرمایا، "ہاں عکرمہ،" امام شعبی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی نہیں رہا، ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ خارجیوں کے ہمراہ تھے، یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور امام مسلم نے ان سے روایتِ حدیث نہیں کی ہے، انھوں نے ۱۰۵ھ میں وفات پائی،

(۴) حضرت عطار ابن ابی رباح مولیٰ قریش،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید اسکی شہادت دیتا ہے،

وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون	تم اس کے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اسکو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے شبہ کرسکتے ،

اس بناپر آپ فرشتہ سے قرآن مجید کو زبانی یاد کرلیتے تھے، چنانچہ خدا نے ان آیات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے،

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ	قرآن مجید کے پڑھنے میں عجلت کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دو، اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارا فرض ہے پس جب ہم اسکو پڑھیں تو تم اسکی قرأت کا اتباع کرو اس کے بعد ہمارا کام اس کا بیان کرنا ہے،
ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ وقل رب زدنی علما	وحی کے پورے کر لینے سے پہلے قرآن مجید کے ساتھ جلدی نہ کرو اور کہو خداوندا میرے علم کو بڑھا،
سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ انہ یعلم الجہر وما یخفیٰ.	ہم تم کو پڑھا دیں گے تو تم نہیں بھولوگے بجز اسکے جسکو خدا چاہے، وہ کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے
انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون	ہمیں نے ذکر کو اتارا اور ہمیں اسکے نگہبان ہیں،

اس طریقہ سے جب آپ آیات قرآنیہ کو سمجھ کر یاد کر لیتے تھے، ان کی تبلیغ فرماتے تھے، اور اپنے کاتبوں میں سے کسی کاتب کو حکم دیتے تھے، کہ وہ ان کو آپکے سامنے کھجور کی شاخ یا نرم پتھر یا کاغذ پر لکھ لے، اس غرض سے آپنے بہت سے کاتب مقرر فرمائے تھے، جن کے نام عام طور پر معلوم ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ ان کی تعداد ۲۶ تھی، اور حلبی نے سیرۃ العراقی کے حوالہ سے

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ، اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سنی، وہ گھونگردار بال والے، سیاہ، فصیح اور بہت زیادہ علم رکھنے والے تھے، اور نوعمر میں پیدا ہوئے تھے، امام ابوحنیفہ کا قول ہے، کہ "میں نے عطاءؒ سے زیادہ کسی کو افضل نہیں دیکھا"، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ "عطاء مرنے کے دن مرے اہل زمین میں لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھے"، اسمٰعیل بن اُمیہ کہتے ہیں عطا بہت دیر تک خاموش رہتے تھے، لیکن جب بولتے تھے تو ہمکو معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی جانب سے انکی تائید کیجاتی ہے" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "اے اہل مکہ تم لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تمہارے یہاں عطاء ہیں"، انھوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی،

(۵) حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مولا الحکم بن حزام،

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ وغیرہ سے روایت حدیث کی، یعلی بن عطاء کا قول ہے کہ "ہم سے ابوالزبیر نے حدیث بیان کی، اور وہ لوگوں میں بہ اعتبار عقل کے سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ حافظ تھے"، عطاء فرماتے ہیں کہ "ہم حضرت جابرؓ کے پاس ہوتے تھے، اور وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، پھر جب ہم وہاں سے نکلتے تھے تو باہم مذاکرہ کرتے تھے، اور اس حالت میں ابوالزبیرؒ ہم میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث ہوتے تھے، انھوں نے ۱۲۸ھ میں وفات پائی،

مفتیانِ کوفہ

(۱) حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث سنی اور حضرت عبداللہ

ابن مسعودؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور وہ ان کے برگزیدہ ترین اصحاب میں تھے، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں کوئی ایسی چیز نہیں پڑھتا، اور ایسی چیز نہیں جانتا جس کو علقمہ نہ پڑھتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ "میں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں آتے ہیں، ؟ انھوں نے کہا کہ میں نے خود چند صحابہ کو دیکھا کہ وہ علقمہ سے پوچھتے ہیں، اور ان سے فتوے لیتے ہیں، ، امام ذہبی کہتے ہیں کہ "وہ فقیہ امام، اور فائق تھے، قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے، اور عبور روایت میں محتاط اور مستند اور نیک اور پرہیزگار تھے، طرز و روش وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مشابہ تھے، انھوں نے ۶۲ھ میں وفات پائی،

(۲) حضرت مسروق بن الاجدع الہمدانی الفقیہ،

وہ عمرو بن معدیکرب کے بھانجے ہیں، اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، امام شعبیؒ کا قول ہے کہ "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا طلب گار ہو" وہ شریح سے زیادہ فتویٰ کے عالم تھے، شریح ان سے مشورہ کرتے تھے، اور مسروق شریح کے محتاج نہ تھے، انھوں نے ۶۳ھ میں وفات پائی،

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی،

فتح مکہ کے زمانہ میں یمن میں اسلام لائے اور حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے علم حاصل کیا، امام شعبی فرماتے ہیں کہ فقہا میں وہ شریح کے مد مقابل تھے، علی کا قول ہے کہ عبیدہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ان اصحاب میں ہیں، جو لوگوں کو پڑھاتے تھے، اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے، انھوں نے ۹۲ھ میں وفات پائی،

حضرت اسود بن یزید النخعی،

وہ کوفہ کے عالم اور علقمہ بن قیس کے بھتیجے ہیں، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا، انھوں نے ۹۵ھ میں وفات پائی،

(۵) حضرت شریح بن الحارث الکندی،

حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا، اُس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور ان کے بعد اور خلفار نے ان کو قاضی بنایا، اور وہ حجاج بن یوسف کے زمانے تک قاضی رہے، اپنی موت سے ایک سال پہلے اُنھوں نے اس عہدے سے استعفا، دیدیا اور اُن کے علاوہ ہم کو کسی ایسے قاضی کا نام معلوم نہیں جو ساٹھ سال تک قاضی رہ چکا ہو، انھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی اور ۸۰ھ میں وفات پائی،

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہ العراق،

علقمہ، مسروق اور اسود وغیرہ سے روایت کی اور وہ حماد بن ابی سلیمان فقیہ کے شیخ ہیں، وہ مخلص علمار میں تھے، شہرت سے بچتے تھے، اور ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے، عبدالملک بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ" میں نے سعید بن جبیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم لوگ مجھ سے فتویٰ لیتے ہو، حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی موجود ہیں،، وہ علم کے متعلق صرف اسی وقت گفتگو کرتے تھے، جب اُن سے سوال کیا جاتا تھا، ۹۵ء میں وفات پائی،

(۷) حضرت سعید بن جبیر مولیٰ والبہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی، جب اہل کوفہ حج کو جاتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے، کہ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں؟ وہ کسی کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہیں دیتے

Marfat.com

تھے، میمون بن مہران کہتے ہیں، کہ "سعید بن جبیر مرے تو روئے زمین پر کوئی آدمی نہ تھا، جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو، ان کو ابن اشعث کی بغاوت میں حجاج نے ۹۴ھ میں قتل کیا،

(۸) حضرت عامر بن شراحیل الشعبی علامۃ التابعین،

وہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، وہ امام، حافظ، فقیہ اور مختلف علوم کے عالم تھے، اور حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شیخ ہیں، اور کوفہ کے قاضی رہ چکے ہیں، مکحول کہتے ہیں، کہ "میں نے شعبی سے بڑا عالم نہیں دیکھا" ابو حصین کا قول ہے کہ "میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا"، ابن سیرین نے ابو بکر الھذلی سے کہا کہ "شعبی کی صحبت لازم پکڑلو، کیونکہ میں نے اُن کو دیکھا کہ اُن سے فتویٰ لیا جاتا تھا، حالانکہ بہ کثرت صحابہؓ اُس وقت موجود تھے"، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شعبی صاحب آثار (یعنی صاحب حدیث) اور ابراہیم صاحب قیاس تھے، حضرت ابن عمرؓ شعبی کے پاس سے گذرے اور وہ مغازی کی روایت کر رہے تھے، تو فرمایا میں نے قوم کو دیکھا، لیکن یہ مجھ سے زیادہ مغازی کے حافظ اور عالم ہیں، امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ پہلے نیک لوگوں نے حدیث کی کثرتِ روایت کو مکروہ سمجھا ہے، مجھ کو جو کچھ بعد کو معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو صرف ان ہی حدیثوں کی روایت کرتا جن پر اہل الحدیث نے اتفاق عام کر لیا ہے، ابن عون کہتے ہیں کہ "شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس سے اجتناب کرتے، لیکن ابراہیم اس کی تفصیل کرتے"، شعبی شگفتہ رو اور ابراہیم ترش رو تھے، لیکن جب فتویٰ آتا تو شعبی ترش رو اور ابراہیم شگفتہ رو

ہو جاتے، شعبی سے روایت ہے کہ "ہم لوگ فقہا نہیں، بلکہ جب حدیث سن لیتے ہیں تو اسکی روایت کر دیتے ہیں، فقیہ وہ ہے کہ جب اُس کو علم ہو تو وہ اس پر عمل کرے"، شعبی قیاس کو مکروہ سمجھتے تھے، انھوں نے ۱۰۴ھ میں وفات پائی،

مفتیانِ بصرہ

(۱) حضرت انس بن مالکؓ انصاری خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مدتوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، ان سے بہ کثرت حدیثیں مروی ہیں، وہ ابتدائے ہجرت سے تا دمِ مرگ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابیؓ سے علم حاصل کیا، اور بہت دنوں تک زندہ رہے، امام بخاری نے ان کی اسی حدیث، اور امام مسلم نے ستر حدیث کی روایت کی ہے، اور دونوں نے ان کی ۲۰۸ احدیث روایت کی ہیں، انھوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی،

(۲) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی،

وہ قبیلۂ تمیم کی ایک شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولیٰ تھے، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سنی، اور ان سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ "حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجھ کو اونچی جگہ بٹھاتے تھے، حالانکہ قریش ان سے نیچے ہوتے تھے، اور فرماتے تھے" علم اسی طرح حدیث کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے، انھوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی،

(۳) حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابتؓ،

مدینہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قرآن حفظ کیا پھر بڑے

Marfat.com

ہوئے، تو متصل جہاد کرتے رہے، اور برابر علم وعمل کی تحصیل میں مصروف رہے، وہ بہت بڑے مشہور بہادر تھے، اور بہت سے صحابہؓ سے حدیث روایت کی، ابن سعد کا بیان ہے کہ "وہ عالم، بلند رتبہ، مستند، محفوظ، عبادت گذار، بڑے علم والے، فصیح، وجیہ اور خوبصورت تھے، وہ ان حق گو لوگوں میں تھے، جو خدا کے بارے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، انھوں نے سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی،

(۴) حضرت ابو الشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباسؓ،

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ انھوں نے فرمایا کہ "اگر اہل بصرہ جابر بن زید کے قول کو تسلیم کرتے تو وہ ان چیزوں کے متعلق جو کتاب اللہ میں ہیں ان کے علم کو وسیع کر دیتے"، ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "تم مجھ سے ایک بات پوچھتے ہو حالانکہ تم میں جابر بن زید موجود ہیں، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے فتویٰ کا عالم جابر بن زید سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا"، روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان سے طواف میں ملے تو فرمایا کہ "اے جابر تم تمہارے بصرہ میں ہو، اور تم سے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے، تو صرف قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے رو سے فتویٰ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود ہلاک ہوئے اور لوگوں کو ہلاک کیا، انھوں نے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی،

(۵) محمد بن سیرین مولیٰ حضرت انسؓ بن مالک،

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ۲ دو سال باقی رہ گئے تھے، کہ یہ پیدا ہوئے اپنے مولیٰ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ فقیہ، امام، وسیع العلم، مستند، بہت بڑے معبر خواب اور نہایت پرہیزگار تھے، مورق العجلی کا قول ہے کہ "پرہیزگاری میں ابن سیرین سے زیادہ فقیہ، اور

فقہ میں ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا" انھوں نے ۱۱۰ھ میں امام حسن بصری کے سو دن بعد وفات پائی،

(۶) قتادہ بن دعامۃ السدوسی،

حضرت انسؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ سے روایت کی، وہ اندھے اور قوی الحافظہ تھے، ابن سیرین کہتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے، خود قتادہ کا قول ہے کہ "قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں میں نے کچھ نہ سنا ہو" امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ قتادہ تفسیر اور اختلافِ علماء کے بہت بڑے عالم ہیں، اور ان کے حفظ اور فقہ کی تعریف کی، ان کا ذکر نہایت طوالت کے ساتھ کیا، اور کہا کہ ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جو ان پر ترجیح رکھتے ہوں" قتادہ کہتے ہیں کہ "میں نے ۲۰ سال سے رائے سے بالکل فتویٰ نہیں دیا" اس حفظ کے ساتھ وہ عربیت، لغت، ایام العرب اور انساب کے بھی بہت بڑے عالم تھے، ۱۱۸ھ میں وفات پائی،

مفتیانِ شام

(۱) حضرت عبد الرحمن بن غنم الاشعریؓ،

حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان لوگوں کو فقہ سکھانے کے لئے شام بھیجا، اور شام کے تابعین نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم پائی، نہایت معزز سیتے اور فاضل تھے، ۷۸ھ میں وفات پائی،

(۲) ابو ادریس الخولانی عائذ اللہ بن عبد اللہ،

یہ ان لوگوں میں ہیں جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا، وہ اہل دمشق کے واعظ اور قاضی تھے، امام زہری کہتے ہیں

Marfat.com

کہ ابو ادریس فقہائے شام میں تھے، ۸۰ھ میں وفات پائی،

(۳) قبیصہ بن ذُویب،

خلیفہ عبدالملک کے مہر بردار تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، امام زہری کہتے ہیں، کہ "قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے" مکحول کا قول ہے کہ "میں نے اُن سے زیادہ عالم نہیں دیکھا"، امام شعبی سے مروی ہے، کہ "قبیصہ لوگوں میں حضرت زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے"، ۸۶ھ میں وفات پائی،

(۴) مکحول بن ابی سلم،

قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے، اور نسباً کابل سے تعلق رکھتے تھے، صغار صحابہؓ سے روایت کی، اور کبار صحابہؓ کے متعلق تدلیس کرتے تھے، یعنی ان سے روایت کرتے تھے، اور ان کے اور کبار صحابہ کے درمیان جو راوی ہوتا تھا، اس کو چھوڑ دیتے تھے، طلب علم میں نہایت کثرت سے سفر کیا اور بہت زیادہ علم حاصل کیا، امام زہری نے فرمایا کہ "عالم تین ہیں"، اور ان ہی میں مکحول کا بھی نام لیا، ابو حاتم کہتے ہیں کہ "میں شام میں کسی عالم کو نہیں جانتا جو مکحول سے زیادہ فقیہ ہو" انھوں نے ۱۱۳ھ میں وفات پائی،

(۵) رجاء بن حیوٰۃ الکندی

وہ اہل شام کے شیخ اور عمائد سلطنت میں داخل تھے، امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، مطر وراق کہتے ہیں کہ "میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا جو اُن سے زیادہ فقیہ ہو" مکحول کہتے ہیں کہ "رجاء اہل شام کے سردار ہیں" ابن سعد کا قول ہے کہ رجاء فاضل، مستند اور بہت زیادہ علم والے تھے" انھوں نے ۱۱۲ھ میں وفات پائی،

(۲) حضرت عمر بن عبدؓ العزیز بن مروان

وہ بنو امیہ کے آٹھویں خلیفہ ہیں، مدینہ میں پیدا ہوئے، اور مصر میں نشو ونما پائی اور حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی، وہ امام فقیہ، مجتہد، ماہر حدیث معزز، مستند، حجت، حافظ، مطیع خدا، اداہ اور منیب تھے اور عدل و انصاف میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے مثل اور زہد میں حضرت حسن بصری کے نظیر اور علم میں امام زہری کے ہمسر تسلیم کئے جاتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ "ہم ان کی تعلیم دینے کے لئے آئے لیکن تھوڑی ہی دنوں کے بعد ہم نے خود ان سے تعلیم حاصل کی"، انھوں نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی،

مفتیانِ مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہدِ مبارک سے بڑے روزہ دار، بڑے نماز گذار، قاری قرآن اور بڑے جویانِ علم تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بہت سی حدیثیں لکھیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ ان کے کثرت علم کے معترف تھے، چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ "وہ حدیث کو لکھتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا"، وہ نیک اور اپنی دھن کے پکے تھے، فتنہ وفساد میں حصہ لینے پر اپنے باپ کو ملامت کرتے تھے، لیکن نافرمانی کی بنا پر خود اس میں حصہ نہ لینے کو گناہ خیال کرتے تھے، صفین میں شریک ہوئے لیکن تلوار نہیں کھینچی، انھوں نے اہلِ کتاب کی بہت سی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا، اور ان میں انکو بہت سی عجیب چیزیں نظر آئی تھیں، مصریوں نے ان سے بہت سا علم حاصل کیا، انھوں نے ۶۵ھ میں مصر میں وفات پائی،

(۲) ابو الخیر مرشد بن عبداللہ الیزنی مفتیِ اہل مصر،

Marfat.com

حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابوبصرہ غفاریؓ اور حضرت عقبہ بن عامرؓ الجہنی سے روایت کی، اور ان سے اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے علم فقہ حاصل کیا۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے، انھوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی،

(۳) یزید بن ابی حبیب مولی الازد،

اگرچہ بعض صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں تابعین سے ہیں، ابوسعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہلِ مصر کے مفتی تھے، "وہ حلیم اور عاقل تھے، اور سب سے پہلے ان ہی نے مصر میں علم مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا، ورنہ اُن سے پہلے اہلِ مصر کی تمامتر روایتیں ترغیب، جنگ اور فتنہ و فساد کے متعلق ہوتی تھیں، لیث بن سعد کہتے ہیں کہ "یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں" بیان کیا جاتا ہے، کہ یزید اُن تین اشخاص میں ہیں، جن سے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مصر میں افتا کی خدمت متعلق کی تھی، وہ نسباً بربری الاصل ہیں، ان کے باپ دنقلہ کے رہنے والے تھے، اور مصر میں پیدا ہوئے تھے، جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے عبیداللہ بن جعفر اور یزید بن حبیب بیعت کرتے تھے، ابن لہیعہ کا بیان ہے کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل امیر مصر نے ان کی عیادت کی، اور کہا کہ اے ابورجا جس کپڑے میں مچھروں کا خون لگا ہوا ہو، اس کو پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق تمہارا کیا قول ہے؟ انھوں نے منھ پھیر لیا، اور ان سے گفتگو نہیں کی، وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو یزید نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم روز ایک جماعت کو قتل کرتے ہو، اور مجھ سے مچھروں کے خون کے متعلق سوال کرتے ہو؟ سعید بن عفیر کہتے ہیں، کہ زبان بن عبدالعزیز نے یزید کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ تاکہ میں تم سے کچھ علمی استفسارات کروں، انھوں نے کہلا بھیجا، تم خود ہی آؤ،

Marfat.com

ان کی تعداد ۴۲ لکھی ہے، ان میں بعض تو تمام فقہی اور تشریعی دور میں آپ کے ساتھ رہے ہیں اور بعض نے تھوڑے بہت دنوں تک کتابت قرآن کی خدمت انجام دی ہے،

ان کاتبانِ وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں،

خلفائے اربعہؓ	
عامر بن فہیرہؓ	آپ سلاطین وغیرہ کے نام جو خطوط روانہ فرماتے تھے اُن کو یہی لکھتے تھے،
ابی بن کعبؓ	انصار میں سب سے پہلے انہی نے کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی ہے، انکے اوقات کا اکثر حصہ کتابتِ وحی میں صرف ہوتا تھا، اور ان کا شمار اُن فقہا میں ہے جو رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں لکھتے تھے،
زید بن ثابتؓ معاویہؓ بن ابی سفیان[1] ثابت بن قیسؓ بن شماس	یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے، اسکے سوا انکا کوئی کام نہ تھا،
یزیدؓ	
مغیرہ بن شعبہؓ	
زبیر بن العوامؓ	

[1] امیر معاویہؓ کے حالات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ صرف کتابت وحی کا کام ہمیشہ کرتے رہے، وہ فتح مکہ میں یا زیادہ سے زیادہ حدیبیہ کے زمانہ میں اسلام لائے ہیں، اسکے بعد وہ کاتبِ وحی ضرور رہے، لیکن اسکے بعد رسول اللہ صلعم بہت کم زمانہ تک زندہ رہے، اور اس زمانہ کے متعلق بھی یہ تصریح نہیں ملی کہ وہ صرف کتابتِ وحی کا کام کرتے رہے، بعض کتابوں میں ہے کہ وہ معاہدات وغیرہ لکھتے تھے، (مترجم)

کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لئے زینت ہے، اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لئے عیب ہے،، انھوں نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی

مفتیانِ یمن

(۱) طاؤس بن کیسان الجندی،

وہ جنگ کے گرفتار شدہ لوگوں کے لڑکے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے حدیث سنی، علم و عمل میں منتخب روزگار تھے عمرو ابن دینار کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو طاؤس کے مثل نہیں دیکھا، قیس بن سعد کا قول ہے کہ طاؤس ہم میں ویسے ہی تھے، جیسے بصرہ والوں میں ابن سیرین،، ذہبی کہتے ہیں کہ "طاؤس اہل یمن کے شیخ، اُن کے فقیہ اور ان کے لئے ایک برکت تھے،، وہ بڑے جلیل القدر تھے، حج بہت کرتے تھے، چنانچہ سنہ ۱۰۶ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔

(۲) وہب بن منبہ الصنعانی۔

اہل یمن کے عالم ہیں، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، کیونکہ انھوں نے اس طرف سخت توجہ کی تھی، عجلی کہتے ہیں کہ "وہ مستند تابعی اور قاضی تھے،، انھوں نے سنہ ۱۱۴ھ میں وفات پائی

(۳) یحیٰی بن ابی کثیر مولیٰ طے،

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی، شعبہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے اچھے ہیں احمد کہتے ہیں کہ "جب زہری ان کی مخالفت کریں تو یحیٰی کا قول تسلیم کیا جائیگا،، انھوں نے سنہ ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

جو لوگ اس دور میں فتویٰ دیتے تھے، اور روایتِ حدیث کرتے تھے، ان میں بزرگ ترین یہی لوگ تھے، جن کا ہم نے نام لیا، لیکن اس دور میں کوئی شخص کسی معین اور خاص فقیہ کی طرف اس طور پر منسوب نہ تھا، کہ اس نے جو روایت یا جو رائے اختیار کی ہو، اس پر عمل کرنا اُس کے لازمی ہو، بلکہ یہ تمام مفتی مختلف شہروں میں فقہ اور روایت حدیث میں شہرت رکھتے تھے، اور جس شخص کو فتویٰ پوچھنا ہوتا تھا، وہ جس شخص کے پاس چاہتا تھا، جاکر فتوے پوچھ لیتا تھا، اور وہ فتوی دیدیتا تھا، بعض اوقات وہ ایک مفتی سے فتویٰ لیکر دوسرے مفتی کے یہاں بھی چلا جاتا تھا، جو لوگ مختلف شہروں کے قاضی تھے، ان کے فیصلے کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ قرآن وحدیث سے ان کی سمجھ میں آتا، اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر ان کی کوئی ذاتی رائے قائم ہوجاتی تو اس کے مطابق بھی فیصلہ کردیتے تھے، بعض اوقات اپنے شہر کے مشہور فقہاء سے بھی فتویٰ لیکر فیصلہ صادر کرتے اور بسا اوقات خلیفہ سے بھی بذریعہ خط وکتابت کے استفسار کرلیتے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور خلافت میں اکثر ایسا ہوا

اس دور میں ایک خاص فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین خوارج کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اس فرقہ کی اصل وہ گروہ ہے، جس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی مخالفت میں بغاوت کی، کیونکہ اس گروہ نے ان کی چند باتوں کو ناپسند کیا، اور اس بناء پر پہلے ان کے خلاف خلاف بغاوت کی پھر ان کو شہید کردیا، اس کے بعد جب ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں اور امیر معاویہ میں ناچاقی بڑھانے کا بہت بڑا سبب بنگئے نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دو فرقوں میں، جو تمام عالم اسلامی کا خلاصہ تھا، بہ مقام صفین سخت جنگ ہوئی، جب امیر معاویہؓ اور ان کے رفقاء نے قرآن مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی تو یہ لوگ پہلے تو اس پر راضی ہوگئے، لیکن بعد کو اس کو قابلِ اعتراض قرار دیا، اور کہا کہ

Marfat.com

یہ کفر ہے، کیونکہ "لاحکم الا اللہ" حکم صرف خدا کے لئے ہے، ان لوگوں نے اس فقرہ کو اپنا شعار بنالیا یہانتک کہ جن لوگوں نے خوارج کی راے اختیار کی ان کو کہا جانے لگا کہ حکم، یعنی انھوں نے "لاحکم الا اللہ" کہا، ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بھی سخت لڑائیاں کیں، جن کی وجہ سے ان کا مرکز اُن کے اُس فریق کے مقابل میں جو ایک فرماں بڑی فوج رکھتا تھا، ضعیف ہوگیا، اور بالآخر انھوں نے ان ہی خارجیوں میں سے ایک خارجی یعنی عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی، اور اسی وقت سے ایک مخصوص اور ممتاز شخصیت والا فرقہ پیدا ہوگیا جو "شراۃ" کے لقب سے مشہور ہے، (ان لوگوں نے اس آیت سے اس نام کو لیا ہے "ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" یعنی بعض لوگ خدا کی مرضی کی جستجو میں اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں) انکا عام اصول یہ ہے کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھتے ہیں، اور چند ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے اور رضامندی تحکیم کی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے، اور مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر مسلمانوں پر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہؓ سے برارت یعنی بے تعلقی اور علٰحدگی ظاہر کرتے ہیں، اس سے مسئلۂ خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول قائم ہوا کہ خلافت تمام قوم کے سپرد کر دی گئی ہے، وہ جس شخص کو جس خاندان سے چاہے خلیفہ بنا سکتی ہے، وہ خلافت کو قریش میں مخصوص کر دینے سے انکار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک خلیفہ کی اطاعت صرف اُن حدود کے دائرے میں فرض ہے جنکو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب یا اپنے پیغمبر کی علمی مدیثوں میں متعین کر دیا ہے، اگر کسی خلیفہ نے ان کی مخالفت کی تو وہ اس سے علٰحدہ ہو جاتے ہیں، اور اسکی نافرمانی واجب ہو جاتی ہو، یہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، بلکہ جو شخص حدود اللہ سے آگے قدم

Marfat.com

رکھے وہ فاسق ہے، اور وہ فاسق ہی کو کافر کہتے ہیں، قرآن مجید کی چند ظاہری آیتیں بھی انکی تائید کر رہی ہیں، اور اسی عقیدے کی بنا پر جن لوگوں نے امیر معاویہؓ کی حمایت کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ سے برات نہیں کی، ان کو وہ لوگ خارج از ملت سمجھتے ہیں، اور ان سے لڑنا بھڑنا جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ جمہور امت یہی لوگ ہیں،

ان خارجیوں میں بڑے بڑے سردار پیدا ہوئے، جنھوں نے اُن سے خلفاے جمہور کے ساتھ لڑائیاں کروائیں، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی امور میں ان کی رائیں نہایت سخت قائم ہوئیں، یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے، اور حدیثوں میں صرف ان ہی احادیث کو قبول کرتے تھے، جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی، جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے، چنانچہ ان کی قابلِ اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں کی گئی تھی، ان لوگوں میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف یہ لوگ رجوع کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ لوگ عام مسلمانوں پر تشدد کرتے تھے، اور اُن کے متعلق بُرا عقیدہ قائم کر لیا تھا، اس لئے عام طور پر مسلمان ان لوگوں سے اور نیز اس شخص سے جو ان لوگوں کا ہمخیال ہوتا تھا، نفرت رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر وہ محدث ہوتا تھا، تو اس سے روایت نہیں کرتے تھے، اور اگر وہ مفتی ہوتا تھا تو اس سے فتویٰ نہیں پوچھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت کی تھی، اس کو بعض ائمہ حدیث نے ساقط الاعتبار قرار دیا، کیونکہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ خارجیوں کے ہمخیال ہیں، اور اسی بنا پر بعض محدثین نے عمران بن حطان (جو خوارج کا فقیہ اور ان کا شاعر تھا) کی روایت کو بھی ضعیف ٹھہرایا، لیکن بایں ہمہ وہ تمام فرقوں میں جھوٹ سے سب سے زیادہ دور تھے، کیونکہ وہ اس کو کفر خیال کرتے تھے، لیکن خوارج

Marfat.com

کا یہ اتحاد بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکا بلکہ عام مسلمانوں کے معاملہ میں ان کے درمیان جو اختلافِ آراء پیدا ہوا، اس نے ان میں تفریق پیدا کر دی، اور ان کی سختیاں صرف بنو امیہ کے زمانہ اور آغازِ سلطنت عباسیہ تک قائم رہ سکیں،

شیعوں کا فرقہ بھی اسی دور میں پیدا ہوا، یہ لوگ ہیں جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور اُن کے اہلبیت کی دوستی پر قائم رہے، اور ان کا عام اصول مشترکہ یہ ہے کہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے، اور وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے اس کے مستحق ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اُن کو وصی کہتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ ان کی اولاد کا حق ہے، اور اُس حق کو اُن سے وہی شخص چھین سکتا ہے، جو ظالم و غاصب ہو، چنانچہ اسی بنا پر ان میں بعض لوگوں نے شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر زبان درازیاں کی ہیں، کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق کو غاصبانہ طور پر چھین لیا تھا، ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد ان کے فرزند حسن علیہ السلام کو، پھر ان کے بعد ان کے بھائی حسین علیہ السلام کو امام قرار دیا ہے، اور اس معاملہ میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن امام حسینؓ علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے دو فرقے پیدا ہو گئے، بعض لوگوں نے خلافت کو محمد بن الحنفیہ کا حق قرار دیا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد حضرت علیؓ کی سب سے بڑی اولاد وہی تھے اور یہی لوگ ہیں جن کو کیسانیہ کہتے ہیں، محمد بن حنفیہؒ کے نام سے اس بغاوت میں فائدہ اٹھایا گیا جو مختار بن ابی عبید الثقفی نے بنو امیہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے خلاف کی تھی اور یہ لوگ ان کو مہدی کہتے تھے، لیکن خوارج کی طرح مختار بن ابی عبید الثقفی میں

مذہبی روح نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ اُس کی بغاوت کا منشار دنیوی تھا، ....

.... یہی وجہ ہے کہ اپنے اغراض کے حاصل

کرنے کے لئے، اس نے جھوٹ بولنا جائز کر لیا تھا،

لیکن بعض شیعوں نے خلافت کو صرف اولاد فاطمہؓ کے لئے مخصوص کر دیا اور امام حسین علیہ السلام کے بعد اُن کے فرزند علی زین العابدین کو جو اس دور کے فقہاء میں تھے، امام بنایا۔ حضرت علی زین العابدین کی وفات کے وقت اُن کے دو فرزند تھے یعنی محمد بن علی المعروف بالباقر اور زید بن علی، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت باقر کو امام بنایا، لیکن انکی وفات کے بعد انکے بھی دو فرقے ہوگئے، بعض نے زید بن علی کو امام بنایا، اور یہی لوگ زیدیہ کے نام سے مشہور ہیں اور بعض لوگ .....

...... باقر کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے رہے، اس بنا پر انھوں نے امامت کو ان کے فرزند جعفر صادق کی طرف منتقل کر دیا،

امامت کے متعلق فرقہ زیدیہ کی ایک خاص رائے تھی یعنی یہ لوگ شیخین سے تبری نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ خلیفہ ہوئے تو عدل و انصاف سے کام لیا، ان لوگوں کا قول یہ تھا کہ امامت اگرچہ صرف اولاد فاطمہ کے لئے مخصوص ہے، لیکن امام کا تقرر اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے، اور اس لئے جیسا کہ فرقہ جعفریہ کا خیال ہے، یہ لوگ اس کے منکر تھے کہ وصیت میں نام کے ساتھ امام کا تقرر ہوتا ہے، غرض ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ہر وہ شخص جو اولاد علیؓ سے ہونے کا مدعی ہو، اور اس کے ساتھ اس میں امامت کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہوں، اسکی پیروی اور مدد واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں جب زید بن علی نے بغاوت کی تو ان لوگوں نے انکا ساتھ دیا، اور جب وہ شہید ہوگئے تو ان کے فرزند یحیٰی کی حمایت کی اس کے بعد محمد المہدی المعروف بالنفس زکیہ بن عبد اللہ بن الحسن بن علی نے دولت عباسیہ کے آغاز میں منصور عباسی کے

خلاف بغاوت کی تو ان لوگوں نے ان کی اعانت کی،

الغرض اس دور میں شیعوں کے تین فرقے یعنی کیسانیہ، امامیہ زیدیہ اور امامیہ جعفریہ پیدا ہوگئے، اور ان میں ہر فرقہ نے علم دین کو اپنے اپنے ائمہ اور انکے رفقاء و اعوان سے حاصل کیا، یہ لوگ ان ائمہ کے متعلق جو اعتقادات رکھتے ہیں، وہ اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف ہیں، ان میں بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے اہلبیت کی تائید میں جو غلو کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کیں جن کی نسبت ائمہ جمہور یہ یقین رکھتے ہیں، کہ وہ بالکل جھوٹ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ نے جطرح غلاۃ خوارج کی روایتوں کے قبول کرنے میں تامل کیا ہے، اسی طرح ہر غالی شیعہ، یا داعیِ تشیع کی روایتوں کے قبول کرنے میں ان کو توقف ہے،

Marfat.com

چوتھا دور

اس دور کی فقہ

(دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک)

یہ حدیث وفقہ کی تدوین اور اُن ائمۂ کبار کے پیدا ہونے کا دور ہے جنکو عام طور پر لوگوں نے اپنا پیشوا تسلیم کیا،

سیاسی صورتِ حال

جو مخفی جماعت اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ بنو امیہ سے خلافت کو آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں امام رضا کی طرف منتقل کردے، وہ اس دور کی ابتدا میں کامیاب ہوئی، اور خلافت بنو عباس بن عبد المطلب کی طرف منتقل ہوگئی، اور ابو العباس عبد اللہ السفاح بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ خلیفہ ہوا، اور عباسیوں نے بنو امیہ کے معاملے میں ایسی سختیاں کیں کہ تاریخی آدمیوں میں کسی کی نسبت اس قسم کی سختی کا علم نہیں ہے اور ان لوگوں نے اس قسم کے متشددانہ اور وحشیانہ کام کئے جن کے ذریعہ سے اپنے ایمہ الی اعوان و انصار کے دلوں کو خوش کیا، اس وقت بنو امیہ میں سب سے زیادہ پختہ ارادہ کا ایک شخص بھاگ کر اندلس میں جا پہونچا، اور وہاں ایک عظیم الشان

سلطنت کی بنیاد ڈالی جو بنو عباس کے اثر سے بالکل الگ تھی، اور یہ پہلی تقسیم تھی، جو اسلامی سطح میں واقع ہوئی، لیکن یہ انقلاب بنو عباس کے چچا زاد بھائی یعنی اولاد علی بن ابی طالبؓ کو جو اپنے آپ کو دوسرے خاندانوں سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے، پسند نہ آیا، اور انھوں نے یہ پختہ عزم کر لیا کہ اس خلافت کو یا تو خود حاصل کریں یا اپنے مخاصمین کے لئے اسکو غبار آلود بنا دیں، چنانچہ سب سے پہلے علویین، اس کے بعد بنو الحسن میں محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب نے علم بغاوت بلند کیا، اور اگر چند غلطیاں اور سوء اتفاقیاں جنھوں نے اس کا مدینہ میں اور اس کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ کر دیا، نہ پیش آگئی ہوتیں تو غالباً وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا،

اس کے بعد منصور کے پوتے موسیٰ الہادی بن محمد المہدی بن ابی جعفر المنصور کے سالہ اطراف مکہ میں ایک اور باغی نے بغاوت کی، اور مقتول ہوا، اور محمد النفس الزکیہ کا بھائی ادریس بن عبد اللہ اس معرکہ سے بھاگ نکلا اور مغرب اقصیٰ میں جا کر بربروں کے درمیان خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی، اور عباسیہ سے الگ یہ دوسری خلافت قائم ہوئی جسکو خلافت ادریسیہ کہتے ہیں، اسی طرح اس کا دوسرا بھائی یحییٰ بن عبد اللہ اطراف مشرق میں بھاگ کر بلاد دیلم میں پہونچا، اور بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی لیکن ہارون رشید نے فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کی مدد سے اس کو سیاسی چالوں سے اس کے قلعہ سے اتار لیا، اور ایک امن نامہ لکھ دیا، جس کی شرط کے بموجب وہ قلعہ سے اترا، لیکن رشید نے اس شرط کو پورا نہیں کیا،

ہارون رشید نے محسوس کیا کہ اس کو ایک ایسی طاقتور امارت کی سخت ضرورت ہے مغرب میں ادریسیوں کی حوصلہ مندیوں کے سامنے ایک دیوار کی طرح حائل

Marfat.com

ہو جائے اسلیئے اس نے خود اپنے ہاتھ سے افریقہ میں اغالبہ کی سلطنت کی بنیاد رکھی، اس کے مامون نے خراسان میں امارت طاہریہ کو قائم کیا اور بلاد یمن میں امارت زیادیہ کا سنگ بنیاد اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ مختلف ممالک میں شیعیوں کی کامیابیوں کو کم کرسکیں، لیکن شیعہ امامیہ نے جعفر بن محمد بن المعروف بالصادق کی خلافت پر جو ائمۂ شیعہ میں سے چھٹے امام تھے اتفاق کیا تھا، اور ان کے پیرو بھی بہ کثرت تھے، لیکن وہ خود اپنے لئے خلافت کے خواستگار نہ تھے، جب انھوں نے وفات پائی، تو ان کے پیرو دو فرقوں میں منقسم ہو گئے، ایک فرقہ یعنی فرقۂ موسویہ نے انکے فرزند موسیٰ المعروف بالکاظم کو خلیفہ تسلیم کیا، اور ان کے بعد امامت کو ان کے لڑکوں اور پوتوں میں بارہویں امام تک کھینچ کر لائے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ امامیہ اثنا عشریہ کہے جاتے ہیں، اس بارہویں امام کا نام ابو القاسم محمد العسکری بن الحسن العسکری ابن علی الہادی ابن محمد الجواد بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین ابن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب ہے، اور شیعہ امامیہ کا خیال ہے کہ وہ ۲۶۰ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد چھپ گئے، اور آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا، اور دنیا جس طرح ظلم سے بھر گئی ہے، اسی طرح وہ اس کو عدل سے بھر دیں گے، چنانچہ وہ اب تک ان کا انتظار کر رہے ہیں، دوسرے فرقے نے جو اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، اسمٰعیل ابن جعفر الصادق کو خلیفہ قرار دیا ہے، اور ان لوگوں نے خلافت کے حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کیا وہ پہلا فرقہ نہ کرسکا تھا، ان لوگوں نے اس کام کی ابتدا مخفی طریقہ دعوت سے کی، اور اسکے لئے ایسی تعلیمات بنائیں جن کے ذریعہ سے بے گانہ دلوں کو مائل کرسکیں، جب ان کا یہ مقصد پورا ہو چکا تو بلاد افریقہ میں ان کے امام عبید اللہ المہدی کا ظہور ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس نے تمام مغرب پر تسلط و اقتدار حاصل کرنے

خالد بن ولیدؓ

علاء بن الحضرمیؓ

عمرو بن العاصؓ

عبد اللہ بن الحضرمیؓ

محمد بن مسلمہؓ

عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی ابن سلولؓ

لکھنے کے بعد جو مجموعہ تیار ہوتا تھا، وہ رسول اللہ صلعم کے مکان میں رکھا جاتا تھا اور کاتبان وحی خود اپنے لئے اس کی نقل لے لیتے تھے، اور سورتوں میں جس آیت کا جو موقع ہوتا تھا، اس کو خود رسول اللہ صلعم بتاتے جاتے تھے، اس بنا پر ناخواندہ اشخاص کے حافظے کاتبان وحی کے صحیفے اور وہ تمام مجموعے جو رسول اللہ صلعم کے گھر میں محفوظ تھے، قرآن مجید کے تحفظ میں باہم مساعد و معین تھے، علما کے درمیان یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی ان کو خود رسول اللہ صلعم کے حکم کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، لیکن اس زمانہ تک قرآن مجید کسی مصحف میں نہیں جمع کیا گیا، البتہ اس عہد میں بہت سے حفاظ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت سالمؓ ابن معقل، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو زیدؓ، اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ موجود تھے، جن کو قرآن مجید پورا یاد تھا، ان حفاظ میں دو بزرگ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت سالم بن معقلؓ سابقین اولین میں ہیں، اور رسول اللہ صلعم کے پورے دور نبوت میں آپ کے ساتھ رہے ہیں، ان کے علاوہ ایسے صحابہ تو بکثرت تھے، جن کو قرآن مجید کے بعض حصے یاد تھے،

Marfat.com

[عظیم] الشان کامیابی حاصل کی، اور ابھی اس دور کا خاتمہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ قاہرہ مصر المغربہ میں [ایک] عظیم الشان اور محفوظ سلطنت قائم ہو گئی،

خلافت عباسیہ کی بنیاد دو عصبیتوں پر قائم تھی، ایک تو عصبیت عربیہ جسکا تعلق ان عربوں [سے] تھا، جو خلفائے عباسیہ کے دوست تھے، دوسری عصبیت فارسیہ جسکا تعلق ان لوگوں سے تھا جو دعوت عباسیہ کے [قائم] کرنے والے تھے، خلفائے عباسیہ کا یہ قاعدہ تھا، کہ جب ان دونوں فریقوں میں سے [کسی] فریق سے شبہ پیدا ہوتا تھا، تو وہ اس کے مقابل میں دوسرے فریق سے مدد لیتے تھے، یہاں تک کہ مامون بن رشید نے جس نے خالص ایرانی تربیت پائی تھی، اور ایرانیوں [ہی] کے ذریعہ سے اپنے بھائی محمد امین پر غلبہ حاصل کیا تھا، یہ مناسب سمجھا کہ وہ عصبیت عربیہ [کو] مٹا کر اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر قائم کرے۔ لیکن اس کا بھائی اسحاق المعتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لئے ترکی غلاموں میں سے جن کو اس نے بہ کثرت جمع کر لیا تھا، اپنے لئے ایک اور نئی عصبیت قائم کی، اور اسی کے ذریعہ خلافت عباسیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا، متوکل بن معتصم نے ان سے رہائی حاصل کرنی چاہی، لیکن اس کے فرزند منتصر کے اتفاق سے ترکوں نے اس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا، اور اس طریقہ سے معتصم نے جس اقتدار کے رگ وریشہ کو قائم کیا تھا، تمام خلفائے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور [دار] خلافت کے قریب و بعید دونوں قسم کے لوگوں پر ترکوں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اس ضعف نے مشرق میں متعدد امارتیں مثلاً ماوراء النہر میں دولت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم کر دیں، اور ابھی یہ دور ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بنی بویہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنے خاندان کے لئے، ایک سلطنت قائم کی، یہانتک کہ خود خلافت عباسیہ کے پایہ تخت بغداد پر قابض ہو گئے، اب بنو عباس کا نام ہی نام

Marfat.com

باقی رہ گیا، اور بنو بویہ اور ان کے عصبہ دیلم کا اقتدار قائم ہوگیا،

یہ اُس سلطنت کی سرگذشت ہے، جس نے ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کی عظیم الشان وراثت پر غلبہ حاصل کیا، اور ابھی ۳۳۴ھ آیا بھی نہ تھا کہ خلافت کا نام ہی نام رہ گیا، اور عرب اقتدار دوسری قوموں مثلاً ایرانی، دیلم، ترک اور بربر کی طرف منتقل ہوگیا، اور معتصم کے زمانے سے فوجی دفتر میں ایک عرب بھی نہ رہ گیا،

اس دور کی امتیازی خصوصیات

(۱) تمدن کی وسعت،

ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے بغداد کو اس غرض سے آباد کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا پایۂ تخت ہو، اور اس نے اس میں جو ندرت اور اعجوبگی پیدا کی اس نے اس کو اس زمانے کے تمام شہروں سے ممتاز و فائق کر دیا، جب اس کی تعمیر مکمل ہو چکی تو اس میں تمام شہروں کے علماء جمع ہو گئے، اور اسی طرح مختلف مزاج کے تاجر، کاریگر اور ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوگیا، اور ابھی اس کا زمانہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ عروس البلاد اور سیدۃ البقاع بن گیا، اس کی آبادی دو ملین کے قریب ہوگئی، اور دجلہ کے کنارے پھیل گیا، چنانچہ اس کے مغربی کنارے پر منصور کا شہر اور مشرقی کنارے پر مہدی کا شہر تھا، اور اس کی تعمیر میں عربی، ایرانی اور رومی تینوں قسم کی عقل نے شرکت کی تھی اس لئے ہر عقل کے اندر ایجاد و اختراع کی جو قدرت پوشیدہ تھی بغداد نے اس کا بہترین حصہ پایا تھا،

اگر تم مغرب کی طرف سے جزیرہ اندلس تک سلطنت اسلامیہ کی انتہا پر نظر

جاؤ گے تو تم کو شہر قرطبہ ملے گا جو اندلس میں سلطنت اموّیہ کے بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ کی زیر نگرانی بغداد کے مقابلہ کے لئے آمادہ نظر آئے گا، تمکو افریقہ میں شہر قیروان ملے گا جس نے افریقیہ اور رومانیہ کے شہروں کی عظمت وراثت میں پائی اور ان کا حسن وجمال اس کی طرف منتقل ہوگیا، اس کے بعد تم کو مصر کا دارالسلطنت فسطاط ملے گا جسکی عظیم الشان مسجد نے ان علماء کے حلقوں کو جمع کیا، جنھوں نے اجتہاد و استنباط میں اپنی یادگار میں عظیم الشان نشانیاں چھوڑیں اور انہی نے مختلف مذاہب کے ائمہ مجتہدین کی فقہ کو عام طور پر نمایاں کیا، مثلاً اصحاب مالک میں ابن وہب اور ابن قاسم اور اصحاب شافعی میں ربیع اور مزنی جیسا کون ہے، جامع فسطاط ہی نے امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا، اور اصحاب ابی حنیفہ میں ابوجعفر طحاوی کے مثل کون ہے؟ اور یہ سب کے سب فسطاط کی یادگاریں ہیں اور اس شہر کے مورخین نے جو کچھ لکھا ہے، جو شخص اس سے واقف ہے، اس کو معلوم ہے کہ علم، تجارت اور صنعت میں اس کا تمدن بغداد سے کسی طرح کم نہیں ہے، پھر تم کو شہر دمشق ملے گا جس سے خلافت کی رونق اگرچہ زائل ہوگئی، تاہم بنی امیہ نے جس عظمت کا اس کو وارث بنا دیا تھا، اس نے ہمیشہ اسکو محفوظ رکھا، کوفہ و بصرہ ہمیشہ علماء وحکماء سے معمور رہے اور اگرچہ بغداد ان دونوں شہروں سے قریب تھا، تاہم باوجود اپنی عظمت کے وہ ان دونوں کے چاند کو گھٹا نہ سکا، کیونکہ بصرہ تجارت ہند کا سب سے بڑا مرکز اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا، جب تم مشرق کی طرف توجہ کروگے تو تم کو مرو ونیشاپور وغیرہ عظیم الشان شہر نظر آئیں گے، تمدن کے لئے تجارت، زراعت اور صنعت کے دائرے کی وسعت لازمی ہے، اور اس دور میں یہ تمام چیزیں شباب کے درجہ کو پہونچ چکی تھیں، یہاں تک کہ اسلامی

Marfat.com

سطح تمام گذشتہ تمدنوں پر فخر کر رہی تھی، کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھی، اور اس
کوئی شبہہ نہیں کہ فقہ پر اس کا عظیم الشان اثر پڑا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں فقہ
مختلف مسائل کے وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اُن سے جواب مستنبط کر سکے

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت،

پہلے دور کے آخر میں حرکت علمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے عظیم الشان ترقی کر لی، کیونکہ منکرینِ عرب کے دماغوں میں قدیم تمدن کی شعاعیں پہونچ چکی تھیں جس کے دو سبب تھے،

پہلا سبب موالی یعنی غلام تھے، کیونکہ اسلام میں ایرانی، رومی اور مصری غلاموں کی ایک عظیم الشان تعداد داخل ہوئی، جن میں کچھ تو بچپن میں گرفتار ہوئے تھے، اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی تھی، اس لئے جن علوم اسلامیہ کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی، ان سے انھوں نے وراثتاً پائے تھے، اور ان کو بہت کچھ سیکھ لیا تھا، اور اپنے عربی النسل بھائیوں کے مقابل میں ان میں بڑے بڑے قراء اور بڑے بڑے محدث پیدا ہو گئے تھے، اور ان میں کچھ لوگ بڑے ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے، اور اس کا خیالات کا اختلاط اور عقل کی پختگی ہے،

یہ دور شروع ہوا تو سیاست مدن میں ان غلاموں کی حیثیت نہایت نمایاں تھی کیونکہ خلافت عباسیہ کی بنیاد ہی اس کے خراسانی اور عراقی غلاموں کے بل پر قائم ہوئی تھی، اور اسی طرح وہ شریکِ سلطنت ہو گئے تھے، اور اس طریقہ سے ان کا علمی اور سیاسی اشتراک کمل ہو گیا تھا،

دوسرا سبب وہ فارسی اور رومی کتابیں تھیں، جن کا ترجمہ عربی زبان میں

دور کے آخر میں ہونا شروع ہو گیا تھا، اور اس دور میں ابو جعفر منصور کے زمانے سے جو عباسیوں کا دوسرا خلیفہ تھا، اس کی طرف اور بھی زیادہ توجہ ہوئی اور تیسری صدی کی ابتدا میں ہارون رشید کے زمانے تک جو یونانی علوم اور ارسطو کی رایوں کا خاص طور پر شیدائی تھا، اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا،

یہ کتابیں خوب پھیلیں اور مامون کے زمانے میں کثرت سے جن متکلمین کا ظہور ہوا تھا ان کی معلومات کے پیدا کرنے کا غیر معمولی ذریعہ بن گئیں، اور ان لوگوں نے محدثین کو تقریباً اُن کے بلند پایہ سے گرا دینا چاہا، کیونکہ مامون ان کا جانبدار ہو گیا تھا، اور ان جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا، اور مامون نے اہلحدیث کو ان کے عقیدے کی تبدیلی پر مجبور کرنا چاہا، چنانچہ اس نے رؤسائے اہلحدیث کے متعلق جو خط محافظ بغداد کے نام ارسال کیا تھا، جو شخص اس کو پڑھے گا اسکو معلوم ہو گا کہ اہلحدیث کے بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی؟ کیونکہ اس نے اس میں ایک ایک کا نام لیا تھا، اور ان کے خیالات اور اخلاق پر نکتہ چینی کی تھی، ہم کو اس میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین ہونے کے ایک ایسے عقیدے میں مداخلت کرنا جس میں جمہور کی رائیں مختلف تھیں، اور اہل علم کے ایک گروہ کو خاص اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور کرنا مامون کی غلطی تھی، کیونکہ یہ آزادیٔ خیال کی راہ میں ایک رکاوٹ تھی، جس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، اہلحدیث نے بالاتفاق اس حرکت کلامیہ کے خلاف روش اختیار کی، اور جمہور نے بھی ان کا ساتھ دیا اس لئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، بجز ان باتوں کے جن کو اہلحدیث متکلمین سے نقل کرتے ہیں، متکلمین کے ساتھ ہمارے تعلقات بالکل منقطع نظر آتے ہیں، چنانچہ انھوں نے جو کچھ خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہم کو اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی،

Marfat.com

بایں ہمہ ان لوگوں نے اس دور کی علمی فقہ کے میدان میں بہت کچھ تیزروی سے کام لیا ہے، چنانچہ حدیث وقیاس کے متعلق ان لوگوں نے جو مناظرات کئے ہیں، وہ آگے آئیں گے،

رؤسائے متکلمین میں مشہور تر لوگ عمرو بن عبید المتوفی سنہ ۱۴۴ھ، ابوالہذیل العلاف المتوفی سنہ ۲۳۵ھ اور عمرو بن ابی خط المتوفی سنہ ۲۵۵ھ ہیں،

(۳) حفاظ قرآن کی تعداد میں اضافہ اور قرآن مجید کے ادا کرنے کی طرف توجہ،

اس دور میں حفاظ قرآن کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور کاتبان قرآن کی طرح وہ تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے، لیکن ہر ملک کے مسلمانوں نے صرف چند مشہور قرار کے تفوق کا عام طور پر اعتراف کیا، جن کے نام یہ ہیں،

(۱) مدینہ میں نافع بن ابی نعیم مولیٰ جعونہ، انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۱۶۹ھ میں وفات پائی، جن لوگوں نے اُن سے قرارت کی روایت کی، اُن میں زیادہ مشہور عیسیٰ بن مینا الملقب بقالون المتوفی سنہ ۲۰۵ھ اور ابوسعید عثمان بن سعید المصری الملقب بہ ورش المتوفی سنہ ۱۹۷ھ ہیں، اور اکثر اہل مغرب انہی ابوسعید ہی کی قرأت کے موافق قرآن پڑھتے ہیں،

(۲) مکہ میں عبداللہ بن کثیر مولیٰ عمرو بن علقمہ، یہ فارسی النسل ہیں، حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۱۲۰ھ میں وفات پائی، اور جن لوگوں نے ان سے قرأت کی روایت کی، ان میں مشہور تر ابوالحسن احمد بن عبداللہ المنبری المتوفی سنہ ۲۰۵ھ اور ابوعمر محمد الملقب بہ قنبل المتوفی سنہ ۲۹۱ھ ہیں، اور یہ دونوں ابن کثیر کے تلامذہ سے روایت کرتے ہیں،

(۳) بصرہ میں ابو عمرو بن العلاء المازنی، یہ کازرونی الاصل ہیں، حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ سے تعلیم حاصل کی، اور ۱۵۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی، ان سے جن لوگوں نے روایت کی، ان میں مشہور تر یحییٰ بن مبارک الیزیدی ہیں، اور یحییٰ سے ابو عمر حفص بن عمر الدوری المتوفی ۲۴۶ھ اور ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی المتوفی ۲۶۱ھ نے روایت کی ہے، اور اکثر اہل سوڈان ابو عمرو ہی کی قرأت کی تقلید کرتے ہیں،

(۴) دمشق میں عبد اللہ بن عامر، انھوں نے حضرت عثمانؓ کے تلامذہ اور حضرت ابو الدرداءؓ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۱۸ھ میں وفات پائی، جن لوگوں نے ان کی قرأت کی روایت کی، ان میں مشہور تر ابو الولید ہشام بن عمار الدمشقی المتوفی ۲۴۵ھ اور ابو عمرو عبد اللہ ابن احمد بن بشیر بن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ ہیں اور یہ دونوں ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں،

(۵) کوفہ میں،

(۱) ابو بکر عاصم بن ابی النجود، انھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی، جن لوگوں نے ان سے روایت کی، ان میں مشہور تر شعبہ بن عباسؓ الکوفی المتوفی ۱۹۳ھ اور حفص بن سلیمان المتوفی ۱۸۰ھ ہیں اور مصری اور اکثر ممالک اسلامیہ کے لوگ انھی کی روایت کے موافق قرأت کرتے ہیں،

(۲) حمزہ بن حبیب الزیات، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عثمانؓ کے طریقے سے تعلیم حاصل کی اور ۱۵۶ھ میں وفات پائی، جن لوگوں نے ان کی قرأت کی روایت کی، ان میں مشہور تر خلف بن ہشام البزار المتوفی ۲۲۹ھ اور عیسیٰ بن خالدؓ

الملقب بخلاد المتوفی ۲۲۰ھ ہیں انھوں نے حمزہ کے تلامذہ سے تعلیم پائی ہے،

(۳) ابو الحسن علی بن حمزۃ الکسائی بنو اسد کے غلام اور فارسی نژاد ہیں، حمزہ بن حبیب سے تعلیم حاصل کی، اور ۱۸۹ھ میں وفات پائی، ان سے جن لوگوں نے روایت کی، اُن میں مشہور تر ابو الحارث اللیث بن خالد المتوفی ۲۴۰ھ اور دوری ہیں، جو ابی عمرو بن العلاء کے راوی تھے،

یہی لوگ قراء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں، اور اتقان وضبط میں دوسروں سے فائق ہیں،

ان کے بعد تین شخص اور مشہور ہیں، جن کے نام یہ ہیں،

(۱) ابو جعفر یزید بن القعقاع المدنی المتوفی ۱۳۰ھ اور ان کے راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جماز ہیں،

(۲) یعقوب بن اسحاق الحضرمی المتوفی ۲۰۵ھ اور ان کے راوی رویس اور روح ہیں،

(۳) خلف بن ہشام البزار راوی، حمزہ بن حبیب، اور ان کے راوی اسحٰق الوراق اور ادریس الحداد ہیں،

ان سب کا مشترک نام قراء عشرہ ہے، اور ان کے بعد چار قاری اور مشہور ہیں، جن کے نام یہ ہیں،

(۱) محمد بن عبد الرحمان المکی المعروف با بن محیصن، ان کے راوی ابن کثیر کے راوی بزی اور ابو الحسن بن شنبوذ ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک الیزیدی راوی ابو عمرو بن العلاء، اور ان کے راوی سلیمان بن الحکم، اور احمد بن فرح ہیں،

Marfat.com

(۳) حسن بن ابی الحسن البصری فقیہ اور اُن کے راوی شجاع بن ابی نصر البلخی اور ابی عمرو بن العلاء کے راوی دوری اور کسائی ہیں،

(۴) اعمش سلیمان بن مہر اور ان کے راوی حسین بن سعید المطوعی اور ابو الفرج الشنبوذی الشطوی ہیں، لیکن ان چاروں قاریوں کی قرأتیں متواتر نہیں تسلیم کی گئیں اسلئے ان کو شاذ مانا گیا ہے،

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو مصاحف لکھے گئے، اُن سے چند ہی باتوں میں یہ قرأتیں مختلف ہیں، اور یہ دور ابھی ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ مذہبی علوم میں قرأت ایک مستقل علم بن گیا، اور علمائے قرأت اس میں ایسی کتابیں تالیف کرنے لگے، جن کو اس کے طرز ادا اور روایت سے تعلق تھا،

(۴) تدوین حدیث،

علم حدیث کے لئے یہ دور ایک بہترین دور تھا، کیونکہ اس میں رواۃ حدیث نے اسکی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا، اور اس کی تصنیف کے یہ معنے تھے کہ ایک ہی قسم کی حدیثوں مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کی حدیثوں کو باہم ایک ہی سلسلے میں جوڑ دیا جائے، یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی زمانے میں پیدا ہوا یہانتک کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے؟ لیکن اس دور کے طبقۂ اولی کے مدونین میں مدینہ میں امام مالک بن انس، مکہ میں عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج، کوفہ میں سفیان ثوری، بصرہ میں حماد بن سلمہ اور سعید بن ابی عروبہ، واسط میں ہشیم بن بشیر، شام میں عبد الرحمٰن اوزاعی، یمن میں معمر بن راشد، خراسان میں عبد اللہ بن مبارک، اور رے میں جریر بن عبد الحمید تھے، اور یہ کچھ اوپر ۱۴۰ھ کا

زمانہ تھا، اور ان کتابوں میں حدیث جیسا کہ ہم کو موطائے امام مالک میں نظر آتا ہے، صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ساتھ مخلوط تھی، لیکن ان لوگوں کے بعد دوسری صدی کے آغاز میں دوسرے طبقہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اور لوگوں کے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا، اور وہ کتابیں تالیف کیں جو مسانید کے نام سے مشہور ہیں مثلاً مسند عبد اللہ بن موسیٰ کوفی، مسند مسدد بن مسرہد البصری، مسند اسد بن موسیٰ المصری، مسند نعیم بن حماد الخزاعی، مسند اسحٰق بن راہویہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل، ان لوگوں نے احادیث کو اُن کے راویوں کے مسانید میں درج کیا مثلاً مسند ابو بکر صدیقؓ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس میں ان تمام روایتوں کو درج کرتے ہیں، جو اُن سے مروی ہیں، اس کے بعد اسی طرح ایک ایک صحابی کا ذکر کرتے ہیں اور ان تمام مسانید میں ہم تک صرف مسند امام احمد بن حنبل پہونچ سکا ہے،

اس طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنے سامنے اس عظیم الشان ذخیرے کو دیکھا، تو اس نے اپنے لئے انتخاب کا دروازہ کھولا، اور اس طبقہ کے سرخیل امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری الجعفی المتوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم بن الحجاج النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ ہیں، جنھوں نے روایت وانتخاب میں نہایت چھان بین کرنے کے بعد اپنی صحیحین کو تصنیف کیا ہے، اس لئے اس معاملہ میں وہ انتہائی درجہ کو پہنچ گئے ہیں، ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابو عبد اللہ محمد بن تبریدی القزوینی........ المعروف با بن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ اور ابو عبد الرحمٰن، احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے بھی ان ہی کی تقلید کی ہے، اور اہل حدیث کی زبان میں ان کی کتابیں کتب ستہ کے

نزولِ قرآن کی کیفیت

رسول اللہ صلعم پر آیات احکام یعنی فقہی آیتیں اکثر ان واقعات کے جواب میں نازل ہوتی تھیں جو اسلامی سوسائٹی میں پیدا ہو جایا کرتے تھے، یہی واقعات ہیں، جن کو اسباب نزول کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے ان کی طرف خاص توجہ کی ہے، ان کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور انکو قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے بنیادی اصول قرار دیا ہے، چنانچہ ہم آیندہ کے دوروں میں انکی تفصیل کریں گے، لیکن کبھی کبھی اس قسم کی آیتیں بعض مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں بھی نازل ہوتی تھیں، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ احکام مستقل طور پر نازل ہوں، اس بنا پر ہم ان دونوں قسموں کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں،

(۱) رسول اللہ صلعم نے حضرت مرثد الغنوی رضؓ کو مکہ کی طرف اس غرض سے روانہ فرمایا کہ وہاں سے مسلمانوں کی ایک کمزور جماعت کو نکال لائیں، چنانچہ جب وہ وہاں پہونچے تو ایک عورت نے جو صاحب جمال و صاحب مال تھی، اپنے آپ کو اُن کے سامنے پیش کیا، لیکن انھوں نے خوف الٰہی کی بنا پر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے انکار کیا، اب اس نے ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہا، انھوں نے اس کی اس خواہش کو تو منظور کر لیا، لیکن نکاح کو رسول اللہ صلعم کی اجازت پر موقوف رکھا، چنانچہ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلعم کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کیا اور نکاح کی اجازت طلب کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

لا تنکحوا المشرکات حتی یومن ولامۃ	مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں
مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم	نکاح نہ کرو، مسلمان لونڈی مشرکہ عورت سے

Marfat.com

سے مشہور ہیں اور چونکہ ان کے بالخصوص بخاری اور مسلم کے رواۃ نہایت مستند ہیں، اس لئے ان کتابوں نے مسلمانوں میں عظیم الشان اعتبار کا درجہ حاصل کر لیا ہے لیکن صرف ان ہی لوگوں نے حدیث میں کتابیں تصنیف نہیں کیں، بلکہ ان کے پہلو میں بہت سے لوگ اور بھی ہیں، لیکن جو شہرت ان لوگوں کو حاصل ہوئی، وہ اور لوگوں کو حاصل نہ ہو سکی،

اس دور کے لوگوں میں کچھ لوگ اور تھے، جن کا مطمح نظریہ تھا کہ تابعین اور تابعین کے بعد جو رواۃ حدیث ہیں، ان کے حالات سے بحث کریں اور ان لوگوں میں ہر شخص کے ضبط اتقان، عدالت یا اُن کے خلاف اوصاف کو بیان کر دیں، یہ لوگ رجالِ جرح و تعدیل کے نام سے مشہور ہیں، اور یہ لوگ جس شخص کی تعدیل کر دیتے ہیں اس کی روایت قبول کر لی جاتی ہے، اور جس شخص پر جرح کرتے ہیں، اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی اس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف بھی ہو جاتا ہے بہت سے رواۃ ہمکو ایسے ملتے ہیں، جن کی تعدیل، ضبط اور اتقان پر اتفاق عام ہے، اور یہ روایت کا سب سے بلند درجہ ہے، اور بہت سے رواۃ ایسے ہیں جن کے چھوڑ دینے پر اتفاق عام ہو گیا ہے، اور روایت کا یہ سب سے پست درجہ ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مدارج ہیں، جن میں بعض بعض سے کم درجہ کے ہیں، اور بعض اسناد سورج کی طرح روشن ہیں، جن کے رواۃ کی صداقت پر سننے والا تقریبًا کامل یقین نہیں رکھتا ہے، اور بعض اسناد اس سے کم درجہ کی ہیں، الغرض اس دور میں علم حدیث ایک مستقل فن بن گیا اور اور بہت سے لوگ جن کو اگرچہ فقہ، اور استنباط میں اقتدار تام حاصل نہ تھا، تاہم وہ صرف اسی حدیث ہی کے ہو کر رہ گئے،

Marfat.com

(۵) مادۂ فقہ میں نزاع،

اس دور کے فقہاء کے درمیان ان اصول کے متعلق سخت نزاع پیدا ہو گئی، جن سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اور اس نزاع کی تحریر گذشت ہم تک پہونچی ہے، ہم اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں،

(۱) حدیث کے متعلق نزاع،

گذشتہ دوروں میں حدیث فقہ کا ایک بنیادی اصول خیال کی جاتی تھی، اور مفتی لوگ فتویٰ دینے کے لئے جب قرآن مجید کی کوئی نص نہیں پاتے تھے، تو حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن طول زمانہ اور رواۃ حدیث کی کثرت اور جھوٹی حدیثوں کی اشاعت نے اس میں بہت سے اختلافات پیدا کر دئے، یہاں تک کہ جو شخص استنباط احکام کرنا چاہتا تھا، وہ حدیث کے سمجھنے اور اُس سے حکم کے مستنبط کرنے سے پہلے اپنے سامنے صحیح حدیث کی تحقیق کی ایک سخت چٹان پاتا تھا، اور اس نے دو مرکزی اور اصولی نزاعیں پیدا کر دیں،

یعنی یہ کہ

(۱) حدیث، فقہ اسلامی کی کوئی اصل اور قرآن مجید کی تکمیل کرنے والی ہے، یا نہیں، ؟

(۲) اگر ہم کو اس کو ایک اصل تسلیم کر لیں تو اُس پر اعتماد کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

پہلے نقطۂ خیال سے ایک جماعت نے کلیۃً حدیث کا انکار کر دیا، اور صرف قرآن مجید کو کافی خیال کیا، چنانچہ امام شافعی نے اپنی کتاب ام کے ساتویں حصے میں ایک باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:-

"اس جماعت کے اقوال کے بیان کرنے کا باب جس نے تمام حدیثوں کو رد کر دیا، اور انھوں نے اس جماعت کے قول اور ان کے استدلال کو انہی میں سے ایک شخص کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے،

"تم عربی ہو، اور قرآن ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا ہے جن میں تم خود ہو، اور تم کو وہ خوب یاد ہے، اور اس میں خداوند تعالیٰ نے اپنے چند فرائض نازل کئے ہیں، اگر کوئی شخص جس پر قرآن مشتبہ ہو گیا ہو، اس کے ایک حرف میں بھی شک کرے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ کروگے، اور اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر ہے، ورنہ تم اس کو قتل کر دوگے قرآن مجید کے بارے میں خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے، (تبیانا لکل شئی) یعنی وہ ہر چیز کی وضاحت ہے، ایسی حالت میں تمہارے یا کسی شخص کے نزدیک یہ کیونکر جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو فرض کر دیا، اس کی نسبت کبھی یہ کہے کہ فرض عام ہے، کبھی یہ کہ وہ خاص ہے، کبھی یہ کہ اس امر میں فرضیت ہے، اور اس امر میں استحباب ہے، اور اس قسم کے فرق اور بھی بہت سے ہیں،

تمہارے پاس ایک حدیث یا دو حدیث یا تین حدیثیں ہوتی ہیں، جن کو تم ایک آدمی سے، پھر دوسرے پھر تیسرے سے روایت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہو، اور میں نے تم کو اور تمہارے ہم مذہب لوگوں کو پایا ہے کہ تم نے جس سے ملاقات کی اور حفظ و صداقت میں اس کو مقدم سمجھا، اور تمہارے ملنے والوں میں سے خود جس سے ملا تم ان میں سے کسی کو حدیث میں غلطی اور بھول چوک سے بری کرتے، بلکہ میں نے تم کو ان میں متعدد اشخاص کی نسبت یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ فلاں اس حدیث میں اور فلاں نے اس حدیث میں غلطی کی، اور میں نے تم کو یہ کہتے

Marfat.com

ہوئے پایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حدیث کی نسبت جس کے ذریعہ سے تم نے کسی چیز کو حلال وحرام بتایا ہے، یہ کہے کہ یہ علم خاصہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں فرمایا ہے، صرف تم نے یا اس شخص نے غلطی کی ہے جس نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہے، اور تم نے جھوٹ کہا ہے، یا اس شخص نے جس نے تم سے اس حدیث کی روایت کی ہے، تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اس سے زیادہ اس کو نہیں کہتے کہ "تم نے کس قدر برا کہا"
تو کیا یہ جائز ہے، کہ کوئی شخص قرآن مجید کے احکام اور اس کے ظاہر میں ایسے شخص کے نزدیک تفریق کرے جس نے اس کو ایسے شخص سے سنا ہے، جس کی حالت وہ ہے، جس کو تم نے بیان کیا ہے، اور ان کی احادیث کو تم کتاب اللہ کے قائم مقام قرار دیتے ہو، اور ان سے حلال وحرام کرنے میں مدد لیتے ہیں،

لیکن جب تم نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا، اور ان میں ایسے لوگ ہیں، جن کی احادیث کے قبول کرنے کی نسبت تمہارا معاملہ وہ ہے، جس کو میں نے بیان کیا، اور جس شخص نے ان کو رد کر دیا، ان کی نسبت تمہاری کیا حجت ہے، ؟ میں ان احادیث میں سے کسی کو قبول نہیں کرتا جب کہ اس میں وہم کا امکان ہے، اور میں صرف اس کو قبول کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے خدا پر گواہی دوں جیسا کہ اس کی کتاب پر گواہی دیتا ہوں جس کے ایک حرف میں بھی کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں، کیا یہ جائز ہے، کہ ایک چیز کو حاوی قرار دیا جائے، اور وہ اسکی سزاوار نہ ہو۔

اس قول کے بیان اور اس کے استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہے، وہ صرف ان احادیث کو رد کرتا ہے، جو مفید یقین نہیں، کیونکہ ان کے راویوں میں غلطی اور بھول چوک کا امکان ہے لیکن وہ حدیث کا من حیث الحدیث انکار نہیں کرتا یہاں تک

کہ اگر وہ ایسے طریقے سے ثابت ہو جائیں، جو مفید یقین ہوں جیسا کہ متواتر حدیثیں ہوتی ہیں، تو وہ ان کو قبول کرے گا، لیکن اس مذہب کی تردید کے سلسلے میں اس نے ایک ایسی تصریح کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی جماعت بھی ہے، جو حدیث کو من حیث الحدیث مردود قرار دیتی ہے، اور ایک جماعت نے حدیث کا صرف اس صورت میں انکار کیا ہے، جب وہ نص قرآن کا بیان نہ ہو، چنانچہ وہ کہتا ہے،

"کچھ لوگوں نے اس میں دو مذہب اور اختیار کئے ہیں، ایک فریق اس صورت میں جب قرآن مجید میں بیان موجود ہو، کسی حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو میں نے کہا کہ اس کے لئے اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے اس کو ایک بہت بڑے نتیجہ تک پہونچادیا، اور اس نے یہ کہدیا کہ جس شخص نے ایسا عمل کیا جس پر نماز کا یا کم از کم زکوٰۃ کا لفظ بولا جا سکتا ہے، اس نے اپنا فرض ادا کر دیا، اس کے لئے کوئی وقت نہیں ہے، اگر وہ ہر دن کو دو رکعت پڑھے یا پورے زمانے میں دو رکعتیں پڑھے، اس کا یہ بھی قول ہے کہ جو چیز قرآن مجید میں نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں ہے، اور اس فریق کے علاوہ دوسرا فریق کہتا ہے جو چیز قرآن میں موجود ہو اسی کی نسبت حدیث قبول کی جائیگی وہ بھی اس چیز کے متعلق جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، قریب قریب فریق اول ہی کا ہم نوا ہے، اس لئے اس کو بھی فریق اول کے نتیجہ یا اسی کے قریب نتیجہ کا قائل ہونا پڑا، بلکہ اس پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے، کہ حدیث کے انکار کے بعد بھی اس نے اسکو قبول کر لیا ہے اور وہ ناسخ و منسوخ اور خاص و عام کو نہیں تسلیم کرتا، اور اس نے غلطی کی

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذاہب کا طریقہ گمراہی واضح ہے، لیکن امام شافعی نے ہمارے لئے اس رائے کے قائل کی شخصیت کو نمایاں نہیں کیا، اور تاریخ بھی ہم کو اس

کا پتہ نہیں دیتی تاہم امام شافعی نے اپنے اس مناظرے میں جو اصحاب الرائے کے ساتھ ہے، اور جو آگے آئے گا، یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص اس مذہب کا قائل ہے، وہ بصرہ کی طرف منسوب ہے، اور بصرہ ہی ایک ایسا شہر ہے جو علم کلام کی تحریک کا مرکز تھا، اور معتزلہ کے مذاہب نے وہیں نشو ونما پائی، اور کبار معتزلہ و مصنفین معتزلہ وہیں پیدا ہوئے، یہ لوگ اہلِ حدیث کی مخاصمت میں مشہور تھے، اس لئے غالباً اس قول کا قائل انہی لوگوں میں سے تھا، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کی کتاب تاویل مختلف حدیث کی بعض تصریحات سے بھی میرے نزدیک اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب کی ابتدا میں انھوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی طاعت سے تم کو سعادت مند بنائے، اپنی حفاظت کے ساتھ تمکو محفوظ رکھے، اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق دے، اور تمکو اہلِ حق بنائے، کہ ان معائب سے جو اہلِ کلام اہلِ حدیث پر لگاتے ہیں، ان کی تحقیر اور اپنی کتابوں میں طوالت بیانی کے ساتھ ان کی ہجو کرتے ہیں، ان پر جھوٹ اور متناقض روایتوں کے کرنے کا اتہام لگاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف پیدا ہوا کثرت سے مذاہب نکلے، فرقہ بندیاں ہوئیں، مسلمانوں میں باہم دشمنی ہو گئی، ایک نے دوسرے کو کافر بنایا، اور ہر فریق نے اپنے مذہب کی ایک قسم کی حدیث سے تائید کی، تم نے واقف ہو کر بذریعہ تحریر کے مجھکو اطلاع دی"۔ اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، ان کو بیان کیا ہے پھر اہلسنت کے خلاف نہایت سخت اعتراضات ایسے الفاظ میں نقل کئے ہیں، جو نظّام اور جاحظ جیسے بلغائے متکلمین کی عبارت سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کے بعد دوسرے باب میں متکلمین پر خود اعتراض کیا ہے، اور ان پر یہ عیب لگایا ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ قیاس اور آلاتِ نظر کی فراہمی کا دعویٰ رکھتے ہیں، لیکن باہم

Marfat.com

جو تمام لوگوں سے زیادہ اختلاف رکھتے ہیں، چنانچہ ابو الہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے
بشار ان دونوں کا مخالف ہے، ہشام بن الحکم ان سب سے اختلاف رکھتا ہے، اور ثمامہ بن
اشرس کا بھی یہی حال ہے ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دین کے متعلق ایک مذہب نہ رکھتا ہو
جس کو اس نے اپنی رائے سے قائم کیا ہے، اور چند لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں، اسکے
بعد نظام کا ذکر نہایت برے الفاظ میں کیا ہے، اور خود اس کے اصحاب نے اس پر
جو عیوب لگائے ہیں، ان کو گنایا ہے، اور اس کے وہ فقہی مسائل بیان کئے ہیں جن میں اس نے
اجماع کی مخالفت کی ہے، مثلاً اس کے نزدیک نیت کرنے کے بعد کنایہ کے الفاظ سے طلاق واقع
نہیں ہوتی اور نیند سے کسی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا، اور فقہائے صحابہ میں کبار متقدمین پر نظام
نے جو عیب لگایا ہے، اس کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد ابو الہذیل اور عبیداللہ بن الحسن قاضی
بصرہ کا، جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے، یہانتک کہ اصول میں بھی اسکی
صحت قائم رہتی ہے، اسی برائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد اصحاب الرائے اور
ان کے معائب کا ذکر کیا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ سے اس کی ابتدا کی ہے، اور ان کے
چند مسائل بیان کئے ہیں جن میں انھوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے، پھر جاحظ کے
کے متعلق گفتگو کی ہے، اور اس نے اہلسنت کی جو تنقیص کی ہے، اور ان کی روایتوں کی جو
ہنسی اڑائی ہے، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بہترین
اوصاف جن کے ساتھ مسلمان متصف کئے جاسکتے ہیں، بیان کئے ہیں، اسکے بعد کہتا ہے کہ
"معترضین ان پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف اور غریب روایتیں کرتے ہیں حالانکہ
مرض اجنبی ہی میں ہوتا ہو لیکن ان لوگوں نے ضعیف اور غریب کی روایت اس لئے نہیں کی
کہ وہ لوگ ان کو حق سمجھتے تھے، بلکہ ان لوگوں نے نیک و بد اور صحیح اور سقیم کو اس لئے

جمع کر دیا تاکہ ان کے درمیان تمیز کریں اور ان کا پتہ لگائیں، اور انھوں نے ایسا کیا
اس کے بعد اس مقصد کا ذکر کیا ہے، جس کے لئے یہ کتاب تصنیف کی ہے، یعنی ان احا
جواب دینا جن کو متکلمین باہم خود متناقض خیال کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ قرآن
کے متناقض ہیں،

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعی نے اپنا رسا
لکھا ہے، یا اس سے کسی قدر پہلے متکلمین نے اہلسنت پر عام غارت گردی کردی تھ
جن میں اکثر بصرہ میں رہتے تھے، اس لئے یہ یقینی ہے کہ جس نے امام شافعی سے مناظرہ
تھا، وہ انہی لوگوں میں سے تھا، لیکن اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر یہ رائے نمایاں
نہیں ہونے پائی، اور قرآن مجید کے بعد بحیثیت ایک فقہی اصل کے حدیث پر اعتماد
کرنے کا مذہب غالب رہا، لیکن اس مذہب کے لوگوں کے درمیان یہ بھی اختلاف پی
ہو گیا کہ حدیث کس طریقہ سے قابلِ اعتماد قرار دیجا سکتی ہے؟ بعض لوگوں نے خاص
خاص اشخاص کی حدیث کو مردود قرار دیا، اور فقہاء کی زبان میں اسی کو خبر واحد کہتے
اور اسی سے یقین نہیں حاصل ہوتا،

جو لوگ اس رائے کی حمایت کرتے ہیں، ان کی زبان سے امام شافعی فرماتے ہیں
"کسی حاکم اور مفتی کے لئے یہ جائز نہیں کہ احاطہ کی حیثیت[1] کے سوا وہ فتوے
دے اور فیصلہ کرے، اور احاطہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر علم کہ وہ ظاہر و باطن میں حق ہے،
اس کے ذریعہ سے خدا پر گواہی دی جا سکتی ہے، اور یہ صرف قرآن ہے، متفق علیہ حدیث
ہے، اور وہ چیز جس پر تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے، اور باہم مختلف نہیں ہوئے ہیں
تو حکم ایک ہے، اور ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی صرف وہی باتیں مانیں جن کو ہم نے

[1] یعنی خبر احاد مثلاً مشہور یا متواتر،

Marfat.com

بیان کیا ہے، مثلاً یہ کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں، کیونکہ اس میں کوئی نزاع نہیں ہے، کوئی مسلمان اسکی مخالفت نہیں کرتا، اور کوئی شخص اس میں شک نہیں کرسکتا۔"

اس کے بعد اس نے واجب الاتباع علم کو چند اقسام میں منقسم کرکے اپنی غرض واضح کیا ہے،

(۱) عام طور پر لوگوں نے عام طور پر لوگوں سے اس کو نقل کیا ہو، اس کے ذریعہ سے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر گواہی دیجاسکے، مثلاً تمام فرائض،

(۲) کتاب جو تاویل کا احتمال رکھتی ہو، اسی لئے اس میں اختلاف کیا جاسکے، لیکن جب اس میں اختلاف کیا جائیگا، تو وہ اپنے ظاہر اور عام معنی پر قائم رہے گی، اور اس معنی کو باطنی معنی کی طرف گو اس میں اس کا احتمال ہو، بجز لوگوں کے اجماع کے نہ پھیرا جائیگا، لیکن جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا، تو وہ اپنے ظاہر معنی پر رہے گی،

(۳) وہ جس پر مسلمانوں نے اتفاق عام کر لیا ہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے اتفاق کو بھی بیان کیا ہو، اگرچہ یہ لوگ ایسا قرآن و حدیث سے نہیں کرتے تاہم یہ میرے نزدیک متفق علیہ حدیث کا قائم مقام ہے، کیونکہ یہ اتفاق رائے سے نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر رائے ہوتی تو اس میں اختلاف کیا جاتا،

(۴) خبر احاد اور اس سے اسی وقت حجت پکڑی جاسکتی ہے، جب اس کی روایت ایسے طریقے سے ہو جو غلطی سے محفوظ ہو،

حدیث کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے صرف اس حالت میں دلیل لائی جائے جب وہ متواتر ہو، اور اس کو عام طور پر لوگوں سے روایت کریں، تاکہ

Marfat.com

وہ غلطی سے محفوظ ہو، لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلامی نے اس کو بھی مردود قرار دیا ہے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت صرف اس صورت میں قبول کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کو عام طور پر لوگ عام طور پر لوگوں سے روایت کریں اور فقہائے امصار متفقاً اس پر عامل ہوں، اور اس نے پہلی وجہ پر ایک تیسری وجہ کا ایک اضافہ اور یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا کوئی صحابی آپ کے کسی فیصلہ کی روایت کرے، اور کوئی دوسرا صحابی اس کی مخالفت نہ کرے تو ہم اس سے دو باتوں پر استدلال کریں گے، ایک تو یہ کہ اس نے صحابہ کی جماعت میں اس حدیث کی روایت کی، دوسری یہ کہ اس کی مخالفت کسی دوسری حدیث سے اغفوں نے انکی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ویسی ہی ہے جیسے کہ وہ روایت کرتے ہیں اس لئے وہ عام صحابہ کی حدیث قرار پائے گی،

فقہائے عراق یعنی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا رجحان اسی طریقہ کی طرف ہے اور امام ابو یوسف نے سیر الاوزاعی کی تنقید میں جو کتاب لکھی ہے، اور امام شافعی کی کتاب الام میں جس کی روایت کی ہے، اس کے باب "سوار اور پیادہ" کے حصۂ مال غنیمت میں اس معنی کی توضیح کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں، کہ تم صرف اس حدیث کو لو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو، اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو کیونکہ ہم سے ابن ابی کریمہ نے ابو جعفر سے، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی کہ آپ نے یہود کو بلایا اور انھوں نے آپ سے حدیث بیان کی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ گئے، اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ عنقریب مجھ سے حدیث پھیلے گی تو میری

ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا ولعبد
مومن خیر من مشرك ولو اعجبکم
اولئك یدعون الی النار والله
یدعوا الی الجنة والمغفرة باذنه
ویبین آیاته للناس لعلهم
یتذکرون

بہتر ہے گو وہ تم کو پسند آئے اور مشرکین سے نکاح
نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں مسلمان غلام
مشرک سے بہتر ہے، گو وہ تم کو پسند ہو وہ لوگ دوزخ
کی طرف بلاتے ہیں، اور خدا اپنے اذن سے جنت اور
مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کیلئے اپنی
آیتوں کو بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

(۲) لیکن قرآن مجید میں بہت سے احکام مسلمانوں یا غیر مسلمانوں کے سوال کے بعد نازل ہوئے، مثلاً

یسألونك عن الخمر والمیسر
قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس
واثمهما اکبر من نفعهما،
ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو
کذلك یبین الله لکم الآیات
لعلکم تتفکرون

لوگ تجھ سے شراب اور جوے کے متعلق سوال کرتے ہیں
کہدے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کیلئے فوائد
بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے فائدہ سے بڑا
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا صرف کریں؟ کہدے کہ زائد
از ضرورت مال۔ خدا اسی طرح تمہارے لئے آیات
بیان کرتا ہے، شاید تم سوچو،

ویسئلونك عن الیتامی قل اصلاح
لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانکم
والله یعلم المفسد من المصلح
ولو شاء الله لاعنتکم ان الله
عزیز حکیم

لوگ تجھ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں کہدے کہ
انکے لئے اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر انکو اپنے ساتھ ملا لو تو
وہ تمہارے بھائی ہیں خدا مفسد کو مصلح سے الگ کرکے جانتا
ہے اور اگر خدا چاہتا تو تمکو سخت تکلیف دیتا، بیشک
اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

Marfat.com

قرآن کے مطابق تم کو ملے، وہ تو میری حدیث ہے، لیکن جو قرآن کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں، مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے، انھوں نے بختری سے اور انھوں نے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے، کہ انھوں نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئے تو یہ خیال کرو کہ وہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی، بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ زندہ کرنے والی ہے، اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد نے شعبی سے، اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں انصار کے ایک گروہ میں کوفہ کی طرف چلا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پاپیادہ ہماری مشایعت کی، یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے جس کا انھوں نے نام بتایا پہونچے تو انھوں نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیوں پاپیادہ آیا؟ ان لوگوں نے کہا "ہاں ہمارے حق کی وجہ سے" بولے تمھارا حق یہی ہے، لیکن تم ایسی قوم کے پاس جاتے ہو، جن کے یہاں شہد کی بھنبھناہٹ کی طرح قرآن کی گنگناہٹ ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کرو، اور میں تمھارا شریک ہوں، قرظہ نے کہا کہ میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہ کرونگا۔

ہم کو روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ دو گواہوں کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے، اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمھارے لئے چند حدیث بیان کرتا، حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کو قبول نہیں کرتے تھے اور حدیثیں بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہیں اور ایسا

لہ مشہور یہ ہے کہ وہ راویوں سے قسم لیتے تھے، اور ہم اوپر اسکو لکھ آئے ہیں۔

روایتیں نکلتی آتی ہیں جو نامعلوم ہیں، اہلِ فقہ ان کو نہیں جانتے، اور وہ کتاب و سنت کے موافق نہیں ہیں، تو تم شاذ حدیث سے احتراز کرو اور وہ حدیث لو جس پر جماعت کا اتفاق ہے، اور اس کو فقہا جانتے ہیں، تو اور چیزوں کو اسی پر قیاس کرو، اور جو چیز قرآن کے مخالف ہو گو اس کی روایت کی جائے، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، ہم سے معتبر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے، خدا کی قسم وہ لوگ کسی چیز سے مجھ پر تمسک نہ پکڑیں، تو میں قرآن اور مشہور حدیث کو تمہارا امام اور رہنما بناتا ہوں، اس کا اتباع کرو اور قرآن و حدیث میں جس چیز کی توضیح نہ کی گئی ہو، وہ اگر پیش آئے، تو اسی پر قیاس کرو الخ لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر نکتہ چینی کی ہے، اور اس کو رد کیا ہے اور جمہور اہلِ حدیث بھی اس کے مخالف ہیں،

اس مسئلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے، جس کو امام مالکؒ اور اُن کے اصحاب نے اختیار کیا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ ائمہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اس کے موافق ہوں (امام مالکؒ اسی کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ ہم لوگوں کو اس میں مختلف نہ پائیں، (امام مالک اسی کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس پر اتفاق عام ہے) لیکن اگر ہم اس حدیث کی نسبت ائمہ صحابہ کا قول نہ پائیں، اور اس میں لوگوں کا اختلاف پایا جائے تو اس کو رد کر دیں گے، غرض ان کے نزدیک تحقیقِ حدیث کا اصول یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اس پر عمل کریں اور ان کو اس پر اتفاق ہو، امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کے عمل اور

مدینہ کے اتفاق کو اس قدر اہمیت دی ہے، جس نے ان کے اعتبار کے ساتھ اعتماد حدیث کے وسائل میں ایک اور وسیلے کا اضافہ کر دیا ہے، اور امام شافعیؒ نے اس مذہب کی اصل اور اس کی تطبیق دونوں پر نہایت تفصیل کے ساتھ تنقید کی ہے، میں اس موقع پر اپنے دور بلکہ تمام ملکوں کے فقہاء کے سردار لیث بن سعد فقیہ مصر کا ایک خط درج کرنا چاہتا ہوں جس کو انھوں نے اپنے بھائی مالک بن انس کے نام لکھا ہے، اور یہ اہلِ مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی حیثیت سے ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کی تفصیل کی ہے، یہ خط ایک خط کا جواب ہے، جس کو امام مالک نے ان کے نام لکھا ہے، لیکن ہم اس خط سے واقف نہ ہو سکے البتہ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف ابن القیم الجوزی کی کتاب اعلام الموقعین میں ہم کو اس کا جواب ملا ہے، جس کو انھوں نے ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی کی کتاب التاریخ والمعرفۃ سے نقل کیا ہے،

امام لیث رحمۃ اللہ فرماتے ہیں،

"سلام علیک، میں تمھاری طرف اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں اس کے بعد خدا ہم کو اور تم کو معاف کرے اور دنیا و آخرت میں ہماری عافیت کو بہتر بنائے مجھے تمھارا وہ خط ملا جس میں تم نے اپنی حالت کی بہتری کا جو مجھے مسرور کرتی ہے، ذکر کیا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو تمھارے لئے ہمیشہ قائم رکھے، اور اپنی شکر پر مدد کرنے کے ساتھ اس کو پورا کرے، اور اپنے احسان کو اور بڑھائے، اور میں نے جو خطوط تم کو بھیجے ہیں اُن پر نظر کرنے اور ان کے قائم رکھنے، اور ان پر اپنی مہر لگانے کا تم نے تذکرہ کیا ہے، یہ خطوط ہم کو ملے، اور خداوند تعالیٰ تم کو اس کی جزائے خیر دے کیونکہ تمھارے یہ خطوط ہم کو ملے، تو میں نے یہ پسند کیا کہ جس نظر سے تم ان کو دیکھتے ہو

میں بھی اس کی حقیقت کو پہونچوں، تم نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے اس خط میں جو کچھ لکھا ہے یعنی اس چیز کی اصلاح سے جو میرے پاس تمھارے پاس سے آئی تا ابتدائے نصیحت۔ اس نے تم کو خوش کیا، اور مجھے توقع ہے کہ میرے پاس اس کی جگہ ہو، لیکن گذشتہ زمانے میں اس سے تم کو صرف اس بات نے روکا کہ تمھاری رائے ہماری نسبت اچھی تھی' لیکن میں نے اس طرح تم سے گفتگو نہیں کی،

تمکو معلوم ہوا ہے کہ میں ایسے فتاوی دیتا ہوں جو تمھارے یہاں کی عام جماعت کے مخالف ہیں، اور مجھ کو اپنی ذات کی نسبت خوف کرنا لازمی ہے، کیونکہ تم نے جس چیز کا فتویٰ دیا ہے، اس پر مجھ سے پہلے کے لوگ اعتماد کرتے ہیں، اور تمام لوگ اہل مدینہ کے جس کی طرف ہجرت کی گئی، اور وہاں قرآن نازل ہوا، تبع ہیں، تم نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا وہ انشاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے، اور مجھ پر اس نے وہی اثر کیا، جس کو تم چاہتے ہو، میں کسی اہلِ علم کو اپنے سے زیادہ شواذ فتاوے کا مکروہ سمجھنے والا، گذشتہ علمائے اہلِ مدینہ کو سب سے زیادہ فضیلت دینے والا اور اُن کے متفق علیہ فتاوے کا قبول کرنے والا نہیں پاتا، والحمد للہ رب العٰلمین الذی لا شریک لہ تم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام فرمایا، اور آپ پر وہاں صحابہ کے سامنے قرآن نازل ہوا، اور خداوند تعالیٰ نے ان کو قرآن کی تعلیم دی، اور لوگ اس میں ان کے متبع ہو گئے، تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے، لیکن تم نے جو خداوند تعالیٰ کے اس قول کا ذکر کیا ہے،

وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ	اور مہاجرین اور انصار میں سے سابقین
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ	اوّلین اور ان لوگوں سے جنھوں نے

باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابداً ذالک الفوز العظیم، (توبہ-۱۳)

نیکی کے ساتھ ان کا اتباع کیا، خداوند تعالیٰ راضی ہوا اور وہ لوگ ان سے راضی ہوئے، اور خداوند تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے لوگ خداوند تعالیٰ کی مرضی کی جستجو میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے نکلے، چھاؤنیاں قائم کیں، اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے، تو ان کے سامنے انھوں نے خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت کو ظاہر کیا، اور جو کچھ وہ جانتے تھے، ان میں سے کسی چیز کو نہیں چھپایا، اور ان کی ہر چھاؤنی میں ایک گروہ تھا جو خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت کی تعلیم دیتا تھا، اور جن مسائل کی نسبت قرآن وسنت نے کوئی تفسیر نہیں کی تھی، اپنی رائے سے اجتہاد کرتا تھا، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے جن کو مسلمانوں نے انتخاب کیا تھا، اس کی ابتدا کی تھی، اور تینوں مسلمانوں کی چھاؤنیاں کے نہ تو برباد کرنے والے تھے، نہ ان سے غافل تھے، بلکہ اقامت دین اور خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت سے اختلاف کرنے کے خوف کے متعلق ان کو ذرا ذرا سی بات لکھتے رہتے تھے، اس لئے انھوں نے ہر اس بات کی جس کی قرآن نے تفسیر کی ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا ہے، یا آپ کے بعد انھوں نے اس پر اتفاق کیا ہے، ان کو تعلیم دی تو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر، شام اور عراق میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے عہد میں عمل کیا ہو، اور

ان کی وفات تک اس پر قائم رہے ہوں، اور ان لوگوں نے اس کے خلاف انکو کوئی حکم نہ دیا ہو تو ہمارے نزدیک مسلمان کی چھاونیوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا نیا معاملہ پیدا کریں جن پر اُن کے اسلاف یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے تابعین نے عمل نہ کیا ہو، باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو فتاوے میں بہت سی چیزوں کے متعلق اختلاف کیا اور اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم اس سے واقف ہو، تو میں ان کو تمہارے پاس لکھ بھیجتا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین میں سعید ابن المسیب، اور اُن کے ہم مثل لوگوں نے بہت سی چیزوں کے متعلق سخت اختلاف کیا، پھر جو لوگ اُن کے بعد پیدا ہوئے، انھوں نے بھی اختلاف کیا تو میں مدینہ وغیرہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت ان کے سرخیل ابن شہاب اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمان تھے، اور بعض گذشتہ مسائل کے متعلق ربیعہ کو جو اختلاف تھا، اس کو تم جانتے ہو، اور میں حاضر ہوا، اور ان کے بارے میں تمہارا اور مدینہ کے اہل الرائے یعنی یحیٰی بن سعید، عبید اللہ بن عمر، اور کثیر بن فرقد اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کا جو ان سے زیادہ سن رسیدہ تھے، قول سنا؛ یہانتک کہ تمکو اُسکی ناپسندیدگی نے ان کی مجلس کے چھوڑنے پر مجبور کر دیا، میں نے تم سے اور عبد العزیز بن عبد اللہ سے بعض اُن نکتہ چینیوں کی نسبت جو تم نے ربیعہ پر کی تھیں گفتگو بھی کی، تو مجھ کو جو کچھ اعتراض تھا، تم دونوں بھی اس سے متفق تھے، اور میں اُن کی جس چیز کو ناپسند کرتا تھا، تم دونوں بھی اس کو ناپسند کرتے تھے لیکن الحمد للہ کہ بایںہمہ ربیعہ کے پاس بہت سی بھلائی راسخ عقل، بلیغ زبان، کھلی ہوئی فضیلت، اسلام میں اچھا راستہ اور اپنے بھائیوں سے عموماً اور ہم سے خصوصاً سچی دوستی موجود ہے، خداوند تعالیٰ اُن پر رحم کرے،

Marfat.com

اور اُن کو بخشے اور ان کے عمل سے بہتر اُن کو جزا دے،

اور جب ہم ابن شہاب سے ملتے تھے، تو وہ بہت سے اختلافات ظاہر کرتے تھے اور جب ہم میں سے کوئی ان سے خط وکتابت کیا کرتا تھا، تو وہ باوجود اپنے علم اور اپنی رائے کی فضیلت کے اس کو ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح سے لکھتے تھے، جن میں بعض باتیں بعض کی مناقض ہوتی تھیں، اور ان کو اس کے متعلق اپنی گذشتہ رائے کا احساس نہیں ہوتا تھا، تو جس چیز کے چھوڑنے پر تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو، اُسی نے مجھ کو اسکے چھوڑنے پر آمادہ کیا، تم نے مجھ پر یہ اعتراض بھی کیا ہے، کہ میں نے ان کے اس مسئلہ پر کہ بارش کی رات میں مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں سے کوئی "نمازوں کو جمع کرے،" نکتہ چینی کی ہے، حالانکہ شام کی بارش مدینہ کی بارش سے اس قدر زیادہ ہے کہ خدا ہی اس کا حال جانتا ہے، لیکن ان میں کسی امام نے بارش کی رات میں "نمازوں کو جمع نہیں کیا حالانکہ ان میں ابو عبیدہؓ بن الجراح، خالد بن الولیدؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، عمرؓ بن العاص اور معاذ بن جبلؓ موجود تھے، اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں، اور اور معاذ قیامت کے دن علما کے پیش پیش ایک قدم آگے آئیں گے، اور شرجیل بن حسنہؓ، ابو الدرداءؓ، اور بلال بن رباحؓ شام میں تھے اور ابو ذرؓ، زبیرؓ بن العوام اور سعد بن ابی وقاصؓ مصر میں تھے، اور حمص میں ستر اہل بدر اور مسلمانوں کی کل چھاؤنیوں میں تھے، اور عراق میں ابن مسعودؓ، حذیفہؓ بن الیمان اور عمران بن حصینؓ تھے، اور امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ برسوں وہاں رہے تھے، اور ان کے ساتھ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، لیکن ان لوگوں نے کبھی مغرب اور عشاء کی نماز کو

Marfat.com

جمع نہیں کیا، اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم سے فیصلہ کرنا ہے، اور تم کو معلوم ہے کہ مدینہ میں ہمیشہ اس طرح فیصلہ ہوتا رہا، لیکن شام حمص، مصر اور عراق میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس طرح فیصلہ کیا، اور نہ ان کو خلفائے راشدین یعنی ابوبکرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے اس کے متعلق لکھا، اس کے بعد عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے اور سنت کے زندہ اور دین کی اقامت میں جدوجہد کرنے اور رائے اور علم کی اصابت میں جیسا کہ تم کو معلوم ہے سلف کے طریقہ پر کاربند ہوئے، لیکن ان کو زریق بن الحکم نے لکھا کہ آپ مدینہ میں ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم لے کر فیصلہ کرتے تھے، تو انھوں نے ان کو لکھا کہ ہم مدینہ میں اس طرح فیصلہ کرتے تھے لیکن ہم نے اہل شام کو اس کے مخالف پایا تو تم بجز دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ کرو، انھوں نے بارش کی رات میں مغرب اور عشاء کی نماز کبھی جمع نہیں کی، حالانکہ خناصرہ میں وہ جس مکان میں مقیم تھے، خود ان کے اوپر پانی ٹپکتا تھا،

ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہل مدینہ عورتوں کے متعلق یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جب وہ اپنا مہر معجل طلب کرے اس کو دینا چاہئے، لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے لوگوں نے کسی عورت کو اس کے مہر معجل کے دلوانے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا، جب تک کہ موت یا طلاق میاں بی بی کے درمیان جدائی نہ کر دے، اور اس کے بعد وہ اپنا حق لینا چاہے،

ان مسائل میں ایک مسئلہ ایلا کا ہے[1] کہ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ چار مہینے کے

---

[1] ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص قسم کھالے کہ میری بی بی مجھ پر حرام ہے،

Marfat.com

گذر جانے کے بعد بھی جب تک کہ شوہر مدت کی تحدید نہ کردے طلاق نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے جن سے مہینوں کے بعد یہ تحدید مروی ہے۔ یہ روایت کی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس ایلاء کا ذکر کیا ہے وہ مدت مقررہ کے آجانے کے بعد قسم کھانے والے کے لئے بجز اس صورت کے جائز نہیں ہے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق رجوع کرلے یا طلاق دیدے۔ اور تم لوگ کہتے ہو کہ اگر چار مہینوں کے بعد جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر کیا ہے، اگر وہ ٹھہر گیا، اور تحدید نہیں کی تو اس پر طلاق نہ ہوگی، حالانکہ عثمان بن عفانؓ، زید بن ثابتؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہم کو یہ روایت پہونچی ہے کہ ایلاء کے بارے میں ان کا یہ قول ہے کہ چار مہینے گذر جائیں تو وہ بائن طلاق ہو جاتی ہے، اور سعید بن المسیب، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور ابن شہاب کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گذر جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگی اور قسم کھانے والا عدت کے زمانے میں رجوع کر سکتا ہے،

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی عورت کو طلاق لینے یا اپنے پاس رہنے کا اختیار دیدیا اور اس نے طلاق نہیں لی بلکہ اپنے شوہر ہی کو اختیار کرلیا تو اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دیدی تو بھی ایک ہی طلاق ہوگی، عبدالملک بن مروان نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اور ربیعہ بن عبدالرحمان بھی اسی کے قائل تھے، لیکن تقریباً اور تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کرلیا تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر ایک یا دو طلاق لے لی تو اس پر شوہر کو رجعت

Marfat.com

کرنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر اس نے تین طلاق لے لی تو وہ بائن ہو جائے گی، اور جب تک دوسرا شخص اس سے نکاح کرکے اس سے مباشرت کرنے کے بعد مر جائے یا طلاق نہ دیدے وہ اس کے لئے جائز نہیں ہو سکتی، البتہ اگر وہ اسی مجلس میں اس کی تردید کردے اور کہے کہ میں نے تجھ کو صرف ایک طلاق کا اختیار دیا ہے، تو اس سے قسم لے لی جائے گی، اور اس کو اس کی عدت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے ایک لونڈی کا نکاح کر دیا، پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو یہ خریدنا بمنزلہ تین طلاق کے ہوگا، اور ربیعہ کا بھی یہی قول تھا، اور اگر ایک آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کرکے پھر اس کو خرید لے تو اس کا بھی یہی حکم ہے،

ہمارے پاس تم لوگوں کے کچھ ناپسندیدہ فتاوے پہنچے اور ان میں بعض کے متعلق میں نے تم کو لکھا لیکن تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا، اس لئے مجھ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ تم نے اس کو گوارا نہیں کیا، اس لئے میں جس چیز کو ناپسند کرتا تھا اور تمہاری رائے پر میں نے جو اعتراضات کئے تھے، ان کے متعلق خط و کتابت سے باز رہا، مثلاً مجھ کو معلوم ہوا کہ تم نے زفر بن عاصم الہلالی کو حکم دیا کہ جب وہ استسقاء کی نماز پڑھنا چاہے، تو خطبہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لیا کرے لیکن میں نے اس کو ایک بڑی بات خیال کیا، کیونکہ خطبہ اور استسقاء بالکل جمعہ کی صورت رکھتے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ امام جب خطبہ ختم کرنے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر لپیٹ لے، پھر منبر سے اتر کر نماز پڑھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابوبکر بن حزمؒ وغیرہ نے استسقاء کی نماز پڑھی ہے اور ان سب نے خطبہ اور دعا کو نماز پر مقدم کیا ہے، اسی بنا پر تمام لوگوں نے زفر بن عاصم کے عمل کو ناپسند کیا،

Marfat.com

ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی	لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدے کہ
فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا	وہ نجاست ہے، اسلئے حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے
تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن	مجامعت نہ کرو، یہانتک کہ وہ پاک ہو جائیں پس جب وہ پاک
فأتوھن من حیث امرکم اللہ	ہو جائیں تو خدانے جہاں تم کو حکم دیا ہے، وہاں سے ان کے
ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین	ساتھ مباشرت کرو، خدا توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں
یسألونک عن الشھر الحرام قتال	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا شہر حرام میں
فیہ قل قتال فیہ کبیر الآیۃ	جنگ ہو کہدے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے
یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی	لوگ تجھ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہدے کہ خدا تمکو
الکلالۃ،	کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے،

اس قسم کی اور بہت سی فقہی آیتیں ہیں جو سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں لیکن وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے، اُن کی تعداد بہت کم ہے، بلکہ ہمکو کوئی ایسا حکم نظر نہیں آتا، جس کے متعلق مفسرین نے کوئی ایسا واقعہ نہ بیان کیا ہو، جس کے بعد وہ نازل ہوا ہے،

مکی اور مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزولِ قرآن کے دو زمانے ہیں، ایک ہجرت سے پہلے، اور دوسرا ہجرت کے بعد، ان میں مکی اور مدنی آیتوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں، جن کے معلوم ہو جانے کے بعد ان میں باہم امتیاز ہو سکتا ہے،

(۱) آیات مکی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً نہایت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں، اس کے بخلاف مدنی آیتیں عموماً طویل ہوتی ہیں مثلاً مدنی سورتیں قرآن مجید کے ۱۱/۳۰ حصے سے کچھ ہی زائد ہیں

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تمہارا یہ قول ہے کہ اگر دو شخص کسی مال میں شریک ہوں تو جب تک کہ دونوں کا حصہ الگ ہونے کے بعد یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حصہ پر صدقہ واجب ہے، حالت شرکت میں ان دونوں پر صدقہ واجب نہیں ہے، حالانکہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے، اور وہ دونوں برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، اور تم سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کی خلافت میں اس پر عمل کیا جاتا تھا اور ہم سے یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے بیان کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماء میں کم رتبہ نہ تھے، خداوند تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشے اور جنت میں ان کو جگہ دے۔

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تم کہتے ہو کہ جب ایک شخص دیوالیہ ہو جائے اور اس کے ہاتھ کوئی آدمی کوئی اسباب فروخت کر چکا ہو اور وہ اس کی قیمت کا ایک حصہ لے چکا ہو یا مشتری اس اسباب کا کوئی حصہ صرف کر چکا ہو تو وہ اپنے اسباب کا جو حصہ بھی پائے اس کو لے سکتا ہے، لیکن لوگوں کا معمول یہ تھا کہ بائع جب اس کی قیمت کا ایک جزو لے چکا یا مشتری نے اس کا ایک حصہ صرف کر دیا تو وہ اسباب بعینہ وہ نہیں رہا جس کو بائع نے فروخت کیا تھا۔

اسی طرح تم یہ بیان کرتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا، اور تمام لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کا چار حصہ دیا، اور تیسرے گھوڑے کا حصہ نہیں دیا اور تمام امت یعنی اہل شام، اہل مصر، اہل عراق، اور اہل افریقیہ کا اس حدیث پر اتفاق عام ہے اور اس میں دو شخص بھی مختلف نہیں ہیں، اس لئے تمہارے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ تم نے

اس کو کسی پسندیدہ شخص سے بھی سنا ہو کہ تمام امت کی مخالفت کرو۔

میں نے اس قسم کی بہت سی چیزیں چھوڑ دی ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تم کو توفیق دے، اور تم کو دیر تک زندہ رکھے کیونکہ مجھے اس میں لوگوں کے فائدے کی امید ہے اور تم جیسا شخص گذر جائے تو مجھے نقصان کا خوف ہے، اس کے ساتھ میں تم سے باوجود دوری مکان کے انس رکھتا ہوں، غرض میرے نزدیک تمہارا یہ درجہ اور تمہاری نسبت میری یہ رائے ہے تو اس کو یقین کر رکھو اور اپنے لڑکے اور اپنی بی بی کی حالت اور خود اپنی یا اپنے کسی متعلق کی ضرورت سے بذریعہ خط کے اطلاع دینے سے دریغ نہ کرو، کیونکہ میں اس سے خوش ہونگا، میں نے حالت صحت و عافیت میں تم کو یہ خط لکھا ہے۔ جس پر خدا کا شکر ہے، ہمارا سوال ہے کہ ہم کو اور تم کو نعمت کے شکر کی جو خدا نے ہم کو دی ہے، اور احسان کے شکر کی جو ہم پر کیا ہے، توفیق دے، والسلام علیک ورحمۃ اللہ"

ہم نے اس خط کو پورا اس لئے نقل کر دیا ہے کہ تمہارے سامنے ادبی تنقید کی بہترین مثال رکھدیں کیونکہ اختلاف کے بارے میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طرزِ ادا ہم کو نظر نہیں آتا، ممکن ہے کہ ہمارے آبا میں ہمارے لئے بہترین نمونہ و مثال ہو لیکن شیعہ لوگ اسی وقت حدیث پر اعتبار کرتے تھے، جب اس کی روایت ان کے ائمہ یا ان کے ہم مذہب لوگوں کے طریقہ سے کی جائے، اس کے علاوہ وہ اور حدیثوں کو چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ جو شخص علی سے محبت نہیں رکھتا وہ اس اعتبار کا مستحق نہیں، اسی طرح خوارج نے حدیث کو صرف ان صحابہ تک محدود رکھا جن سے وہ محبت رکھتے تھے، اس بنا پر ان کے نزدیک وہی حدیثیں مستند ہیں جن کی روایت فتنہ یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی سے پیشتر کی گئی، لیکن اس فتنہ کے بعد چونکہ ان کے خیال کے مطابق جمہورِ امت

عالم امارون کی پیروی کر لی، اس لئے ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا، ان کے دشمن ہوگئے اور وہ ان کے اعتماد کے قابل نہیں رہے، لیکن جمہور اہل حدیث کی رائے جن کے سرخیل امام شافعی رحمہ اللہ ہیں یہ ہے کہ راوی گو صرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابل اعتماد ہو سکتی ہے، جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے، اس کے علاوہ انھوں نے اور شرائط کا بالکل لحاظ نہیں کیا اور اسی بنا پر مروی حدیث کی قدر وقیمت کے اندازہ لگانے میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا، مثلاً ایک حدیث کی شہرت کی بنا پر حنفی اس پر عمل کرتا ہے، اور اس کی سند میں ضعف ہونے کی وجہ سے شافعی اُسکو چھوڑ دیتا ہے، مالکی ایک حدیث کو اس لئے ترک کرتا ہے کہ عمل اس کے خلاف ہوا ہے لیکن اس کی قوتِ سند کی بنا پر شافعی اس پر عمل کرتا ہے، لیکن جب شرّاح، حامیان اور نکتہ چینان مذاہب کا گروہ پیدا ہوا تو انھوں نے ان اصول کی طرف جن کو اُن کے ائمہ نے اختیار کیا تھا، توجہ نہیں کی، اور اپنے مخالفین پر ہر صحیح السند حدیث کی مخالفت کا گو وہ ان شرائط کی جامع نہ ہو جن کو اس شخص نے شرط قرار دیا ہے جس پر وہ نکتہ چینی کر رہے ہیں الزام دینے لگے، اسی طرح وہ لوگ ہر اس حدیث کو جس کو اس کے امام نے قبول نہیں کیا ہے، اس کی سند پر نکتہ چینی کر کے یا اور کسی دوسرے ماخذ کے ذریعے سے ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ کہدینا آسان تھا کہ امام نے اس حدیث کو اس لئے نہیں قبول کیا کہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے اس نے جس شرط کو اپنا اصول قرار دیا ہے وہ اس حدیث میں موجود نہ تھی اور اس قسم کی بہت سی مثالیں عنقریب تمہارے سامنے آئیں گی،

دوسری نزاع،

Marfat.com

(۲) قیاس، رائے اور استحسان

کے بارے میں پیدا ہوئی۔

صحابہؓ اور تابعینؒ جب کتاب وسنت میں کوئی نص نہیں پاتے تھے، تو مجبوراً رائے کی طرف مائل ہوتے تھے، اور جیسا کہ ان کے فتاوے سے ظاہر ہوتا ہے رائے کی حقیقت یہ ہے کہ دین کے قواعدِ عامہ کی بنا پر کوئی حکم دیا جائے۔ مثلاً رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ

لا ضرر ولا ضرار — نہ نقصان اٹھاتا ہے، نہ نقصان پہونچاتا ہے

دع ما یریبک الی ما لا یریبک — جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو شبہ میں نہ ڈالے۔

لیکن وہ کسی اصل معین کا جس کے محلِ وقوع کے ساتھ اس واقعہ کو تشبیہ دیں جس کے متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہیں لحاظ نہیں کرتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کے خلاف یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کے پڑوسی کی نہر ان کی زمین میں ہو کر گذر سکتی ہے، کیونکہ یہ اس کے لئے مفید ہے، اور محمد کے لئے مضر نہیں تو غالباً یہ فتویٰ اس عام اصل کی بنا پر ہے کہ مفید چیز مباح اور مضر چیز ممنوع ہے، لیکن انھوں نے کسی اصل معین پر قیاس کر کے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا، اور فقہاء کی اصطلاح میں اسی کو مصالح مرسلہ کہتے ہیں، یعنی کوئی اصل معین جس کی تائید نہ کرتی ہو، لیکن اگر اس رائے کو زیادہ وسعت دیدی جائے تو اس سے نقصان پہونچ سکتا ہے کیونکہ اس سے بہت سی حدیثیں بالخصوص جبکہ اس رائے کا اختیار کرنے والا احادیث کا بہت زیادہ ماہر نہ ہو چھوٹ سکتی ہیں، اور ایک فقیہ کے لئے جو کسی شہر میں پیدا ہوا ہو، یہ آسان نہیں ہے کہ ان تمام حدیثوں سے واقف ہو جو ان علماء کے پاس

Marfat.com

تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے اگر وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو زیادہ تر رائے سے فتوے دیتے ہیں، اس حدیث کے مخالف فتویٰ دینے سے محفوظ نہیں رہ سکتا جو اس کو نہ ہو لیکن اس کے علاوہ دوسرے کو یاد ہو، فقہا رتے اس خطرے کو محسوس کر کے رائے کے دائرے کو تنگ کرنا چاہا، چنانچہ انھوں نے یہ شرط لگا دی کہ جو شخص رائے کے ذریعہ سے استنباطِ مسائل کرتا ہے اس کے لئے ایک اصل معین ہونی چاہئے جس کی طرف وہ اپنے فتوے میں رجوع کرے اور وہ اصل معین صرف قرآن وحدیث ہے، اور یہی وہ قیاس ہے جس کو ان لوگوں نے کتاب وسنت کے بعد اصولِ فقہ میں سے ایک اصل قرار دیا ہے، اگرچہ فقہائے عراق نے اس میں زیادہ امتیاز حاصل کیا ہے، لیکن وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک دوسرا اصول اختیار کرتے ہیں جس کا نام انھوں نے استحسان رکھا ہے، مثلاً محمد بن حسن مبسوط میں جو اکثر یہ کہتے ہیں کہ میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں" تو یہ استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف جو مقتضائے قیاس کے مخالف ہو یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، پہلے اسی کو رائے کہتے تھے، اور ہم اس موقع پر ناظرین کے سامنے وہ معیار قائم کر دینا چاہتے ہیں، جس سے اہل حدیث اور اہل الرائے کے مقامات باہم ممتاز ہو جائیں۔

اہل حدیث نے دو حیثیتوں سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھا ہے، ایک تو یہ کہ وہ قرآن مجید کی تکمیل کرتی ہیں، دوسرے یہ کہ شارعِ اسلامؐ نے متبعینِ اسلام کے لئے ان کی اطاعت اس حیثیت سے لازمی کی ہے کہ اس کی تشریع میں نہ تو علل واسباب کا لحاظ رکھا ہے، نہ ایسے اصول عامہ قائم کئے ہیں جنکی طرف مجتہد رجوع کر سکے، اور نہ مختلف ابواب کے لئے اصولِ خاصہ مقرر کئے ہیں، اس بنا پر یہ لوگ صرف لفظ کے مقلد ہیں اور

یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش ہو جاتے ہیں، اور فتوے نہیں
لیکن اہل رائے اور اہل قیاس شریعت کو عقلی وجوہ پر مبنی سمجھتے ہیں، ان کو اس میں
اصول نظر آتے ہیں، جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، اور حدیث نے ان کی تائید کی ہے، اسی طرح
ان کے نزدیک ابواب فقہ میں ہر باب کیلئے ایسے اصول ہیں، جن کو انھوں نے کتاب
وسنت سے اخذ کیا ہے، اور اس باب کے جتنے مسائل پیش آتے ہیں، گو ان میں کوئی نص
نہ ہو لیکن ان کو اسی اصول کی طرف لے جاتے ہیں، اگرچہ وہ حدیث کی صحت پر اعتماد کر لیتے
ہیں، اس کی نسبت وہ بھی اہلحدیث کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں، لیکن اپنے اصول کے
بھروسے اور اس گذشتہ رائے کی بنا پر جو انھوں نے حدیث کے بارے میں قائم کی
وہ لوگ بہت زیادہ حدیث کی روایت نہیں کرتے، لیکن جب ان کے نزدیک ایسی صحیح
حدیث ثابت ہو جاتی ہے جو ان اصول کے مخالف ہے، تو وہ لوگ اس پر عمل کرنے میں
دریغ نہیں کرتے اور اس وقت اس کا نام استحسان رکھتے ہیں، اور کبھی اس باب کے
اصل معین پر قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس کو بھی استحسان
کہتے ہیں، جو فقہار قیاس کے قائل ہیں۔ اور زیادہ تر تعداد انہی لوگوں کی ہے، انھوں
جو مسائل استنباط کئے ہیں، ان سے جو شخص واقف ہے، اس کو معلوم ہے کہ اگرچہ صرف
امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب خصوصیت کے ساتھ استحسان کا لفظ بولتے ہیں، لیکن استحسان
کے معنی میں اور فقہار بھی ان کے شریک ہیں، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے مصالح مرسلہ
کے ذریعہ سے تشریع مسائل کی ہے، اور وہ استحسان ہی کی ایک قسم ہیں، اور مذاہب مختلفہ
میں تمہارے سامنے بہت سے مسائل آئیں گے جن کی بنیاد بھی استحسان ہے۔

ان قیاس اور استحسان کرنے والوں کے لئے سلف صالحین میں فقہ کے دور اول میں

Marfat.com

کبار صحابہؓ میں حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ، دور ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں ربیعہ اور ابراہیم نخعی کے نمونے بھی موجود ہیں،

اس دور میں اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک ایسی سخت نزاع قائم ہوئی جو ایک حیثیت سے قیاس واستحسان دونوں کے ماننے والوں کو شامل ہے، اور دوسری حیثیت سے اہل قیاس اور اہلِ استحسان کے درمیان بھی قائم ہے، متکلمین اور اہلحدیث میں اگرچہ باہم عداوت تھی، لیکن اس جنگ میں وہ بھی اہلحدیث کے حلیف بن گئے، کیونکہ تشریع مسائل کے متعلق اہلحدیث کا خیال تو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اور متکلمین بھی شریعت کو محض ایک تعبدی یعنی تقلیدی چیز سمجھتے ہیں، جس میں نظر وقیاس کی گنجائش نہیں، بلکہ شارع سے جو کچھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوجائے، اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا، اسی بنا پر شریعت کے تعبدی ہونے میں وہ اہلحدیث سے متفق ہیں، البتہ ان سے ان کو یہ اختلاف ہے، کہ وہ سنت کو کوئی تشریعی اصل نہیں تسلیم کرتے۔

ہر فریق نے اپنی اپنی دلیل پیش کرنا شروع کی اور اس سلسلے میں ہم کو اہلحدیث اور متکلمین کی بہت سی عبارتیں نظر آتی ہیں، جن کے ذریعہ سے انھوں نے رائے کی ہنسی اڑائی ہے، لیکن دونوں فریق کے قالب میں ایک ہی روح اس کی محرک نہیں ہے، بلکہ اہلحدیث کے نزدیک شریعت کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اہل الرائے کی اپنی جولانگاہ بنے، کیونکہ شریعت عام اس سے کہ وہ قرآن ہو یا حدیث خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جو چیز ایسی ہوتی ہے، وہ غلطی اور اختلاف سے بہت دور ہوتی ہے، اور رائے کا تعلق انسان سے ہے جس میں صحت اور غلطی دونوں پیش آسکتی ہیں، اور اس وقت تفرق واختلاف رونما ہوگا جس کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے، لیکن متکلمین کے نزدیک شریعت نے

مختلف چیزوں کو جمع کیا ہے۔ اس لئے ان کے احکام میں اتحاد قائم کیا ہے، اور مشابہ
الگ الگ کیا ہے، اس لئے ان کے احکام بھی مختلف قرار دیئے ہیں، وہ اس قسم کے
احکام پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایسی چیز عقلی نظر کی جولانگاہ نہیں بن سکتی۔

قیاس کی حمایت اور اس کو حجت شرعی تسلیم کرنے کے متعلق ہم تک جو تحریریں
ہیں، اُن میں بہترین تحریر وہ ہے، جو ہم نے امام محمد بن ادریس کے رسالۂ اصول اور
الام میں پڑھی ہے، اور قیاس کی تردید میں ہم کو بہترین تحریر داؤد بن علی امام ظواہر کی نظر آتی
جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے، ظواہر نے ہر کتاب و سنت پر اپنے مذہب کی بنیاد
ڈالی اور قیاس کا بالکل انکار کر دیا، اگرچہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے
قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا، اور یہی وجہ ہے کہ صرف انھی لوگوں نے اصحاب الرائے
کے لقب سے شہرت حاصل کی، تاہم اس زمانے کے اکثر مشہور فقہاء اس معاملہ میں ان کے
ہم آہنگ ہیں، لیکن امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ اور کتاب الام کے ساتویں حصہ میں استحسان
پر نہایت سخت حملہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا، اُس کا خلاصہ یہ ہے

"جو شخص حاکم یا مفتی ہونے کی قابلیت رکھتا ہے، وہ صرف خیر لازم یعنی کتاب، اس کے
بعد سنت یا اہل علم کے متفقہ قول، یا ان میں کسی پر قیاس کے ذریعہ سے فیصلہ کر سکتا
ہے یا فتوے دے سکتا ہے، لیکن اس کے لئے استحسان کے ذریعہ سے فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں
ہے اور کیونکہ استحسان واجب نہیں ہے، ان معانی میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، خداوند تعالیٰ کہتا ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔	کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مطلق العنان چھوڑ دیا جائیگا۔

اور جیسا تم کو معلوم ہے جو لوگ قرآن کا علم رکھتے ہیں، اُن کو اس میں اختلاف

نہیں ہے کہ "سدی" وہ چیز ہے جس کو نہ کوئی حکم دیا گیا ہے، اور نہ کوئی ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن جس شخص نے ایسی چیز کے ذریعہ سے یہ فتویٰ دیا یا فیصلہ کیا جس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تو اس نے اپنے لئے یہ جائز رکھا کہ وہ "سُدی" کے معنی میں داخل ہو، حالانکہ خدا نے اس کو بتا دیا ہے کہ اس نے اس کو مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کہتا ہوں اور ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے خلاف قرآن نازل ہوا ہے۔ اور اس کے مخالف حدیثیں آئی ہیں، تو اس نے پیغمبروں کی روش اور اس جماعت کے عام حکم کی مخالفت کی جس سے روایت کی گئی ہے۔"

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ

جس شخص نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ اس کے رسول کے حکم سے، تو اس نے خدا اور اس کے رسولؐ کے قول کو قبول نہیں کیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی جستجو خدا اور اس کے رسول کے حکم سے نہیں کی اور جس شخص نے ایسا کہا اس کے قول کی غلطی ظاہر ہے کیونکہ اس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں نہ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ اس کی ممانعت کی گئی ہے، اور جس چیز کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے، اور ممانعت کی گئی ہے، میرا قول و عمل اس نمونے پر نہیں ہے، حالانکہ خدا نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا ہے، اور کسی کو بغیر اطاعت قبول کرنے کے نہیں چھوڑا ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ

جس شخص نے بغیر خبر لازم کے یا بغیر اس پر قیاس کرنے کے فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا جائز رکھا تو اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اس کے اس قول کا مفہوم کہ "میں

جو کچھ چاہتا ہوں کرتا ہوں" گو مجھ کو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے" کتاب و سنت کے مفہوم کے مخالف ہے، اس لئے اسی مفہوم کی زبان سے اس پر اعتراض وارد ہوگا۔ اور نیز یہ کہ اس کے مخالف ہے کہ "نہیں اس معاملہ میں کسی مخالف کو نہیں جانتا، تو اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے؟ تو کہا جائے گا کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جس نے کسی صاحب عقل او. آداب کو یہ اجازت دی ہو کہ وہ خود اپنی رائے سے فتویٰ دے اور فیصلہ کرے جب تک کہ وہ اس چیز کا عالم نہ ہو، جس پر مشتبہ کی تفصیل کے لئے قیاس کا معاملہ موقوف ہے۔ یعنی کتاب، سنت، اجماع اور عقل تو جب ان کا یہ خیال ہے، تو ان سے یہ کہا جائے گا، کہ ان اہل عقول کے لئے جن کی عقلیں قرآن و سنت اور فتوے کے علما سے فائق ہیں، یہ کیوں نہیں جائز ہے، کہ ان کے جانے ہوئے مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ یہ کہدیں کہ اس کے بارے میں نہ کتاب ہے، نہ حدیث ہے نہ اجماع ہے، حالانکہ تمھارے عام لوگوں سے ان کی عقلیں زیادہ ہیں، اور وہ اپنے قول کو تمھارے عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر واضح کر سکتے ہیں تو اگر تم کہو کہ ان کو اصول کا علم نہیں ہے۔ تو تم سے کہا جائے گا کہ جب تم بلا اصل کہتے ہو اور کسی اصل پر قیاس نہیں کرتے تو تمھارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تم اصول کو جانتے ہو جن لوگوں کی عقلیں اصول سے ناواقف ہیں، ان کی نسبت کیا تم کو یہ خوف زیادہ ہے کہ وہ چونکہ اصول کو نہیں جانتے، اس لئے جس چیز سے ناواقف ہیں، اس پر ٹھیک طریقہ سے قیاس نہیں کر سکتے؟ اور کیا تمھارے اصول کے علم نے تم کو اس پر قیاس کرنا سکھایا ہے، تمھارے لئے ان اصول کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے؟ تو جب تمھارے لئے ان اصول کا چھوڑ دینا جائز ہے تو وہ بھی تمھارے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں کیونکہ زیادہ سو

Marfat.com

لیکن ان کی آیات کی تعداد ۲۵۴۶ ہے یعنی وہ اس کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ ہی زائد ہیں، اس کی سب سے قریبی مثال "قد سمع اللہ" کا سیپارہ ہے جو کل کا کل مدنی ہے، اور اسکی آیتوں کی تعداد ۱۳۷ ہے، اس کے بخلاف تبارک الذی اور عم کے سیپارے مکی ہیں اور ان میں پہلے پارہ کی آیتوں کی تعداد ۴۳۱ اور دوسرے کی ۵۷۰ ہے،

سورۂ انفال اور سورۂ شعرار کا بھی یہی حال ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کے ایک سیپارہ کا نصف حصہ ہیں، لیکن انفال جوکہ مدنی سورہ ہے اس کی آیتوں کی تعداد ۷۵، اور شعرا جو مکی سورہ ہے، اس کی آیتوں کی تعداد ۲۲۷ ہے،

لیکن یہ خصوصیت اگرچہ ایک غالب خصوصیت ہے تاہم اس کو عام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بعض مکی آیتوں میں بھی طول پایا جاتا ہے، اور اس قسم کی آیتیں زیادہ تر بڑی بڑی سورتوں میں پائی جاتی ہیں

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مدنی آیتوں میں عام طور پر لوگوں کو یا ایھا الذین آمنوا کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے، اور ان میں "یا ایھا الناس" کا لفظ بہت کم آتا ہے، اسکے برعکس مکی آیتوں میں "یا ایھا الناس" کا لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ہم کو مکی سورتوں میں یا ایھا الذین آمنوا، کا لفظ کہیں نہیں نظر آتا، البتہ مدنی سورتوں میں یا ایھا الناس کا لفظ سات بار آیا ہے، چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں،

(۱) یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (بقرہ)	لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو،
(۲) یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً (بقرہ - ۱۷)	لوگو زمین کی حلال چیزوں کو کھاؤ درآنحالیکہ وہ حلال وطیب ہوں،
(۳) یا ایھا الناس اتقوا ربکم ،	لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو،
ان یشأ یذھبکم ایھا الناس	اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے، اے لوگو!

Marfat.com

زیادہ ان کی نسبت یہ خوف ہے کہ وہ ان اصول پر قیاس کرنا چھوڑ دینگے یا غلطی کریں گے،
پھر اگر کسی شخص کی تعریف اس بنار پر کی جا سکتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے بلا نمونہ و مثال
کے کہتا ہے تو اگر ان لوگوں نے بو مثال کوئی بات کہی ہے تو میرے علم میں وہ تم سے
زیادہ اس صحت پر قابل تعریف ہیں کیونکہ ان لوگوں کو کوئی مثال معلوم نہیں ہوئی،
اس لئے ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا، اور وہ لوگ غلطی پر تم سے زیادہ معذور رہیں،
کیونکہ ان لوگوں نے ایسی چیز میں غلطی کی ہے جس کو وہ نہیں جانتے اور میں تم کو ان سے
زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں کیونکہ تم نے ان اصول پر جن سے تم ناواقف نہیں ہو۔ تو جب
تم یہ کہوگے، کہ ہم نے قیاس چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اصل سے ناواقف نہیں تھے
تو کہا جائے گا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کو جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی
اور اس میں ایسا گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہوتے تو اس کی قابلیت نہ رکھتے
کہ علم کے بارے میں کہو، اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہارے لئے قیاس کا چھوڑ دینا
اور ایسی بات کہنا جو تمہارے وہم اور تمہارے ذہن کے سامنے آئی ہو اور تمہارے
کانوں نے اس کو پسند کیا ہو جائز ہے تو ہم نے قرآن کا، اس کے بعد حدیث کا
اور اس چیز کا جس پر اجماع دلالت کرتا ہے، جو ذکر کیا ہے کسی کے لئے یہ جائز
نہیں کہ بغیر علم کے کچھ کہئے اس کی بنا پر تم کو الزام دیا جائے گا۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ،

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حاکم اور مفتی نے کسی مسئلہ میں جس میں کوئی نص نہ ہو
یہ کہا کہ میں استحسان کرتا ہوں تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دوسرے کے لئے یہ جائز
ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے، اس لئے شہر کا ہر حاکم اور مفتی اپنے استحسان کے

موافق ایک بات کہہ سکتا ہے، اس لئے ایک ہی چیز کے متعلق طرح طرح کے فیصلے اور فتوے دے جا سکتے ہیں تو اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا ہے جہاں چاہا فیصلہ کر دیا ہے گو وہ تنگ ہو اس لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں گھسیں، اور اگر ان میں جو شخص قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ "لوگوں پر میرے قول کا اتباع واجب ہے" تو اس سے کہا جائے گا کہ تمھاری اطاعت کا کس نے حکم دیا تاکہ لوگوں پر تمھارا اتباع فرض ہو کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر تمھارے سوا کوئی اور تم پر بھی دعویٰ کرے تو کیا تم اس کی اطاعت کروگے یا یہ کہوگے کہ میں بجز اس شخص کے جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے کسی اور کی اطاعت نہیں کرتا، اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے" اطاعت صرف اسی کی فرض ہے جس کی اطاعت کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اور حق اسی چیز میں ہے، جس کے اتباع کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، اور خدا نے اور اس کے رسول نے نصًا یا دلائل کے استنباط کے ذریعہ سے اس کا راستہ دکھایا ہے۔"

اس عبارت میں امام شافعیؒ نے گویا امام محمد بن الحسن کے اس قول کو پیش نظر رکھا ہے کہ میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑتا ہوں اور امام ابو حنیفہؒ نے قیاس کیا ہے اور استحسان کو چھوڑ دیا ہے" اور ان کو ان لوگوں کے درجہ میں رکھا ہے جو محض اپنے وہم و خیال کے مطابق بغیر نمونہ و مثال کے کوئی بات کہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے امام محمد کے قول کی تفسیر کی ہے، اور جو کچھ ان کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا اصول عامہ کی طرف رجوع کرکے جو متقدمین کی مشہور رائے ہے یا کسی دوسری معین اصل کی طرف مراجعت کرکے کسی

Marfat.com

اصل معین پر قیاس کو چھوڑ دیا جائے اور قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں خود امام شافعی کہتے ہیں کہ کبھی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جو قیاس کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کو دو اصول سے مشابہت حاصل ہوتی ہے، اس لئے ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے، اور اس طرح دونوں باہم مختلف ہو جاتے ہیں تو اہل عراق جو استحسان کے قائل ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ مسئلہ کا مرجع کسی دوسرے خاص یا عام کو بناتے ہیں، اور ان کے قول کا دارو مدار صرف خواہشِ نفسانی پر نہیں ہے، اس بنا پر صرف لفظی بحث باقی رہجاتی ہے، جس کا معاملہ آسان ہے۔

خود امام شافعی نے اپنی کتاب موسوم بالرد علی محمد بن الحسن میں تصریح کی ہے کہ فقہ میں امام محمد جس اصل کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ فقہ کے کسی مسئلہ کے متعلق بجز خبر لازم یا قیاس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا،

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ میں قیاس کو اصل بنانے کا مسئلہ اس دور میں بہت زیادہ نمایاں و کامیاب ہوا، البتہ استنباطِ مسائل میں فقہا اور اس کے استعمال میں یکساں حیثیت نہیں رکھتے تھے، مثلاً حنفیہ کو اس میں بہت زیادہ شدت و غلو تھا۔ حنابلہ اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے، شافعیہ ان دونوں فریق کے بین بین تھے، بعض اہلحدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ رہے، اور ظاہریہ نے اس کے انکار میں نہایت غلو کیا۔

(۳) تیسری نزاع اجماع کے متعلق پیدا ہوئی،

فقہا بعض مسائل پر یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہے، اور کتاب و سنت کی طرح اس اجماع کو بھی اصولِ دین میں سے ایک اصل قرار دیتے ہیں، اور اس پر کتاب و سنت کے بعض نصوص جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جماعت سے

نکلنا حرام ہے، دلیل لاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے صرف حلال و حرام کرنے کی مخالفت مقصود ہے، امام شافعیؒ نے اس پر خداوند تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے،

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ و نصلہ جھنم و ساءت مصیرا۔

جو شخص اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو گئی پیغمبر کی مخالفت اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کرتا ہے ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے اور وہ برا انجام ہے۔

اور یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلنا بھی اجماع کی مخالفت ہے، لیکن جب ان کو اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کرنا پڑا تو ان کے مخالفین جس اجماع کے مدعی تھے، اس کے وہ منکر ہو گئے، اور ان کو اس کا انکار کرنا پڑا کہ فرائض مثلاً نماز، زکوٰۃ، اور تحریم حرام کے سوا جن سے کوئی شخص ناواقف نہیں رہ سکتا، اس اجماع کا وجود نہیں ہے، لیکن خواص کا علم جس کی ناواقفیت عوام کیلئے مضر نہیں ہے، اس کے متعلق ہم صرف دو باتوں میں سے ایک بات کہہ سکتے ہیں، جس چیز کے متعلق ہم کو ان کے اختلاف کا علم نہیں ہے، اس کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ ہم کو ان کا اختلاف معلوم نہیں ہے، اور جس چیز میں انھوں نے اختلاف کیا ہے ہم یہ کہیں گے کہ "انھوں نے اختلاف کیا، اور اجتہاد کیا۔" اس بنا پر کتاب و سنت میں سے کسی میں اگر اس کے متعلق کوئی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوگا۔ تو ہم ان کے اس قول کو لیں گے جو کتاب و سنت سے مشابہ ہوگا، یا اس قول کو اختیار کرینگے جو آغاز و انجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک بہتر ہوگا، لیکن جب یہ لوگ اختلاف

کریں تو جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ قول ایسے اشخاص سے مروی ہے جنھوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، اور اس حالت میں ہم تین اشخاص کے قول کو اختیار کریں گے دو کے قول کو نہ لیں گے یا چار اشخاص کے قول کو اختیار کرینگے، تین اشخاص کے قول کو نہ مانیں گے لیکن ہم اس کو اجماع نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس شخص نے کوئی بات نہیں کہی، اس کے خلاف اجماع ایک قطعی فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے، حالانکہ ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادعا ہے، حالانکہ اس نے جس چیز کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اس کے مخالف پائے جاتے ہیں،

انھوں نے ایک دوسرے مناظر سے ایک سوال کیا جو مجتہدین کی شخصیت سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ انھوں نے کہا کہ وہ اہل علم کون ہیں؟ کہ جب وہ اجماع کرلیں تو ان کے اجماع سے حجت قائم ہو جائے گی، اس نے کہا "وہ وہ لوگ ہیں جن کو کسی شہر کے لوگوں نے اپنا فقیہ مقرر کیا، اس کے قول کو پسند کیا اور اس کے حکم کو قبول کیا" انھوں نے اس پر اس سے ایک طویل مناظرہ کیا، اس کے بعد فرمایا کہ میں اکثر شہروں میں اہل کلام کو پھیلا پاتا ہوں، اور ان میں سے ہر فرقہ نے ایک ایسے ہی شخص کو مقرر کر لیا ہے، جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے، تو کیا وہ لوگ بھی فقہار میں داخل ہیں، جو فقہار سے اسوقت تک قبول نہیں کرتے جب تک ان کے ساتھ جمع نہ ہو جائیں یا یہ لوگ اُن سے خارج ہیں، اس کے بعد انھوں نے اجماع کی نقل کے متعلق اس سے دوسرا سوال کیا اور کہا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ صرف اس چیز سے حجت لائی جا سکتی ہے جس پر تمام شہروں کے فقہار نے اجماع کیا ہے تو کیا تم ان سب کے اجماع کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ پاتے ہو، حالانکہ جب تک تم ان سب سے نہ مل لو، یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں وہ

کسی شخص کے لئے حجت نہیں ہو سکتا، اس نے کہا کہ اس قسم کا کوئی طریقہ نہیں پایا جاتا تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص اشخاص کی روایت سے اس اجماع کو قبول کر لیا تو تم نے وہی بات قبول کی جس پر تم نے اعتراض کیا ہے، اور اگر تم نے بغیر عام نقل کے ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو جب تک کہ ہم خواص کی نقل کو قبول نہ کریں تمہارے قول میں اس اصل کو نہیں پاتے کہ "اس پر تمام شہروں نے اتفاق کر لیا ہے۔" کیونکہ ابتدا میں اس کا کوئی طریقہ نہیں ہے،" اس لئے کہ تمہارے لئے وہ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ان سے تم کو ایسی خبر نہیں مل سکتی کہ عام طور پر لوگوں نے اس کی روایت لوگوں سے کی ہو۔

بظاہر امام شافعیؒ کے لئے مکمل اجماع کے انکار کرنیکی وجہ موجود ہے، کیونکہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ ہر ایک زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت معلوم ہو، عام طور پر لوگ ان کو تسلیم کریں، اور جس مسئلہ میں فتویٰ دیا جاتا ہے، اس کے متعلق اُن میں سے ہر ایک کا قول منقول ہو، اور ان سے اس قول کو ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے محفوظ ہو اور یہ تمام چیزیں صرف ان ہی خبروں میں پائی جا سکتی ہیں، جسکو وہ "علم عام" کہتے ہیں، مثلاً یہ کہ مفروضہ نمازیں پانچ ہیں، صبح کی رکعتیں دو ہیں، اور اسی کے مثل اور چیزیں لیکن جس کو وہ "علم خاصہ" کہتے ہیں تو تم کو بہت کم ایسا مسئلہ مل سکتا ہے جس کے متعلق تم آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک زمانے کے مجتہدین نے اس کا جواب متفقہ طور پر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ سے یہ روایت مروی ہے کہ جس شخص نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے، لیکن امام شافعیؒ کو اگرچہ اجماع کی حقیقت سے انکار ہے تاہم اگر سلف سے کوئی حکم منقول ہو اور اس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ انھوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، تو وہ دین میں اس کو حجت سمجھتے ہیں۔ اس لئے خود

حجت ہیں نہیں بلکہ حجت کی تعبیر میں اختلاف ہو جاتا ہے،

حنفیہ اکثر اجماع سکوتی کا ذکر بھی کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص مسئلہ پر فتویٰ دیتا ہے، اور دوسرے لوگ اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں لیکن جیسا کہ حدیث کی فصل میں گذرا ہمارے نزدیک یہ لوگ اس کو حدیث کی تائید کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں گویا اعتراض نہ کرنے سے وہ لوگ صحت حدیث پر اتفاق کر لیتے ہیں، اس لئے یہ حدیث عام طور پر اُن لوگوں سے مروی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ان کے پاس اُس کے مخالف کوئی حدیث ہوتی تو وہ تردید کرنے سے باز نہ آتے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر یہ کہتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، وہ بھی اس کو تائید حدیث کا ایک طریقہ خیال کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث کی نص موجود نہ ہو اور سلف اس کے متعلق کوئی فتویٰ دیں اور اس فتویٰ کے متعلق ان میں سے کسی کا اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہار اس کو دین کے معاملے میں حجت سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اتفاق عام رائے سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ اتفاق رائے سے ہوتا تو اس میں اختلاف کیا جاتا، اس بنار پر درحقیقت اس کا مرجع عمل بالسنت ہے اور عدم اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی حدیث موجود ہے، جس پر اس فتوے کا دار و مدار ہے، چنانچہ جس چیز میں علمار نے اجتہاد کیا ہے۔ اس قسم کا اتفاق بہت کم پایا جاتا ہے،

(۴) چوتھی نزاع اس عظیم الشان مسئلہ میں پیدا ہوئی جس پر تکلیف کا دار و مدار ہے،

تمام تکلیفات شرعیہ کی بنیاد دو لفظوں یعنی "کرو" اور "نہ کرو" پر قائم ہے جس میں پہلے کو امر اور دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے، قرآن و حدیث دونوں میں امر و نہی موجود ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے اوامر و نواہی جس چیز پر دلالت کرتے ہیں، آیا وہ

Marfat.com

لازمی ہوگی اور اس بنا پر قرآن وحدیث نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فرض اور جس چیز کی ممانعت کی ہے وہ حرام ہوگی ؟ یا اس کے علاوہ وہ دوسرے معنی پر محمول کئے جائیں گے، یہاں تک کہ ان کے لازمی ہونے پر دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی ؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن وحدیث کے امر و نہی لازمی ہیں، تو اگر مامور بہ عبادت اور معاملہ کے دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا اس دوسرے امر کے لئے مخل ہوگا ؟ اور اگر مخل ہوگا تو اس خلل کی مقدار کیا ہوگی ؟ اسی طرح جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے، اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا کرنا اس دوسری چیز میں موثر ہوگا ؟ اور اگر ہوگا تو اس تاثیر کی مقدار کیا ہوگی ؟ ہم اس موقع پر چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے اس مسئلہ کا مقصد واضح ہو جائیگا۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یاایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات۔	مسلمانو! غلام اور وہ لوگ جو تم میں سے بالغ نہیں ہوئے ہیں تم سے تین بار اجازت طلب کریں۔

لیکن اجازت طلبی کا یہ امر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم	مسلمانو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے اپنے منہوں کو دھو لو،

لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

Marfat.com

یاایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ الخ — مسلمانو! جب تم ایک مدت تک کے لئے قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو۔

کتابت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن، — اے پیغمبر جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں طلاق دو۔

اس میں بھی طلاق کی ابتدائی عدت کے لحاظ رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ ایک مقصد یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے،

تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا وہ لازمی ہے، اور جب وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس صورت میں بھی لازمی ہے؟ اور اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو وہ جس چیز کے ساتھ متعلق ہے، اس میں اثر کرے گا؟ یہاں تک کہ بغیر وضو کے نماز، بغیر تحریر و کتابت کے قرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق باطل ہوگی،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق، — اور اس جان کو جس کو خدا نے حرام کیا ہے بغیر حق کے نہ قتل کرو،

اس میں جس قتل کی ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون — مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تاکہ تم جو کچھ کہتے ہو اس کو جانو۔

Marfat.com

لیکن متوالے شخص کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ متعلق ہے تاکہ مناجات خدا
ٹھیک موقع پر واقع ہو،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی	مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان
للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا	دی جائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور
الی ذکر اللہ وذروا البیع	کو چھوڑ دو،

اور اس میں بیع کی ممانعت نماز کی حفاظت کے لئے ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وان اردتم استبدال زوج مکان	اور اگر تم ایک بی بی کی جگہ دوسری بی بی سے بدلنا
زوج واتیتم احداھن قنطاراً	چاہتے ہو اور تم نے ایک کو بہت سا مال دیدیا
فلا تاخذوا منہ شیئاً،	ہے تو اس مال میں سے کچھ نہ لو،

تو اس آیت میں جس مال کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے، اس کا تعلق طلاق کے ساتھ ہے تو کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ممانعت قطعی اور فرض ہے؟ اور جب اس کا تعلق دوسری چیز کے ساتھ ہو تو وہ بھی حرام ہے؟ اور اس حرمت سے متاثر ہوئی ہو اس اثر کی مقدار کیا ہے، کیا وہ بالکل باطل ہو جائیگی؟ یا اس میں صرف نقصان آئے گا، مثلاً یہ کہا جائے گا کہ اذان سننے کے بعد بیع کرنا اور مطلقہ عورت سے مال لینا حرام ہے، اور نشہ کی حالت میں اگر نماز پڑھ لی یا نماز جمعہ کے وقت بیع کر لی اور طلاق دینے کے بعد مال لے لیا تو اس کے اثر کی مقدار کیا ہو گی؟

احادیث میں بھی اسی قسم کے امر و نہی موجود ہیں تو کیا جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان

یاایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم (نساء ۶)	لوگو تمھارے پاس پیغمبر تمھارے پروردگار کے پاس سے حق لے کر آیا،
یاایھا الناس قد جاءکم برہان من ربکم (نساء ۶)	لوگو تمھارے پاس تمھارے پروردگار کے پاس سے دلیل آئی،
یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی (حجرات)	لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مکی آیتوں میں تفصیلی احکام فقہیہ بالکل نہیں پائے جاتے، بلکہ ان کا بیشتر حصہ مذہب کے مقصد اولین یعنی خداوند تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے ثبوت کے دلائل، اس کے عذاب کے ڈراوے، قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب، اور ان کے مکارم اخلاق کی ترغیب سے تعلق رکھتا ہے جن کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے، ان کے علاوہ گذشتہ قوموں کی ان تاریخی آزمائشوں کا تذکرہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت کا نتیجہ تھیں، فقہی احکام کی تفصیل زیادہ تر مدنی آیتوں میں موجود ہے،

قرآن مجید تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے،

(۱) وہ آیتیں جو خدا، خدا کے فرشتوں، خدا کی کتابوں، خدا کے پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان لانے سے تعلق رکھتی ہیں، اور علم کلام اور علم اصول الدین میں انہی سے بحث ہوتی ہے،

(۲) وہ آیتیں جو اعمال و ملکات قلبیہ سے تعلق رکھتی ہیں یعنی اُن کو مکارم اخلاق کی ترغیب سے تعلق ہے اور علم اخلاق میں انہی سے بحث کی جاتی ہے،

(۳) وہ آیتیں جو ظاہری اعضاء کے افعال یعنی اوامر و نواہی اور تخیرات سے تعلق رکھتی ہیں اور فقہا ان ہی سے بحث کرتے ہیں،

...ن چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے وہ قطعی ہیں اور جن چیزوں کے ساتھ ان کا تعلق ہے ...ن کی مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے،

یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا بنیاد فقہ ہونے کی حیثیت سے اگرچہ نہایت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس دور کے فقہاء نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کے اجمال و تفصیل میں نہایت کثرت سے اختلافات کئے، چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۷۰ میں فرماتے ہیں کہ "قرآن و حدیث، اور عام لوگوں کے کلام میں امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا، پھر اس کو مباح کر دیا، اس لئے اس موقع پر امر کے معنی ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہیں، مثلاً خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد،

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۔	جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو،
فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ	جب نماز جمعہ ادا کی جا چکی تو زمین میں پھیل
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	جاؤ اور خدا کے فضل کی تلاش کرو۔

کیونکہ خدا نے پہلے محرم پر شکار کرنا حرام کیا، اور اذان جمعہ کے وقت بیع کی ممانعت فرمائی، پھر ان اوقات کے علاوہ جن میں ان دونوں کو حرام کیا تھا، ان دونوں کو مباح کر دیا،

خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد،

وآتوا النساء صدقاتهن نحلة	عورتوں کو ان کی مہریں دو، اور اگر وہ اُن
فان طبن لكم عن شيء منه نفسا	میں سے کچھ بخوشی چھوڑ دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ،
فكلوه هنيئا مريئا فاذا وجبت جنوبها	جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے
فكلوا منها ۔	کھاؤ،

اور اُن کے مثل اور بہت سے ارشادات قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں لیکن احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا، نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے منتشر ہو جانا، اگر عورت بخوشی مہر کا کوئی حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے،

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول میں،

وانکحوا الایامیٰ منکم والصلحین من عبادکم۔ — اپنی بیواؤں اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کر دیا کرو،

یہ احتمال ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے ان لوگوں کی جو بھلائی متصور ہے، اس کا راستہ دکھلایا ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول،

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ۔ (نور ع) — اگر وہ محتاج ہوں گے تو خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو دولت مند بنا دیگا۔

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح عفت اور دولت کا سبب ہو سکتا ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں،

سافروا تصحوا وترزقوا — سفر کرو تاکہ تمھیں صحت اور رزق حاصل ہو،

صرف ان چیزوں کا راستہ دکھایا گیا ہے، صحت اور رزق کے لئے سفر کرنا فرض نہیں ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم فرض ہی اور خدا نے جو چیز فرض کی ہی اس میں بھلائی ہی ہے، اس لئے فرض اور بھلائی دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔

اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب تک قرآن حدیث، یا اجماع سے یہ نہ ثابت

Marfat.com

ہو کہ امر سے قطعیت مراد ہے، اس لئے وہ فرض ہے جس کا چھوڑنا جائز نہیں، تمام امر کے معنی اباحت اور بھلائی کا راستہ دکھانے کے ہیں، مثلاً خداوند تعالیٰ کا یہ قول،

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ	نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو،

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فرض ہے، ان ارشادات میں

خذ من اموالہم صدقۃ	ان کے مال سے صدقہ لو،
وَاتموا الحج والعمرۃ لِلّٰہ	خدا کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو،
وَللّٰہ علی النّاس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا،	اور خدا کے لئے لوگوں پر یعنی ان لوگوں پر جن کو سفر کی استطاعت ہو خانہ کعبہ کا حج فرض ہے۔

خدا نے امر کے سلسلہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر ایک ہی ساتھ کیا ہے لیکن فرض میں حج کو الگ کر لیا ہے، اس لئے اکثر اہل علم نے عمرہ کو صرف فرض نہیں کہا ہے گو ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان اُس کو چھوڑ دے، اور قرآن مجید میں اس قسم کی مثالیں بہت سی ہیں،

اور خداوند تعالیٰ نے جس چیز کی ممانعت کر دی ہے، جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ اس نہی سے حرمت مراد نہیں بلکہ ارشاد، تنزیہ، یا ادب مراد ہے اس وقت تک وہ حرام سمجھی جائے گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے ممانعت فرمائی ہے ان کا بھی یہی حال ہے،

اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب تک دلیل سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر فرض ہے

اُس وقت تک وہ غیر فرضیت پر رہے گا، اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ امر و نہی میں جو فرق ہم نے بیان کیا ہے، اس پر وہ دلالت ہو اور ہم نے قرآن وحدیث کی ابتدا میں جو کچھ بیان کیا اور ان کے امثال سے اس لئے خاموشی اختیار کی کہ جو کچھ ہم نے بیان کر دیا وہ اس چیز کے لئے کافی ہے، جس کو ہم نے بیان نہیں کیا، سفیان نے محمد بن عجلان سے، انھوں نے اپنے باپ سے، اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ہم کو خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ کثرتِ سوالات اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو میں تم کو جو حکم دوں اس پر جہاں تک تم استطاعت رکھتے ہو عمل کرو، اور جس چیز سے میں تم کو روک دوں اُس سے باز آؤ" یہ بھی احتمال ہے کہ امر نہی کے معنی میں ہو اس لئے دونوں باہم لازم و ملزوم ہوں، البتہ اس صورت میں یہ تلازم نہ ہوگا جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دونوں لازم و ملزوم نہیں، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ "امر پر حسب استطاعت عمل کرو" یہ مطلب ہوگا کہ تم کو صرف اس امر پر عمل کرنا چاہیئے جو تمھاری استطاعت میں ہو، کیونکہ لوگوں کو صرف ان افعال کی تکلیف دی گئی ہے جو ان کی استطاعت میں ہیں، اور خود فعل کی حقیقت ہی میں استطاعت داخل ہے، کیونکہ وہی تکلف کیا جاتا ہے لیکن انسان جس چیز کو چھوڑنا چاہے وہ اس کی استطاعت میں داخل ہے کیونکہ اس کو کوئی ایسا کام کرنا نہیں پڑتا جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ ایک چیز ہے جس سے وہ باز آتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اور علم حدیث کی معرفت کے وقت اہل علم کا یہ فرض ہے کہ ان دلائل کی جستجو کریں جس سے ایک ساتھ امر و نہی میں فرض مباح اور غیر مفروض ارشاد و ہدایت کا فرق معلوم کر سکیں، امام شافعیؒ

رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہی کے کبھی کچھ معنے ہوتے ہیں، اور کبھی کچھ، اور یہ صرف استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اس کی چند مثالیں بھی دی ہیں اور ہم اس موقع پر ان میں سے بعض کو اس لئے درج کرتے ہیں کہ وہ ان کی بقیہ مثالوں پر بھی دلالت کر سکیں،

حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے" اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلالت سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ نہی کے معنی کچھ اور ہیں تو اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ آدمی نے جب سے منگنی شروع کی ہے، اس کے چھوڑ دینے تک ایک آدمی کا دوسرے آدمی کی منگنی کرنے پر منگنی کرنا حرام ہے، ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک جواب ہو جس سے آپ نے ایک معنی مراد لئے ہوں لیکن جس راوی نے یہ حدیث بیان کی ہو اس نے اس سبب کو نہ سنا ہو جس کی بنا پر آپ نے ایسا ارشاد فرمایا اس لئے اس نے حدیث کے بعض حصے کو تو بیان کیا اور بعض کو چھوڑ دیا یا بعض حصے میں اس کو شک واقع ہوا اور جس چیز میں یہ شک واقع ہوا اور اس سے اس نے خاموشی اختیار کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کی اجازت دیدی، اس کے بعد اس کو دوسرے شخص نے نکاح کا پیغام دیا جو اس کے نزدیک پہلے سے بہتر تھا، اب وہ پہلے سے جس کے ساتھ اس نے نکاح کی اجازت دی تھی پھر گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاص حالت میں دوسرے شخص کو عورت کے پیغام نکاح دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے پہلے جس شخص کے نکاح کی اجازت دی ہے اس سے پھر کر دوسرے کو پسند کرلے لیکن وہ

Marfat.com

دوسرا اُس سے نکاح نہ کرے، اس لئے اس عورت کے حق میں بھی خرابی پیدا ہو
اس شخص کے حق میں بھی، جس کے ساتھ اس نے نکاح کی اجازت دی تھی، اس کے
انھوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ
علیہ وسلم سے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم نے اُن سے نکاح کا پیغام دیا
لیکن آپ نے فرمایا کہ "ابو جہم تو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، اور معاویہ ایک مفلس آدمی ہیں،
اسامہ بنؓ زید سے نکاح کرد" اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کو
یہ معلوم تھا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بعد ان کو پیغام نکاح دیا تھا، لیکن جب
آپ نے ان دونوں کو منع نہیں کیا، اور ان سے یہ نہیں فرمایا کہ ان میں ایک کو پیغام
نکاح دینے کا اس وقت تک حق حاصل نہ تھا، جب تک دوسرا اپنے پیغام نکاح کو ترک
نہ کردے اور آپ نے ان دونوں کے پیغام نکاح کے بعد ان کو اسامہ بن زیدؓ کے نکاح
کے لئے پیغام دیا، تو اس سے ہم نے بطور استدلال کے یہ نتیجہ نکالا کہ انھوں نے نکاح پر
رضامندی ظاہر نہیں کی تھی، اور اگر وہ کسی سے رضامند ہو چکی ہوتیں تو آپ اس کے ساتھ
ان کو نکاح کا حکم دیتے اور یہ کہ انھوں نے آپ کو اس پیغام نکاح کی خبر اس لئے دی تھی
کہ انھوں نے ابتک نکاح کی اجازت نہیں دی تھی، اور غالباً آپ سے مشورہ طلب کیا
تھا اور اجازت نکاح کے بعد وہ ایسا مشورہ طلب نہیں کرسکتی تھیں، لیکن جب آپ نے ان کو
اسامہ بن زیدؓ کے نکاح کا پیغام دیا تو اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ جس حالت میں نکاح
کا پیغام دیا وہ اس سے مختلف تھی جس میں آپ نے پیغام نکاح دینے کی ممانعت
فرمائی تھی، اور اس قسم کی حالت جس میں ایک کی منگنی حلال اور دوسرے کی حرام ہو
اس صورت میں ہو سکتی ہے جب اُس عورت نے ولی کو اجازتِ نکاح دیدی ہو اس لئے اگر

ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو اس کے شوہر کے لئے یہ حق ہے کہ اس کو نکاح کا پابند بنالے اور ولی کے لئے بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، اور وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی لیکن اس سے پہلے عورت کی حالت یکساں ہے، اور جب تک وہ اجازت نہ دے، ولی کو اسکے نکاح کا حق حاصل نہیں، اور اس کے میلان یا عدم میلان دونوں برابر ہیں، غرض امام شافعیؒ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں جس منگنی کی ممانعت کی گئی ہے، وہ وہ ہے جب عورت ولی کو نکاح کی اجازت دیدے تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے لیکن جب تک خود ولی کا معاملہ جائز نہ ہو، عورت کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حالت یکساں ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ جب عورت منگنی کرنے والے کی طرف مائل ہو تو اس صورت میں دوسرے کو منگنی کرنے کا حق حاصل نہیں، امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے، جب وہ ولی کو نکاح کرنے کی اجازت دیدے، ان لوگوں نے اس کی جگہ یہ قید لگائی ہے، یہ امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، چنانچہ امام مالک اس حدیث کو مؤطا میں روایت کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی کہ "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے" ہماری رائے میں تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو پیغام نکاح دے، اور وہ اس کی طرف میلان ظاہر کرے، اور دونوں کا اتفاق ایک معین مہر پر ہو جائے اور وہ دونوں اس پر راضی ہوں اور وہ عورت مرد کو اس پر اپنا پابند بنانا چاہے، ایسی حالت میں آپ نے دوسرے شخص کو پیغام نکاح دینے کی ممانعت فرمائی ہے آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ایک مرد نے عورت کو پیغام نکاح دیا اور اس نے نہ اس سے موافقت کی نہ اسکی طرف میلان ظاہر کیا تو ایسی حالت میں بھی دوسرا شخص اسکو پیغام نکاح نہیں دے سکتا

کیونکہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی پیدا ہو جائے گی،

دونوں اماموں کے طریقے اگرچہ مختلف ہیں، لیکن دونوں نے مطلق حدیث کو مقید کیا ہے، امام مالک نے اس میں اس لئے قید لگائی ہے کہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی واقع ہوگی اور امام شافعی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کی رو سے اس کو مقید کیا ہے، لیکن بعض فقہار نے اس ممانعت کو حالتِ اطلاق ہی میں رکھا ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ جب ایک عورت کو ایک شخص نے پیغام نکاح دیدیا، تو جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے دوسرے کے لئے اس سے منگنی کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے اس حدیث کی مخالفت کر کے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق فقہار میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ یہ ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے، بلکہ کراہت کیلئے ہے، اس لئے نکاح جائز ہو جائے گا، لیکن بعض فقہار کے نزدیک نکاح کو فسخ کر دیا جائیگا امام مالک سے یہ دونوں قول مروی ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ زفاف سے پہلے نکاح فسخ ہو جائے گا، اور زفاف کے بعد قائم رہے گا، اور یہ اختلافات جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں خود نہی میں اختلافات کا نتیجہ ہیں۔

ایک دوسری مثال جس میں فرض کو فرضیت سے نکالا گیا ہے یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ "ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے، اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کر لینا چاہیے" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کے دو معنے ہو سکتے ہیں، پہلا معنی جو ظاہر ہے، وہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے بغیر غسل کے طہارت کافی نہیں ہو سکتی، جس طرح جنبی کے لئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں ہوتی، دوسرے

معنی یہ ہیں کہ پاکیزگی اخلاق اور صفائی طبع کے لحاظ سے وہ واجب ہے، اور آدمی کو چاہئے کہ اس کو پسند کرے، اس حدیث کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفانؓ مسجد میں آئے اور حضرت عمر بن الخطابؓ خطبہ دے رہے تھے، اور ان سے انھوں نے فرمایا کہ "یہ کیا وقت ہے"۔ بولے کہ "اے امیر المؤمنین میں بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہ کرسکا" بولے صرف وضو، حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے، اور انکو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو اس حکم کا علم تھا، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد بھی دلایا اور حضرت عثمانؓ کو وہ معلوم بھی ہوگیا، اس لئے اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد نہ تھا، تو نماز سے پہلے حضرت عمرؓ نے انکو یاد دلادیا لیکن بایں ہمہ جب غسل کے نہ کرنے سے حضرت عثمانؓ نے نماز ترک نہ کی اور حضرت عمرؓ نے ان کو باہر نکل کر غسل کرنے کا حکم نہ دیا، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اختیاری تھا، یہ نہیں کہ اس کے سوا دوسری طہارت اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، خلاصہ یہ کہ شریعت کے اوامر ونواہی سے استنباطِ احکام میں فقہاء کے درمیان اختلاف تھا، کبھی وہ اس کو فرض وتحریم پر باقی رکھتے تھے، اور کبھی اس کو فرضیت وتحریم سے نکالکر استحباب اور کراہت کی طرف لاتے تھے، اور کبھی اس سے صرف ہدایت وارشاد کے معنی مراد لیتے تھے، اور یہ سب کچھ قرینہ، استدلال اور رائے سے کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں، جن سے استنباط فقہاء کی دقت نظری ظاہر ہوگی۔

شارع نے معاملات کو ان کے مسببات کا سبب قرار دیا ہے، مثلاً اس نے بیع کو

Marfat.com

اس بات کا سبب قرار دیا ہے، کہ اس سے فروخت شدہ چیز کی ملکیت مشتری کو، قیمت بائع کو حاصل ہو جائے، اور رہن سے شئی مرہون پر مرتہن کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور وہ تمام قرضخواہوں پر مقدم قرار دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی معاملات ہیں جن کو شارع نے جائز کیا ہے، اور انکو ایک چیز کا سبب بنایا ہے، لیکن جب یہ معاملات کسی وصف کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں، تو شارع ان کی ممانعت کر دیتا ہے...

. . . .

. . . . مثلاً سود کو وہ ناجائز قرار دیتا ہے، اور ادائے قیمت کے لئے ایک نامعلوم مدت کی تعیین سے منع کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں یہ معاملات اپنے مسببات کا سبب نہیں ہو سکتے، اور وہ بالکل باطل ہو جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے نہ تو انتقالِ ملکیت ہوتا، اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا؟ بعض فقہاء کا یہی خیال ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب نے اس پر ایک دقیق نظر ڈالی ہے، اور ان کا قول ہے کہ بیع کو مثلاً شارع نے ایک چیز یعنی انتقالِ ملکیت کا سبب قرار دیا ہے، اور کسی مکروہ وصف کے عارض ہو جانے سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع کرنا حرام ہے، لیکن ان دونوں مسببات میں کوئی تناقض نہیں ہے، اور ان میں ہر ایک کا اثر ایک ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے، اور اس طریقہ سے ایک ایسی بیع کا وجود ہوتا ہے، جو ایک وقت میں حرام بھی ہو سکتی ہے، اور اس سے انتقالِ ملکیت بھی ہو جاتا ہے، البتہ ان لوگوں نے حصولِ ملکیت کے لئے قبضہ کی شرط لگائی ہے، اس قسم کی بیع کو فاسد کہتے ہیں، اور ان کا قول ہے کہ نہی کے اثر کے زائل کرنے کے لئے بائع و مشتری پر یہ فرض ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دیں، لیکن اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور مشتری

قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی اصول

قرآن مجید کا علانیہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی حالات کی اصلاح کے لئے نازل کیا گیا ہے، اور اسی غرض سے اوامر و نواہی نازل کئے گئے ہیں، چنانچہ وہ خود کہتا ہے،

یامرھم بالمعروف وینھاھم	وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بُری باتوں سے منع کرتا ہے
عن المنکر ویحل لھم الطیبات	ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان کے لئے
ویحرم علیھم الخبائث	ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے،

قرآن مجید نے فقہی احکام میں تین چیزوں کو اپنا بنیادی اصول قرار دیا ہے،

(۱) عدم حرج،

(۲) قلتِ تکلیف،

(۳) تدریج،

عدم حرج

عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں، اور اس قسم کے دلائل جن سے یہ ثابت ہوگا اس شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرنا ہے، بکثرت ہیں، مثلاً خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلعم کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے،

ویضع عنھم اصرھم والاغلال	اور وہ اُن لوگوں سے اُس بوجھ کو اور ان بیڑیوں کو
التی کانت علیھم	جو ان کے اوپر تھیں، اتار پھینکتا ہے،

Marfat.com

فروخت شدہ چیز میں تصرف کیا تو اس کا یہ تصرف اس ملکیت میں ہوگا جو اس نے بیع کے ذریعہ سے حاصل کی ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اس مسلک کی بنیاد فرضی امر پر نہیں ہے، بلکہ طلاق کے معاملے میں خود شارع نے بھی یہی روش اختیار کی ہے، کیونکہ طلاق ایک شرعی تصرف کا نام ہے، جو اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے زوجیت کا رشتہ توڑ دیا جائے اور شارع نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق حالتِ طہر میں دینا چاہئے جس میں شوہر نے بی بی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، اسی بناء پر حائضہ عورت کا طلاق ممنوع ہے، لیکن باوجود اس کے جب حضرت ابن عمرؓ نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورت سے رجعت کرلیں، اور باوجودیکہ انھوں نے حالتِ حیض میں طلاق دی تھی لیکن آپ نے اس کا اعتبار کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مکروہ وصف کے عارض ہوجانے کی بناء پر تصرفِ شرعی سے جو ممانعت کردی جاتی ہے وہ اس کی سببیت کو باطل نہیں کرتی۔

جو لوگ ممنوعہ طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوعہ بیع کا اعتبار نہیں کرتے انکی تردید کے لئے یہ قول نہایت مناسب ہے کیونکہ عقلی حیثیت سے ان دونوں کی حیثیت ایک ہے، لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تمام ممنوع تصرفاتِ شرعیہ کے متعلق ایک کلی رائے رکھتے ہیں، اور ان کو قابل اعتدا نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ عورت کی طلاق جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں اسکی نہی وارد ہوئی ہے اور پہلا فریق جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا، اس کی صحت پر ان کو اعتراض ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے میعادی قرض کیلئے دستاویز لکھنے کا

Marfat.com

حکم دیا ہے، اور اس کو نہایت تاکید کے ساتھ جیسا کہ آیت دین سے معلوم ہوتا ہے بیان کیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک قرض کے لئے دستاویز لکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امر صرف ارشاد و ہدایت کیلئے ہے اس لئے جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لئے ایک احتیاط کی، لیکن جس نے اس پر عمل نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں، صرف اس نے ایک احتیاط کو ترک کردیا،

ان لوگوں نے یہ نتیجہ اخیر آیت میں خداوند تعالیٰ کے اس قول سے نکالا ہے،

فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اوتمن امانتہ،	اگر تم میں ایک دوسرے کو امین بنائے تو جو شخص امین بنایا گیا ہے اس کو چاہئے کہ اپنی امانت ادا کردے،

لیکن اہل ظاہر نے ان کی مخالفت کی ہے، اور ان کے نزدیک قرض کے لئے دستاویز لکھنا تمام واجبات مامور بہا کی طرح واجب ہے، اس لئے جو شخص دستاویز نہ لکھے گا وہ گنہگار ہوگا، لیکن غالباً وہ لوگ اس میں یہ قید لگائیں گے کہ جب دائن مدیون کو امانت دار نہ سمجھے تو دستاویز لکھنا واجب ہے، جیسا کہ اخیر آیت سے سمجھا جاتا ہے،

مسئلہ امر و نہی کی بحث ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ذریعہ سے استنباط احکام میں پیدا ہوئے ہیں نہایت طویل ہے اور اس موقع پر اُس کا استقصا نہیں کیا جاسکتا، لیکن ہم نے جو کچھ بیان کردیا، اس سے یہ کافی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ نزاع کا ایک میدان اور اختلافات کے اسباب میں ایک سبب ہے، اور اُس کے ذریعہ سے ان لوگوں کے درمیان فرق ظاہر ہوجاتا ہے، جن میں ایک فریق روحِ فقہ کا لحاظ رکھتا ہے، اور دوسرا فریق صرف نصوص کے الفاظ و عبارت کو دیکھتا ہے،

۶۔ تدوینِ اصولِ فقہ

اصولِ احکام میں جو اختلافات پیدا ہوئے ان کی وجہ سے فقہا نے اصولِ فقہ کی تدوین کی جو ان قواعد کا نام ہے جن کی پیروی ہر مجتہد استنباطِ احکام میں کرتا ہے۔

تاریخ ابی یوسف اور محمد بن حسن میں مذکور ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے ان اصول کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ہم تک ان کی کوئی کتاب نہیں پہونچ سکی اس کے متعلق ہم تک جو کچھ پہونچا ہے، اور اس علم کا اصلی سنگ بنیاد اور عظیم الشان ذخیرۂ بحث خیال کیا جاتا ہے۔ وہ امام شافعی کا رسالہ ہے جس میں انھوں نے حسب ذیل امور سے بحث کی ہے،

(۱) قرآن اور اس کا بیان

(۲) حدیث اور قرآن مجید کے مقابلہ میں اس کا درجہ،

(۳) ناسخ اور منسوخ،

(۴) علل احادیث

(۵) خبر واحد،

(۶) اجماع،

(۷) قیاس،

(۸) اجتہاد،

(۹) استحسان،

(۱۰) اختلاف،

انھوں نے پہلی فصل میں قرآن مجید کے بیان کی کیفیت لکھی ہے، اور اسکی متعدد قسمیں قرار دی ہیں، مثلاً

(۱) خدا نے اس کو لوگوں کے لئے نصاً بیان کر دیا ہو مثلاً تمام فرائض،

(۲) خدا نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اس کو فرض کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے اس کی کیفیت بیان کی ہو، مثلاً نمازوں کی تعداد،

(۳) اس کے متعلق خود خدا کا کوئی تصریحی حکم نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس طریقہ کو مقرر کیا ہو،

(۴) خداوند تعالیٰ نے اس کی طلب وجستجو کے لئے بندوں پر اجتہاد فرض کر دیا ہو، اور اس اجتہاد کے ذریعہ سے ان کی اطاعت کی آزمائش مقصود ہو جیساکہ اس نے اور فرائض میں ان کی اطاعت کا امتحان لیا ہے۔

امام شافعیؒ نے ان میں ہر قسم کے سمجھانے کے لئے کافی مثالیں دی ہیں، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے، اور اس میں کوئی چیز بجز عربی کے اور کسی زبان میں نہیں بیان کی گئی ہے، اور جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں عربی اور عجمی دونوں قسم کے الفاظ ہیں، ان کے ساتھ بحث کی ہے، اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جس طرح عرب اپنے کلام کے معنے سمجھتے ہیں اسی طرح قرآن مجید بھی سمجھا جائے گا، اور عرب کا طریقہ کلام یہ ہے کہ وہ کبھی ایسا فقرہ بولتے ہیں جس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے اور عموم مقصود بھی ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے

خالق کل شئ فاعبدوہ وھو — خدا ہر چیز کا خالق ہے، اس لئے اس کو پوجو

علی کل شئ وکیل، — اور وہ ہر چیز کا ضامن ہے۔

Marfat.com

لیکن کبھی اس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن مقصود خاص ہوتا ہے، قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے،

الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم	وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں،

حالانکہ نہ تمام لوگوں نے ایسا کہا تھا، اور نہ تمام لوگ جمع ہوئے تھے،

کبھی بظاہر کلام سے ایک معنی سمجھے جاتے ہیں، لیکن اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہری معنی مراد نہیں، مثلاً

واسال القریة التی کنا فیها والعیر التی اقبلنا فیها،	اس گاؤں سے پوچھو جس میں ہم تھے، اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے،

لیکن سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قریہ اور اہل قافلہ مراد ہیں،

کبھی ظاہر قرآن سے عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن سنت اس کی تخصیص پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ آیتِ وراثت سے بظاہر عموم مفہوم ہوتا ہے، لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باپ، بعض لڑکے اور بعض میاں بیوی مراد ہیں، یعنی وہ باپ، وہ لڑکے، وہ میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان دونوں میں سے وارث قاتل یا غلام نہو،

اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خود خداوند تعالیٰ کے حکم سے حدیث پر عمل کرنا فرض ہے، اور خداوند تعالیٰ کے ان ارشادات ہیں،

ویعلمهم الکتب والحکمة	اور یہ پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔
واذکرن مایتلی فی بیوتکن	اور تمہارے گھروں کے اندر آیات اللہ اور

Marfat.com

من آیات اللہ والحکمۃ، حکمت کی جو تلاوت کی جاتی ہے اس کو لے اڑا

حکمت سے یہی حدیث مراد ہے،

انھوں نے حدیث کے حجت ہونے پر نہایت تفصیل کے ساتھ دلیل قائم کی ہے اسکے
بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قرآن مجید کیساتھ دو قسم کا تعلق رکھتی ہیں ایک تو خود
صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ قرآن مجید کی آیات کا اتباع کیا ہے دوسرے مجملات قرآنیہ کی تشریح کی ہے اور واضح کیا ہے کہ
تعالیٰ نے انکو کیونکر فرض کیا ہے؟ وہ عام ہیں یا خاص؟ اور بندوں کو ان پر کیونکر عمل کرنا چاہئے ہے لیکن
ان دونوں صورتوں میں آپ نے کلام الٰہی کی پیروی کی ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا
کہ حدیث کی ایک تیسری قسم بھی ہے، یعنی وہ حدیثیں جن کے متعلق قرآن مجید میں کوئی نص
موجود نہیں، اور اسی میں اختلاف ہے، بعض لوگ اس کو جائز رکھتے ہیں، اور بعض لوگوں کے
نزدیک کوئی ایسی حدیث نہیں ہے، جسکی اصل قرآن مجید میں موجود نہ ہو، اس لئے آپ نے
جس چیز کو حلال یا حرام کیا وہ خداوند تعالیٰ کے ارشاد کی تفسیر ہے، جیساکہ آپ نے
نماز کی تشریح فرمائی ہے، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ان حدیثوں
کے متعلق خداوند تعالیٰ کا پیغام پہونچا اور خداوند تعالیٰ ہی کے فرض کرنے سے وہ حدیثیں
مسنون ہوئیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تمام حدیثیں، بطور الہام کے آپکے دل
میں ڈالی گئیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں جو صورت بھی ہو، لیکن خداوند تعالیٰ
نے اپنے رسول کی اطاعت بہرحال فرض کردی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حدیث
کے لئے قرآن مجید کبھی کبھی منسوخ ہو جاتا ہے، یعنی خداوند تعالیٰ نے ابتدا میں جو
احسان کیا تھا، اس میں بندوں کیلئے اضافہ و توسیع کردیتا ہے، لیکن قرآن مجید کا نسخ

Marfat.com

…ن مجید ہی سے ہو سکتا ہے، حدیث قرآن مجید کو منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود قرآن
…ی تابع ہوتی ہے، کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے کبھی اسکے مجملات کی تشریح کر کے
…وند تعالیٰ کے مراد معنی کو بتاتی ہے، اسی طرح حدیث کا نسخ بھی صرف حدیث ہی سے ہو سکتا
انھوں نے اس پر جو دلیل قائم کی ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائیں
…دیث سے کم درجہ رکھتی ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں، البتہ وہ قرآن مجید سے منسوخ
…تی ہیں، لیکن اس وقت ایک ایسی حدیث کا ہونا ضروری ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ
منسوخ ہے، انھوں نے یہ احتیاط اس لئے کی ہے کہ کہیں لوگ صرف عمومات قرآنیہ پر
…کر کے ان کی مخصص حدیثوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل لائیں کہ عموم قرآن نے تخصیص
…یث کو منسوخ کر دیا ہے، چنانچہ انھوں نے اس کی توضیح کر دی ہے، اس کے بعد انھوں نے
بیان کیا ہے کہ کبھی حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے، کہ ایک آیت قرآنی دوسری آیت
… منسوخ کر دی گئی ہے، مثلاً آیتِ وصیت اور آیت میراث کے متعلق اس مشہور حدیث

لا وصیۃ لوارث — وارث کے لئے وصیت نہیں ہے،

…یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وارث نے وصیت کو منسوخ کر دیا ہے، اس لئے والدین اور
…ب کے لئے وصیت فرض نہیں ہے لیکن طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگ یہ کہتے
…کہ والدین کے لئے تو وصیت منسوخ، اور قرابت کی وجہ سے غیر ورثار کے لئے ثابت
… اس کے بعد انھوں نے اُن فرائض کی چند مثالیں دی ہیں، جن کو خداوند تعالیٰ نے
…نازل فرمایا ہے، اور وہ فرائض منصوصہ بھی بیان کئے ہیں جنکو ان کے ساتھ رسول اللہ
…اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، اور اس فرض منصوص کا بھی ذکر کیا ہے جسکی نسبت حدیث
…معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص مراد ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجود

عموم قرآن سے فقہا ر بالاتفاق قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں دلواتے، اور یہ ایک ا
ہے، جس سے لازمی طور پر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں فرق وامتیاز
کرنا چاہیئے، کیونکہ جب خداوند تعالیٰ کے ایک فرض منصوص کے متعلق ان کا یہ درجہ ہے
اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض صرف بعض لوگوں کے لئے ضروری ہے، بعض لوگوں کے
نہیں ہے تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا، اور جو احکام صرف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے ہیں، اور ان کی نسبت خود خداوند تعالیٰ کا کوئی ح
نہیں ہے، ان کی بھی یہی حالت ہوگی، اور ایک عالم کو اُن کی فرضیت میں بطریق اول
شک نہیں کرنا چاہیے، اور یہ جاننا چاہیے کہ احکام الٰہی اور احکام نبوی میں اختلاف
نہیں ہوتا، اور دونوں ایک ہی روش پر چلتے ہیں،

اس کے بعد انھوں نے علل حدیث کا بیان کیا ہے، اور ایک گمنام شخص کے اعتراض
سے اس کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں بھی اسی قسم
کی تصریح موجود ہے، اور بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں اجمالاً اسی کے مثل نص
پائی جاتی ہے، بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کا اکثر حصہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے، اور
بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ اُن کے متعلق قرآن مجید میں کچھ مذکور نہیں ہے، بعض احادیث
بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہیں، اور بعض میں اختلافات ہیں، بعض حدیثیں باہم ناسخ و منسوخ
ہیں، اور بعض میں اختلافات ہیں جن میں ناسخ و منسوخ پر کوئی دلالت نہیں ہے، بعض
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی موجود ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے جس چیز
ممانعت کر دی وہ حرام ہے، لیکن بعض حدیثوں کی نہی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ آپ
امر و نہی اختیاری ہیں، تحریمی نہیں ہیں، پھر تم لوگ بعض مختلف حدیثوں کو تو لیتے

Marfat.com

بعض کو نہیں لیتے اور تم لوگ آپ کی بعض حدیثوں پر قیاس کرتے ہو، اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہوتا ہے، لیکن بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہو، اور اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کرنے اور نہ کرنے پر تمہاری کیا حجت ہے؟ اس کے بعد تم میں اختلافات ہو جاتے ہیں اور تم میں بعض لوگ ایک حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کے مثل یا اس سے زیادہ ضعیف الاسناد حدیث کو لے لیتے ہیں۔

عللِ حدیث کی توضیح کے بعد انھوں نے حدیث کے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے، اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں اور متعدد حدیثیں لائے ہیں جو بظاہر مختلف ہیں اور ان کے وجوہِ اختلاف کو بیان کیا ہے کہ مجتہد کیونکر ان میں تطبیق یا ترجیح دے سکتا ہے۔

اس کے بعد خبرِ واحد کی صحت پر گفتگو کی ہے، اور اس کے حجت ہونے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، ان میں سب سے زیادہ طویل بحث یہی ہے،

پھر اجماع پر کلام کیا ہے، اور اس پر اُن حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی جماعتِ مسلمین کی ترغیب دی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال یا حرام سمجھتی ہے، اُس کی پابندی اور اطاعت کی جائے۔ اس کے بعد قیاس اور اجتہاد پر گفتگو کی ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں، اور یہ ذکر کیا ہے کہ قیاس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی چیز اصل کے معنی میں ہو اور اس میں مختلف قیاس نہیں ہوتے، دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول کے مشابہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اس لئے اس چیز کا قیاس اس چیز پر کیا جاتا ہے، جو اس سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور اس سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے، اور قیاس کرنے والے اسی میں اختلاف کرتے ہیں، انھوں نے

Marfat.com

قیاس پر دلیل قائم کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دین سے ہے، اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اس میں ثواب کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث ر... کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاکم نے اگر اپنے فیصلہ میں اجتہاد سے کا... لیا اور یہ اجتہاد صحیح نکلا تو اس کو دو ثواب ملیں گے اور اگر اجتہاد میں غلطی کی تو ایک ثوا...

پھر استحسان سے بحث کی ہے، اور جو لوگ اس کے قائل ہیں، اُن کا رد کیا ہے... یہ کہ استحسان کے معنی یہ ہیں کہ بغیر حدیث و قیاس کے کوئی بات کہی جائے اور یہ بیان کیا... کہ قیاس کرنیکا حق کس کو حاصل ہے، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ قیاس کے چن... طریقے ہیں جن میں سب سے قوی طریقہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی چیز کو حرام قرار دیں، اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ جب اس... چیز کا تھوڑا سا حصہ حرام کر دیا گیا تو اس کا بہت سا حصہ بھی اسی کے مثل یا قلت پر کثرت کی زیادتی سے اُس سے زیادہ حرام ہوگا، اسی طرح جب خدا نے تھوڑی سی طاعت پر... تعریف کی تو جو طاعت اس سے زیادہ ہوگی اُس پر بطریق اولیٰ تعریف کی جائے گی، اسی طر... جب خدا نے ایک چیز کے بڑے حصے کو مباح کر دیا تو اس کا کم حصہ بطریق اولیٰ مباح ہو... لیکن بعض اہل علم اس کو قیاس نہیں کہتے، ان کے نزدیک خدا نے جس چیز کو حلال و... کیا، اور جس پر مدح و ذم کی اس سے یہی مراد ہے کیونکہ وہ اس کے اندر داخل ہے، اس... وہ بعینہ وہی چیز ہے، دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا گیا ہے، جو چیز حلال و حرام ک... میں نہیں، اور ان کو حلال و حرام کر دیا گیا اس کی نسبت بھی ان کا یہی قول ہے، قیاس... اس کو کہتے ہیں کہ دو مختلف معنی ہیں مشابہت ہو اور ان میں یہ ثابت کیا جائے کہ اس... قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے، دوسرے پر نہیں ہو سکتا، ان کے علاوہ اور اہل علم...

Marfat.com

خدا نے ہم کو خود اس دعا کی تعلیم دی ہے،

ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ،

خداوندا ہم پر بوجھ نہ لاد جیسا کہ تو نے اُن لوگوں پر لادا تھا جو ہم سے پہلے تھے، خداوندا ہم پر وہ بوجھ نہ لاد جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو،

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایسا کر دیا،

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ہیں، مثلاً

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

خدا کسی شخص کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اسکی وسعت ہوتی ہے

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر،

خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا،

ما جعل علیکم فی الدین من حرج

خدا نے تم پر دین کے بارہ میں کوئی تنگی نہیں کی،

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا

خدا تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے، اور خود انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے،

وما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

خدا تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا،

حدیث شریف میں آیا ہے.

بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ

میں سہل اور سیدھے مذہب کو لیکر مبعوث ہوا ہوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کی نسبت حدیث میں آیا ہے،

ما خیر بین امرین الا اختار ایسر ھما ما لم یکن اثما

آپکو جب کبھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے ان دونوں میں سے آسان تر چیز کو اختیار کر لیا بشرطیکہ وہ گناہ کی چیز نہ ہو

ویک کتاب و سنت کے علاوہ جو چیز ان کے معنی میں ہو وہ قیاس ہے،

اس کے بعد انھوں نے اختلاف پر بحث کی ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں یا اپنے رسول کی زبان سے جس چیز کے ساتھ یہ نص صریح دلیل قائم کی ہے، اس میں اس شخص کے لئے اختلاف جائز نہیں جس نے اس کو جان لیا، اور جس چیز میں تاویل کا احتمال ہے، یا وہ قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اس میں اختلاف جائز ہے، اس کے بعد وہ بہت سی ایسی مثالیں لائے ہیں جن کا حکم انھوں نے قیاس سے استنباط کیا ہے، اور اس قیاس میں ان کے جو مخالف تھے، ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے ان کی ذہانت، بیان اور وسعت اطلاع معلوم ہوتی ہے،

امام شافعیؒ کی تحریر میں مجھ کو سب سے زیادہ جو خوبی نظر آئی وہ یہ ہے کہ وہ جن لوگوں سے مناظرہ کرتے ہیں اُن کے اقوال کو نہایت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کی تمام امکانی قوت کی تفصیل کرتے ہیں، اس کے بعد ان کے دلائل کو توڑتے ہیں اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لئے حجت لانے کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی حالانکہ بعض متاخرین نے اُس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ "حدیث ایک ضرورت دینی ہے"، لیکن ان دونوں قولوں میں کس قدر فرق ہے!

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس عہد قدیم کی ایک بہترین یادگار ہے جس سے اس زمانے کے علماء کی بہت سی خصوصیات مثلاً حسن تحریر، حسن ادب، مناظرات میں مخالفین کا احترام، مناظرات کے وقت کتاب و سنت کا حاضر الذہن ہونا معلوم ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اصطلاحاتِ فقہیہ کا ظہور

قرآن مجید جس چیز کا خواستگار ہوتا تھا، اُس کا مطالبہ ان اسالیب بیان کے ساتھ تھا، جنکی توضیح ہم دورِ اول میں کر چکے ہیں، لیکن قوتِ مطالبہ میں ان میں کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر ترجیح حاصل نہیں ہے بلکہ اس میں سب کے سب برابر ہیں، اس معاملے میں حدیث کا بھی یہی حال تھا، لیکن فقہاء کی نگاہ میں جب یہ مطالبے الگ الگ صورتوں میں نمایاں ہوئے تو مجبوراً انھوں نے ان پر دلالت کرنے کے لئے الگ الگ نام رکھے، مثلاً فرض، واجب، سنت، مندوب، مستحب۔

فرض اور واجب ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا مطالبہ ضروری ہوتا ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک فرض وہ ہے جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول و دلالت دونوں میں قطعی ہو، مثلاً آیات قرآنیہ، اور وہ حدیثیں جو نص ہونے کے ساتھ تواتر یا شہرت کے ذریعہ سے قطعی طور پر ثابت ہوں، اور واجب وہ ہے، جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول، یا دلالت، یا دونوں طریقے سے ظنی ہو، مثلاً نماز کی دو رکعتوں میں قرآن مجید کی ممکن آیتوں کا پڑھنا ان کے نزدیک فرض اور ان دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اور فرض کے چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز باطل ہو جائے گی، اور سہواً واجب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا، اور قصداً واجب کے چھوڑنے پر اگر وقت باقی ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن اگر وقت نکل گیا تو وہ شخص گنہگار ہوگا، لیکن حنفیہ کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ جس چیز کا مطالبہ ضروری طور پر کیا جائے، وہ فرض اور واجب ہے، چاہے، یہ مطالبہ قطعی دلیل کے ساتھ ہو یا ظنی

ساتھ، البتہ یہ لوگ حج میں ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ شارعؑ کے جس مطالبہ کی تلافی نہیں ہوسکتی مثلاً عرفہ کا قیام اور کوچ کا طواف وہ فرض ہے، اور جس مطالبہ کے فوت ہوجانے کی قربانی سے تلافی ہوسکتی ہے مثلاً احرام وہ واجب ہے،

فقہاء کے نزدیک ایک اور فرض ہے جس کا نام فرض کفایہ ہے، اور وہ شارع کے اس مطالبہ کا نام ہے جس میں اس کا کرنے والا مقصود نہ ہو، اس لئے اگر کسی مکلف نے اس کو کردیا تو باقی لوگ گناہ سے سبکدوش ہوگئے، لیکن اگر سب نے اس کو چھوڑ دیا تو سب کے سب گنہگار ہوے،

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اس کی حقیقت سے خارج ہے تو فقہاء اس کو شرط کہتے ہیں، مثلاً نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا، اور اس کا جزو ہو تو اس کا نام رکن رکھتے ہیں، مثلاً نماز میں رکوع،

حنفیہ کی اصطلاح میں سنت اس کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو، البتہ کبھی کبھی اس کو بلاعذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کو آپ نے ہمیشہ نہ کیا ہو اور باوجود اس کی ترغیب دینے کے اس کو نہ کیا ہو، لیکن دوسری اصطلاح میں سنت، مندوب، اور مستحب کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ قطعی طور پر نہ کیا جائے۔ البتہ جس کو حنفیہ سنت کہتے ہیں اس کو یہ لوگ سنت مؤکدہ اور جس کو وہ لوگ مندوب اور مستحب کہتے ہیں اس کو یہ لوگ سنت غیر مؤکدہ کہتے ہیں، شارعؑ نے جس چیز سے باز رہنے کا مطالبہ کیا ہے، اس کو یہ لوگ اپنی اصطلاح میں حرام اور مکروہ کہتے ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حرام فرض کا مقابل، مکروہ تحریمی واجب کا مقابل اور مکروہ تنزیہی سنت کا مقابل ہے، اور ان کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک

Marfat.com

چونکہ واجب اور فرض دونوں ہم معنی ہیں، اس لئے حرام بھی ان ہی دونوں کا مد مقابل ہے، اور مکروہ تحریمی سنت موکدہ کا اور مکروہ تنزیہی بھی سنت غیر موکدہ کا مقابل ہے اور شارع نے جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے اس کو یہ لوگ مباح کہتے ہیں۔

فاسد اور باطل بھی فقہی اصطلاحات ہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں یعنی وہ چیز جس کا کرنا اس کے کرنے والے کے لئے کافی نہ ہو اور اس کا نتیجہ ظاہر نہ ہو، لیکن حنفیہ نے ان دونوں میں فرق قائم کیا ہے، اور باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، اور فاسد پر اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن برائی کے ساتھ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ سے معلوم ہو سکتی ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں اکثر اصطلاحات نو پیدا ہیں۔

۸ ــ اُن اکابر فقہاء کا ظہور جنکی سیادت کو عام طور پر لوگوں نے تسلیم کیا

دونوں گذشتہ دوروں میں اگرچہ بہت سے بڑے بڑے فقہاء تھے لیکن انکی شہرت اس سے زیادہ قائم نہیں رہی کہ کتب خلافیہ میں اُن کے اقوال منقول ہوتے ہیں، مثلاً فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہؓ اور فقہائے تابعینؒ کی عظیم الشان یادگاریں موجود ہیں کیونکہ یہی لوگ سلف صالح، اور بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل ہدایت ہیں لیکن بااینہمہ ان کے نام تذکرے رکھدیئے گئے، اور ان میں کوئی شخص جمہور کا پیشوا نہیں قرار دیا گیا جن کی تمام رایوں میں وہ لوگ تقلید کرتے ہوں لیکن اس دور میں ایسے ایسے مجتہدین پیدا ہوئے جن کو جمہور نے اپنا امام بنالیا، اور اُن کے نقش قدم پر چلنے لگے، ان کی رایوں پر عمل

کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کو بمنزلہ نصوصِ کتاب وسنت کے بنالیا جس سے تجاوز کرنا اُن کے لئے جائز نہ تھا،

ان مجتہدین کو جن اسباب سے یہ امتیاز حاصل ہوا وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) ان کی تمام رائیں مدون کرلی گئی تھیں، اور سلف میں کسی کو یہ بات حاصل نہ تھی،

(۲) ان کے تلامذہ نے اُن کے اقوال کی اشاعت وحمایت کی اور اُن کو سوسائٹی میں ایسا درجہ حاصل تھا، جس کی وجہ سے ان کی رائے قابل وقعت خیال کیجاتی تھی،

(۳) عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہوگیا تھا کہ قاضی کا جو مذہب ہو اس کا علم حاصل کریں تاکہ ان کی آزادی رائے سے یہ خیال نہ پیدا ہو کہ وہ قضایا کے متعلق خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اور یہ بات اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکتی جب تک اس کا مذہب مدون نہو،

اب ہم اُن فقہار کا جن کے مذاہب مدون کرلئے گئے تھے، اور مختلف ممالک میں ان کے مقلد موجود تھے، ان کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں،

(۱) امام ابو حنیفہؒ یعنی نعمان بن ثابت زوطی ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو دوسری صدی کی ابتدا میں حماد بن ابی سلیمانؒ سے فقہ حاصل کی اور بہت سے علمار تابعین مثلاً عطاء بن ابی رباحؒ اور نافعؒ مولیٰ ابن عمرؓ سے حدیث سنی، امام ابو حنیفہؒ نے وہ زمانہ پایا جس میں خلافت بنو امیہ سے منتقل ہوکر بنو عباس میں آئی اور اس انتقال کے زمانہ میں کوفہ عظیم الشان حرکت کا مرکز تھا، اور وہیں ابو عباس سفاح کی بیعت کی تکمیل ہوئی، لیکن اس حرکت کے زمانے میں ہم نے

ان کا کوئی ذکر نہیں سنا، البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی جانب سے عراق کا والی تھا، ان کے سامنے قضاءت کا منصب پیش کیا جاسکے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کیا۔ اور اس پر اس نے ان کو سزا دی گو ہم آسانی کے ساتھ قبول کرلیں کہ ایک شخص قضارت کے عہدے سے انکار کرتا ہے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرسکتے کہ اس کو اس پر سزا دی جاسکتی ہے، کیونکہ کوڑا لگانا انتہائی ذلت ہے اور کوئی عقلمند قضارت جیسے منصب کے قبول کرنے کے لئے جو امارت کے بعد سب سے بڑا منصب ہے، کسی کو یہ سزا نہیں دے سکتا، اگر یہ مان لیا جائے کہ اُدھر انکار کے سوا اور کچھ نہ تھا تاہم ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اس سے امیر کے دل میں ایسا بغض پیدا ہو سکتا تھا، جو اس کو اُس سزا کے دینے پر آمادہ کرسکتا تھا، بالخصوص ایسی حالت میں جب کوفہ میں بہ کثرت فقہار موجود تھے، اور ابن ہبیرہ آسانی کے ساتھ ان میں سے کسی فقیہ کو اس منصب کے لئے منتخب کرسکتا تھا،

میرا خیال یہ ہے کہ اس منصب کے پیش کرنے سے اُن کا امتحان مقصود تھا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ وہ حکومت سے کس قدر محبت رکھتے ہیں کیونکہ علما جس حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے، اس کے کسی منصب کو بھی قبول نہیں کرتے تھے، تاکہ اس طریقے سے اس حکومت کی تائید نہو،

اسی زمانہ میں کوفہ میں دو انقلاب انگیز شخص پیدا ہوئے، ایک زید بن علی بن الحسین جنھوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبداللہ کی خلافت اور یوسف بن عمر الثقفی کی امارت میں عراق میں بغاوت کی اور مقتول ہوئے، دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنھوں نے ۱۲۷ھ میں جب کہ سلطنت کے کاروبار میں بدنظمی پیدا ہوگئی تھی بغاوت کی

امام ابو حنیفہؒ نے جیسا کہ اُن کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے، زید کی تعریف کی تھی، اور ممکن ہے کہ عبد اللہ بن معاویہ کے زمانے میں بھی انھوں نے اسی قسم کے مدحیہ الفاظ کہے ہوں، اسلئے ابن ہبیرہ نے بنو امیہ کے ساتھ ان کی دوستی کے اندازہ لگانے کے لئے ان کے سامنے قضارت کا عہدہ پیش کیا، اور اُن کے قبول کرنے پر ان کو سزا دی، کیونکہ اسکو محسوس ہوا کہ وہ بنو امیہ سے منحرف ہیں، نہ اس لئے کہ انھوں نے قضارت سے انکار کیا،

امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اور معاملے کی سچائی میں مشہور تھے، اور لین دین ال مٹول کرنے سے نفرت کرتے تھے، شگفتہ رو، پاکیزہ صحبت اور اپنے بھائیوں کے ہمدرد تھے، اُن کا قد میانہ، گفتگو کا طریقہ عمدہ اور لہجہ نہایت شیریں تھا جعفر ابن ربیع کہتے ہیں کہ "میں نے امام ابو حنیفہ کے یہاں پانچ سال تک قیام کیا، لیکن میں نے ان سے زیادہ خاموش آدمی نہیں دیکھا، لیکن جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا تو نالے کی طرح بہنے لگتے تھے، اور غلغلہ انگیز گفتگو کرتے تھے، وہ قیاس کے امام تھے"، عبد اللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں: میں نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ غیبت سے کیوں احتراز کرتے ہیں؟ میں نے ان سے ان کے دشمن کی بھی غیبت نہیں سنی بولے وہ عقلمند آدمی ہیں یہ نہیں چاہتے کہ اپنی نیکیوں پر ایسی چیز غالب کر دیں جو اُن کا خاتمہ کر دے،

بہت سے طلبہ نے ان سے تعلیم حاصل کی، اور مسائل کے بنانے اور ان کے جواب دینے میں ان کی مدد کی، انھوں نے جو طریقۂ استنباط اختیار کیا تھا، اس کو خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے کتاب اللہ مل جاتی ہے، تو اس کو لے لیتا ہوں، لیکن جس مسئلہ کو کتاب اللہ میں نہیں پاتا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپ کے ان آثار کو لیتا ہوں جو ثقات میں شائع و ذائع ہیں، لیکن جب مجھکو کتاب و

Marfat.com

وسنت میں بھی وہ مسئلہ نہیں ملتا، تو آپ کے اصحابؓ کے قول کو لیتا ہوں، اور ان میں جس کو چاہتا ہوں لیتا ہوں، اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، اُن کے علاوہ اور کسی کے قول کو نہیں لیتا، جب ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن المسیب اور بھی مجتہدین کے نام لیئے ہیں) تک معاملہ پہنچتا ہے، تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے، اسی طرح میں بھی کر دوں،

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ثقہ کو لیتے ہیں، برائی سے بھاگتے ہیں، اور لوگوں کے معاملات اور اس چیز پر جس پر وہ ثقاہت کے ساتھ قائم ہیں، اور اس کی وجہ سے ان کے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں، نظر ڈالتے ہیں، وہ تمام مسائل کے متعلق قیاس کرتے ہیں، لیکن جب قیاس ٹھیک نہیں ہوتا تو جب تک استحسان سے کام چلتا ہے، استحسان سے کام لیتے ہیں، لیکن جب استحسان سے کام نہیں چلتا تو مسلمانوں کے عملدرآمد کی طرف رجوع کرتے ہیں، پہلے وہ حدیث معروف و مجمع علیہ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے، پھر جب تک قیاس ہو سکتا تھا، اس پر قیاس کرتے تھے پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور ان دونوں میں جو قابل اعتماد ہوتا تھا، اس پر عمل کرتے تھے،

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاسات میں مناظرہ کرتے تھے اور یہ لوگ اس میں ان کا مقابلہ کرتے تھے، لیکن جب وہ کہہ دیتے تھے کہ میں استحسان کرتا ہوں تو ان میں کوئی ان کی گرد کو نہیں پہنچتا تھا، کیونکہ وہ استحسان میں بہ کثرت مسائل لاتے تھے، اس لیئے وہ لوگ ان تمام مسائل کو چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے تھے، امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کے ماہر تھے، اور ان کے اہل شہر کا جو مذہب تھا اسکی شدت کے ساتھ تقلید کرتے تھے،

Marfat.com

ان کے زمانہ میں کوفہ میں تین بڑے بڑے فقیہ تھے،

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہلحدیث کے ائمہ میں تھے ان کی دینداری، ورع، زہد اور ثقاہت پر لوگوں کا اجماع ہے، اور ان ائمہ مجتہدین میں ہیں، جن کے مقلد موجود تھے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے حلال وحرام کا عالم ثوری سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا،

(۲) شریک بن عبد اللہ النخعی ۹۵ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے اور وہ عالم فقیہ اور ذہین تھے، مہدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے، پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول کر دیا قضارت میں عادل، حاضر جواب اور کثیر الصواب تھے، ۱۷۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی،

(۳) محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں پیدا ہوئے، اور اصحاب الرائے میں تھے، کوفہ میں قضارت کی خدمت انجام دی، اور ۳۳ سال تک حاکم رہے، پہلے بنو امیہ کے عہد میں پھر بنو عباس کے زمانے میں حکومت کی اور فقیہ اور مفتی تھے، امام ثوری کہتے ہیں "ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہمارے فقہا ہیں"، ۱۴۸ھ میں وفات پائی،

ان تینوں فقہا اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان نوک جھوک رہتی تھی، سفیان بن سعید ثوری سے تو اس لئے کہ اہل حدیث اور اہل الرائے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اور ابن ابی لیلیٰ سے اس لئے کہ وہ شہر کے قاضی تھے، اور جس چیز کے متعلق وہ اپنا فیصلہ صادر کرتے تھے بسا اوقات امام ابو حنیفہؒ سے اس کے متعلق استفسار کیا جاتا تھا، اور وہ ان کے خلاف فتوے دیتے تھے جس کا اثر ابن ابی لیلیٰ پر پڑتا تھا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ایک بار امیر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے روک دے، اور شریک اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی،

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو وہاں مختلف شہروں کے بہت سے

اکابر علمار کو طلب کیا، جن میں ایک امام ابو حنیفہؒ بھی تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں بھی انکے سامنے قضارت کا عہدہ دوبارہ پیش کیا گیا، اور اُس کی وجہ سے انکو سزا دی گئی،

امام ابو حنیفہؒ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی

جن تلامذہ نے اُن سے بحیثیت طالب العلم کے تعلیم پائی اور فردعات کی تفریع اور اُن کے جواب کے دینے میں اُن کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، ان میں سب سے زیادہ مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، اور جوان ہونے کے بعد روایت حدیث کرنے لگے، چنانچہ ہشام بن عروہ، ابو اسحاق شیبانی، عطار بن السائب اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی، اس کے بعد ابن ابی لیلیٰ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور اُن کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا، اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں آئے، ان کے اکابر تلامذہ اور بہترین مددگاروں میں محسوب ہوئے، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلمبند کروائے، ان کی اشاعت کی اور تمام روئے زمین میں امام ابو حنیفہؒ کے علم کو پھیلا دیا، بہت سے اصحابِ حدیث نے بھی امام یوسفؒ کی تعریف کی ہے، حالانکہ وہ اصحاب الرائے کی تعریف میں بہت کم تعریفی الفاظ کہتے ہیں، مثلاً یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "اصحاب الرائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت کوئی شخص نہیں،" انھوں نے ان کی نسبت یہ الفاظ بھی کہے ہیں،" ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب السنۃ" امام ابو یوسف نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی،

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے، پہلے اہلِ حدیث تھے،

Marfat.com

اس قسم کی اور بھی متعدد آیتیں اور حدیثیں ہیں، اور فقہا نے بھی اس کو ایک شرعی اصل قرار دیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے بہت سے احکام مستنبط کیے ہیں،

یہ ایک قطعی اصل ہے اور اسی اصل کی بنا پر شریعت میں رخصتیں ہیں مثلاً مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا، بوقت ضرورت حرام چیز کو مباح کر دینا، اور تیمم کرنا مشروع ہے،

قلتِ تکلیف

قلتِ تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ تکلیف کی کثرت میں مختلف قسم کی تنگیاں ہیں، جو شخص اوامر و نواہی کی تحقیقات کے لئے قرآن مجید کا مطالعہ کریگا، اسکو اس اصل کی صحت کا یقین نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائیگا، کیونکہ

(۱) اولاً اُن کی تعداد نہایت کم ہے،

(۲) ثانیاً تھوڑی سی مدت میں اُن کا علم حاصل ہو سکتا ہے،

(۳) ثالثاً ان پر نہایت آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے،

(۴) اُن میں اس کثرت سے تفصیل نہیں پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے تنگیاں پیدا ہوں،

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے،

یاایھا الذین آمنوا لا تسئلوا عن اشیآء ان تبد لکم تسوءکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم	مسلمانو! چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو، اگر وہ تم پر ظاہر ہو گئیں تو تم کو ضرر پہونچائیں گی اگر تم نے انکے متعلق نزول قرآن کے وقت سوال کیا، تو وہ تم پر ظاہر ہو جائینگی، خدا نے انکو معاف کر دیا، اور خدا بخشنے والا بردبار ہے تم سے پہلے ا۔

Marfat.com

پھر ان پر رائے کا غلبہ ہوگیا، اور امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے لوگ کہتے تھے، کہ امام ابویوسفؒ ان لوگوں میں سب سے زیادہ متبع حدیث، امام محمدؒ سب سے زیادہ کثیر التفریع اور زفر سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہیں، وہ دنیوی کشمکش سے الگ رہ کر ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہے، یہاں تک کہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے ان ہی نے انتقال کیا،

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے، ان کے باپ دمشق کے صوبوں میں سے ایک گاؤں حرستی نامی کے رہنے والے تھے، اس کے بعد عراق میں آئے اور محمد واسط میں ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، اور کوفہ میں نشو و نما پائی، اس کے بعد عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں اقامت اختیار کی، اور بچپن ہی سے علم حاصل کرنے لگے، اور حدیث کی روایت کی اور امام ابوحنیفہؒ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا، لیکن چونکہ ان کی کمسنی ہی میں امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوگیا، اس لئے ان کے حلقۂ درس میں زیادہ نہ بیٹھ سکے، اور امام ابویوسفؒ سے اس طریقہ کی تکمیل کی، چونکہ وہ عاقل اور ذہین تھے، اس لئے بہت زیادہ ترقی کی اور امام ابویوسفؒ کی زندگی ہی میں اہل الرائے کا مرجع بن گئے، ان دونوں میں باہم نوک جھوک رہتی تھی، جو ایک مدت تک قائم رہی، یہاں تک کہ امام ابو یوسف نے وفات پائی،

امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمد ہی کی ذات سے قائم ہوا، کیونکہ جیسا کہ تم کو فصل تدوین میں معلوم ہوگا، حنفیوں کے پاس صرف ان ہی کی کتابیں موجود ہیں، امام شافعی نے بغداد میں ان سے ملاقات کی، اور اُن کی کتابیں پڑھیں، اور بہت سے مسائل میں ان سے مناظرہ کیا، ان دونوں کے مناظرے مدون طور پر موجود ہیں، اور

ان کا بیشتر حصہ ہم نے خود امام شافعی اور اُن کے تلامذہ کی روایت سے پڑھا ہے، امام محمد
رے میں جب کہ وہ رشید کے ہمراہ تھے ۱۸۹ھ میں وفات پائی،

(۴) حسن بن زیاد لولوی کوفی جو انصار کے غلام تھے، وہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، ان کے
بعد امام ابویوسف کے پھر امام محمد کے شاگرد ہوئے، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کتا
تصنیف کیں، لیکن امام محمد کی رایوں اور کتابوں کو جو اعتبار حاصل ہوا، وہ ان کی کتابوں
کو حاصل نہیں ہے، اور اہلِ حدیث کے نزدیک ان کا درجہ پست ہے، انھوں نے ۲۰۴ھ
میں وفات پائی، عراقیوں کا مذہب ان ہی چار بزرگوں سے پھیلا، اور لوگوں نے ان ہی
سے ان کی تعلیم پائی، اور امام یوسف اور امام محمد کو عباسیوں کے دربار میں جو خصوصیت حاصل
تھی اس نے ان کے علاوہ دوسرے اہلِ حدیث پر اُن کے اقوال کو مقدم کر دیا، فقہ کے
مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی اُن کو بہت بڑا شرف حاصل تھا، اور امام
ابوحنیفہ کی طرف جو نسبت تھی وہ مقلد کی نہ تھی، بلکہ ان کے درمیان متعلم و معلم کا تعلق تھا، اس کے
ساتھ یہ لوگ فتوی دینے میں بھی مستقل حیثیت رکھتے تھے، اور صرف استاد کے فتوے پر
قناعت نہیں کرتے تھے، بلکہ اگر کوئی وجہ مخالفت معلوم ہوتی تھی، تو ان کی مخالفت کرتے
تھے، یہی وجہ ہے کہ کتبِ حنفیہ میں ان چاروں اماموں کے اقوال مع دلیل کے نقل
کئے جاتے ہیں، اور بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار و معانی کے لحاظ سے چار اقوال
ہوتے ہیں، ایک قول امام ابوحنیفہ کا ہوتا ہے، دوسرا امام ابویوسف کا، تیسرا امام محمد کا
اور چوتھا قول امام زفر کا ہوتا ہے، بعض حنفیہ نے ان سب کے تمام مختلف اقوال کو امام
ابوحنیفہ ہی کا قول ثابت کرنا چاہا ہے، جن سے انھوں نے رجوع کیا ہے، لیکن یہ ان
ائمہ کی تاریخ بلکہ خود ان کی کتابوں کی تصریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ امام ابویوسف

کتاب الخراج میں ابو حنیفہؒ کی رائے بیان کرتے ہیں، پھر بہ تصریح اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف ہیں، اور وجہ اختلاف بھی بیان کر دیتے ہیں، کتاب خلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ دونوں کی رائے کو بیان کرکے کبھی کبھی ابن ابی لیلی کی رائے اختیار کر لیتے ہیں، امام محمدؒ بھی اپنی کتابوں میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اپنے اقوال کو اختلاف کی تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور اگر ان لوگوں کا یہ قول صحیح ہوتا کہ یہ وہ اقوال ہیں، جن سے امام ابو حنیفہؒ نے رجوع کیا ہے تو یہ مسئلہ اختلاف ثبوت کا ہوتا، اختلافِ رائے کا نہ ہوتا، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جب اہل حجاز کی حدیثوں سے واقف ہوئے تو امام ابو حنیفہ کی بہت سی رایوں سے رجوع کر گئے، اس لئے تاریخی طور پر یہ ثابت ہے، کہ ابو حنیفہؒ کے بعد ہم نے جن ائمہ حنفیہ کا ذکر کیا ہے، وہ ان کے مقلد نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے کے مسلمانوں میں تقلید نہیں پیدا ہوتی تھی، بلکہ مفتی لوگ فتوے دینے میں مستقل حیثیت رکھتے تھے، ان کو جیسی دلیلیں معلوم ہوتی تھیں، ویسا ہی فتوے دیتے تھے، اپنے اساتذہ کی مخالفت اور موافقت دونوں صورتوں میں ان کا یہی حال تھا، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ وہی نسبت تھی، جو امام شافعیؒ کو امام مالکؒ کے ساتھ حاصل تھی،

امام ابو حنیفہؒ کے جن شاگردوں نے انکی کتابیں نقل کیں، انکے نام حسب ذیل ہیں،

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی، امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور امام مالکؒ وغیرہ سے حدیثیں سنیں اور ان کے بہت سے نوادر مسائل ہیں، جن کو انھوں نے امام محمد سے سن کر لکھا ہے، انھوں نے ۲۱۱ھ میں وفات پائی،

(۲) احمد بن حفص جو ابو حفص الکبیر البخاری کے نام کے ساتھ مشہور ہیں، امام محمدؒ سے

فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور اُن سے ان کی کتابوں کی روایت کی، امام محمدؒ کی مبسوط
نسخہ میں نے دیکھا ہے، وہ اُن ہی کا لکھا ہوا ہے،

(۳) بشر بن غیاث المریسی، امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی، اور ان کے مخصوص تلا
میں داخل تھے، اگرچہ وہ زاہد اور متورع شخص تھے، لیکن چونکہ علم فلسفہ میں بھی مشہور
اس لئے لوگوں نے ان سے اعراض کیا، اور امام ابو یوسف بھی ان کو برا کہتے تھے، اور ان
اعراض کرتے تھے، انھوں نے ۲۲۸ھ میں وفات پائی، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، ا
انھوں نے امام ابو یوسف سے بہت سی روایتیں کی ہیں، مذہب کے متعلق ان کے بہت
سے غریب اقوال ہیں، جن میں ایک گدھے کے گوشت کھانے کا جواز ہے، ان میں
اور امام شافعیؒ میں بہت سے مناظرات ہوئے، اور ان کی طرف مرجئہ کا ایک فرقہ
منسوب ہے، جس کو مریسیہ کہتے ہیں،

(۴) بشر بن ولید کندی، امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کی کتب وامالی
کی روایت کی اور معتصم کے زمانے میں بغداد کے قاضی مقرر ہوئے، اور ۲۳۸ھ میں وفات
پائی، وہ امام محمد سے بغض رکھتے تھے، اور حسن بن مالکؒ ان کو اس سے روکتے تھے، اور
کہتے تھے کہ امام محمد نے یہ کتابیں تصنیف کیں، تم صرف ایک ہی مسئلہ ایجاد کر دو، و
فقہ میں وسیع العلم اور عبادت گذار تھے،

(۵) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ قاضی، امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل
کی، اور محدث تھے، بصرہ میں ۲۲۱ھ میں وفات پائی،

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد، ابو یوسفؒ اور امام محمد سے روایت حدیث
کی، اور امام ابو یوسف، امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم پائی اور امام ابو یوسف

اور امام محمد سے نوادر مسائل لکھے، ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی، اور ۱۹۲ھ میں بغداد میں مامون کے قاضی مقرر ہوئے، جب ان کا انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ "اہل الرائے میں ریحانۃ الفقہار کا انتقال ہوا"

(۷) محمد بن شجاع الثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ سیکھی اور علم میں کمال حاصل کیا، اپنے زمانے میں عراق کے فقیہ تھے، اور زہد و عبادت کے ساتھ فقہ و حدیث میں مقدم خیال کئے جاتے تھے، ۲۶۷ھ میں وفات پائی، اور تصحیح الآثار، کتاب النوادر، اور کتاب المضاربہ وغیرہ ان کی تصنیفات میں ہیں، وہ معتزلہ کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے، اور اہل حدیث کے نزدیک ضعیف الروایہ تھے، چنانچہ انھوں نے ان پر بہت سی جرحیں لکھا ہیں،

(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی، امام محمد سے فقہ سیکھی، اور اصول و امالی کے مسائل لکھے، دوسری صدی کے بعد وفات پائی،

(۹) ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے البصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بنا پر ان کو رائے کہا گیا جس طرح ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے، امام ابو یوسف اور زفر سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور شروط اور احکام الوقف میں ان کی ایک تصنیف ہے ۲۴۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ، محمد بن سماعہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو جعفر طحاویؒ کے استاد ہیں، ۲۸۰ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام الحجج ہے،

(۱۱) احمد بن عمر بن الشہیر بالخصاف، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے حسن ابن زیاد سے تعلیم حاصل کی، وہ فرائض کے عالم، حساب کے ماہر اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے

عالم تھے، اور مہدی باللہ کے لئے کتاب الخراج تصنیف کی، اور کتاب الحیل کتاب الوصایا
کتاب الشروط اور کتاب الوقف وغیرہ اُن کی تصنیفات سے ہیں، انھوں نے ۲۶۱ھ
میں وفات پائی،

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی المصری ۱۸۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے،
ہلال الرائے سے فقہ تعلیم حاصل کی، اپنے زمانہ کے لوگوں میں مذہب میں سب سے بڑے
فقیہ تھے، کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوثائق والعہد لکھی اور امام شافعی نے
امام ابو حنیفہؒ کا جو رد کیا ہے، اسکی تردید میں ایک بڑی کتاب لکھی، انھوں نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی،

(۱۳) قاضی ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز، عیسیٰ بن ابان اور ہلال سے فقہ کی
تعلیم حاصل کی، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ان کی
تصنیفات سے ہیں، ۲۹۲ھ میں وفات پائی،

(۱۴) ابو سعید احمد بن الحسین البردعی، انھوں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے
بواسطہ اپنے باپ دادا کے اور ابو علی دقاق سے بواسطہ موسیٰ بن نصیر کے محمد سے
فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور ۳۱۷ھ میں حجاج کے ساتھ واقعہ قرامطہ میں مقتول ہوئے،
انھوں نے اہل ظاہر کے امام داؤد بن علی کے ساتھ ایک مناظرہ کیا ہے،

(۱۵) ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاویؒ اس دور میں متاخرین کے امام
گذرے ہیں، ۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور پہلے امام شافعیؒ کے شاگرد مزنی سے تعلیم حاصل
کی جو ان کے ماموں تھے، اس کے بعد قاضی ابو جعفر احمد بن ابی عمرانؒ کے حلقۂ درس میں
شامل ہوئے اور ان سے فقہ سیکھی، پھر شام میں قاضی القضاۃ ابو خازم کے پاس گئے اور
اُن سے علم حاصل کیا، وہ اخبار و حدیث کے امام تھے، اور اپنی تصانیف کے ذریعہ سے

...ن کا تذکرہ بعد کو کیا جائیگا، اپنے معاصرین پر تفوق حاصل کیا،

دوسرے امام، امام مالکؒ ہیں،

اُن کا نام مالک بن انس بن مالکؒ بن ابی عامر ہے، ان کا سلسلۂ نسب یمنی قبیلہ ذو اصبح تک منتہی ہوتا ہے، ان کے اجداد میں سے ایک شخص مدینہ میں آئے، اور وہاں آباد ہوگئے، اُن کے دادا ابو عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ہیں، اور بدر کے سوا تمام غزوات میں آپکے ساتھ شریک ہوئے ہیں، امام مالکؒ مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور علمائے مدینہ سے تحصیل علم کی، چنانچہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے، اور ایک طویل مدت تک بلا شرکت غیرے ان سے علم حاصل کرتے رہے، اور نافع مولیٰ ابن عمرؓ اور ابن شہاب زہری سے بھی تعلیم حاصل کی، فقہ میں ان کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن المعروف بربیعۃ الرائے ہیں، جب ان کے شیوخ نے ان کو فقہ و حدیث کی اجازت دیدی تو روایت و فتویٰ کی مسند پر بیٹھے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک ستر شیوخ نے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں اس مسند پر نہ بیٹھا،

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، کہ وہ علم حدیث کے امام ہیں، اور ان کی روایت قابلِ اعتماد ہے، ان کے شیوخ، ہمسر اور ان کے بعد کے لوگ اس پر متفق ہیں، یہانتک کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ صحیح ترین حدیث وہ ہے، جو امام مالکؒ حضرت ابن عمرؓ سے بواسطہ نافع کے روایت کرتے ہیں، اس کے بعد وہ سلسلۂ روایت ہے، جو مالکؒ سے شروع ہو کر بہ ترتیب زہری، اور سالم کے واسطہ سے حضرت ابن عمرؓ تک پہنچتا ہے پھر وہ سلسلہ ہے جس کی روایت امام مالکؒ بہ ترتیب ابو الزناد، اور اعرج کے ذریعہ سے حضرت ابوہریرہؓ سے کرتے ہیں،

واقدی وغیرہ کہتے ہیں کہ امام مالک کی مجلسِ علم نہایت باوقار تھی، اور وہ رعب دار آدمی تھے، ان کی مجلس میں مجادلہ اور شور و شغب نہیں ہوتا تھا، جب اُن سے کوئی سوال کیا جاتا تھا، اور وہ سائل کو کوئی جواب دیدیتے تھے، تو وہ ان سے یہ نہیں پوچھتا تھا کہ تم اس سوال کا جواب کس ماخذ سے دیا، حبیب نامی ایک شخص ان کا کاتب تھا جس نے ان کی کتابیں لکھی تھیں، وہ طلبہ کی جماعت کے سامنے ان کتابوں کو پڑھتا تھا، لیکن حضار میں نہ کوئی شخص ان کے قریب جا سکتا تھا، نہ ان کی کتابوں کو دیکھ سکتا تھا، اور نہ ان سے پوچھ کچھ کر سکتا تھا، اور یہ سب ان کے ہیبت و جلال کا نتیجہ تھا، حبیب جب غلطی کرتا تھا، تو امام مالکؒ اس کی تصحیح کر دیتے تھے، اور ان کی عادت یہ تھی، کہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے، لیکن یحییٰ بن بکیر کا بیان ہے کہ انھوں نے امام مالک سے موطا چودہ بارسنی اور زیادہ تر اس کو امام مالک نے خود پڑھ کر سنایا اور بعض مرتبہ انھوں نے خود پڑھا،

امام مالک سے بہت سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی، اور بہت سے فقہا نے ان کی تقلید کی، کیونکہ امام مالک میں دو وصف جمع ہو گئے تھے، ایک تو وہ محدث، دوسرے مفتی اور مستنبط تھے، اس لئے پہلے وصف کے لحاظ سے اُن کے اکابر شیوخ مثلاً ربیعہ، یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ اور ان کے ہمسروں میں سفیان ثوریؒ، لیث بن سعدؒ اور سفیان بن عینیہؒ اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور اُن کے اکابر تلامذہ محمد بن ادریس شافعیؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی اور دوسری حیثیت سے ان کے ائمہ مذاہب میں جن کا ذکر عنقریب آئے گا، کبار علما نے ان سے مسائلِ فقہ سیکھے،

امام مالکؒ اپنے فتاوی میں اولاً کتاب اللہ پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن حدیثوں پر جو اُن کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد کرتے تھے، اور اس معاملہ میں اُن کا دارومدار علمائے حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا جس چیز پر اہلِ مدینہ عامل تھے، بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں مقدم ترین شخص عمران تھے، وہ نہایت اہمیت دیتے تھے، بلکہ حدیث کو بھی اسلئے رد کر دیتے تھے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ مختلف ملکوں کے علماء نے اس بارے میں ان سے مخالفت کی ہے، اور امام لیث بن سعد نے اس بارے میں انکو جو خط روانہ کیا ہے، ہم اوپر اسکو نقل کر آئے ہیں، اور کتاب الام میں امام شافعیؒ نے اور اسی طرح امام ابو یوسف نے ان کی تردید کی ہے، لیکن جب قرآن مجید کی نص یا حدیث نہیں ملتی تھی، تو وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے۔ جس طرح حنفیہ کی طرف استحسان کی نسبت کی گئی ہے اسی طرح ان کی طرف عمل بالمصالح المرسلہ کی نسبت بھی کی گئی ہے، ان ہی مصالح کو استصلاح بھی کہتے ہیں، اور مصالح مرسلہ اُن مصالح کو کہتے ہیں، جن کے بطلان اور اعتبار کی شہادت کسی نص معین نے نہیں دی ہے، اور ان پر عمل کرنے میں اختلاف اُس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی نص یا قیاس کے مخالف ہو، مثلاً چوری کے اقرار کے لئے کسی شخص کو مارنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن اور لوگ اس مسئلہ میں ان کے مخالف ہیں، کیونکہ دوسری اس مصلحت کے معارض ہے، اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے، جس کو مارا گیا ہے، کیونکہ وہ بعض اوقات بری ہوتا ہے، اور مجرم کو سزا نہ دینا، ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے سے آسان ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس طریقہ سے مال کا برآمد کرنا دشوار ہو جائے گا تو اس طریقہ سے ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا، اس کی ایک مثال وہ عورت بھی ہے، جس کا شوہر غائب ہو گیا، اور اس کے مرنے اور

جینے کی خبر معلوم نہیں ہوتی، اس نے چند سال انتظار بھی کر لیا، اور شوہر کی علحدگی سے نقـ
اٹھایا، نیز وہ عورت بھی ہے، جس کو برسوں سے حیض نہیں آتا، اور اس کی عدت رک
گئی، اور وہ نکاح نہ کر سکی، ان دونوں عورتوں کے متعلق امام مالکؒ نے عمر کا لحاظ کیا
اور اُن کا قول یہ ہے کہ پہلی عورت خبر کے نہ آنے کے چار سال بعد نکاح کر سکتی ہے
اور دوسری عورت کو مدتِ حمل یعنی نو ماہ کے گذر جانے پر تین مہینہ تک عدت میں
بیٹھنا چاہئے، اس لئے اس کا مجموعہ ایک سال ہوگا، پہلی صورت میں ان لوگوں نے
زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے، اور غائب شدہ شوہر کی مصلحت کو نظر انداز کر دیا ہے،
اور دوسری صورت میں بھی زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے، حالانکہ وہ اس نصِ صریح
کے مخالف ہے،

والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروٓء (بقرہ - ۲۸ع)

اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک انتظار کریں،

اور وہ ابتک سن یاس کو نہیں پہونچی ہے کہ مہینوں کے حساب سے عدت گذارے،
خلاصہ یہ کہ مصلحتِ مرسلہ اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس سے کسی ایسے مقصد شرعی
کی حفاظت کی جائے جس کا مقصدِ شرعی ہونا کتاب، یا سنت، یا اجماع سے معلوم ہو
البتہ اس کے قابلِ اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معین نہ دے سکے، بلکہ اس کا
مقصود ہونا ایک دلیل سے نہیں بلکہ دلائل کے مجموعہ، حالات کے قرائن، اور متفرق
علامتوں سے معلوم ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کو مصلحت مرسلہ (یعنی غیر معینہ) کہتے ہیں اس
کی پیروی کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ جب کوئی دوسری مصلحت اس کی
معارض ہوتی ہے، تو جیسا کہ ہم نے استحسان کے متعلق بیان کیا ہے، ان دونوں مصلحتو

قد سالھا قوم من قبلکم ثم اصبحوا بھا کافرین — قوم نے اُن چیزوں کا سوال کیا، پھر ان کی منکر ہو گئی،

یہ سوالات جن سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے، اُن چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کو خدا نے معاف کر دیا ہے یعنی ان کی حرمت سے خاموشی اختیار کی ہے، اس بنا پر ان کے متعلق ان کا سوال ان کی حرمت کا سبب ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرتے تو وہ اسی طرح معاف رہتیں، اور ان کو ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق جب یہ سوال کیا گیا،

افی کل عام — کیا وہ ہر سال فرض ہے،

تو اس کے جواب میں آپ کا یہ ارشاد

لو قلت نعم لوجبت ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ مسائلھم واختلافھم علی انبیائھم — اگر میں کہتا کہ "ہاں" تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا، جب میں تمکو چھوڑ دوں تم بھی مجھے چھوڑ دو، کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے کثرتِ سوالات اپنے انبیاء کی مخالفت کرنے سے ہلاک ہوئے،

بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے،

اعظم المسلمین جرما ما سال عن شئی لم یحرم علی المسلمین فحرم علیھم من اجل مسالتہ — مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے ایک ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں کی گئی تھی لیکن اسکے سوال کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی، خدا نے چند فرائض مقرر کر دیئے پس انکو ضائع نہ کرو،

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء — چند حدود مقرر کر دیئے ان سے آگے نہ بڑھو، چند چیزیں حرام

کے ترجیح دینے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، (مستصفیٰ غزالی میں دیکھو مصالح مرسلہ کی فصل کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہے)

جب ہم امام مالکؒ کے مذہب کی کتابوں پر بحث کریں گے، تو ان کے بہت سے مسائل کا تذکرہ کریں گے،

امام مالکؒ نے مدینہ ہی میں قیام کیا، اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے، یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر حدیثیں اہلِ حجاز کی روایت کردہ ہیں، اور ان کی مؤطا میں حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کم آتا ہے،

لوگ سفر کرکے اُن کے پاس آئے، اور اُن سے حدیث اور مسائل سیکھے، یہاں تک کہ انھوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی، زیادہ تر ان کے پاس مصری اور مغربی یعنی اہل افریقہ اور اہل اندلس سفر کرکے آئے، اور ان ہی لوگوں نے تمام شمالی افریقہ، اور اندلس میں ان کے مذہب کی اشاعت کی، اس کے بعد ان علماء کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ ہم کریں گے بصرہ، بغداد اور خراسان میں ان کا مذہب پھیلا،

مصریوں میں جو لوگ ان کے پاس سفر کرکے آئے، اور وہی لوگ ان کے مذہب کا ستون ہیں، اُن کے نام حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم قرشی، جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے، امام مالکؒ، لیث بن سعدؒ، سفیانؒ بن عیینہ، سفیانؒ ثوری اور امام مالکؒ کے طبقہ میں ان کے علاوہ اور لوگوں سے روایت حدیث کی اور امام مالکؒ اور امام لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ ۱۴۸ھ میں امام مالکؒ کے پاس آئے، اور ان کی وفات تک اُن کی خدمت میں رہے، امام مالکؒ ان کو خط میں عبد اللہ بن وہبؒ، فقیہ مصر، اور "ابو محمد مفتی" لکھتے تھے، اور

ان کے سوا یہ اور کسی کو نہیں لکھتے تھے، ان کے متعلق اُن کا یہ قول تھا کہ" ابن وہب عالم ہیں"
محمد بن عبد الحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں، اور وہ
القاسم سے بڑھ کر فقیہ ہیں، البتہ تورع کی وجہ سے وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے، اصبغ بن وہب کہتے
ہیں، کہ" تلامذۂ امام مالکؒ میں وہ سنن و آثار کے سب سے بڑے عالم ہیں، البتہ انھوں نے ضعفا
سے روایت کی ہے" وہ دیوانِ علم کہے جاتے تھے، اور ان کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو امام
مالکؒ نے جھڑکی نہ دی ہو کیونکہ وہ ان کی تعظیم اور محبت کرتے تھے، ابن وہب کہتے ہیں کہ" اگر
خدا نے امام مالکؒ اور امام لیث کے ذریعہ سے مجھے نہ بچایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا"، لوگوں
نے کہا،" کیونکر"، بولے" میں نے اس کثرت سے حدیث کی روایت کی کہ اس نے مجھے حیرت میں
ڈال دیا لیکن میں ان کو امام مالکؒ اور امام لیثؒ کے سامنے پیش کرتا تھا، تو وہ کہتے تھے کہ" یہ
کو لے لو اور کچھ چھوڑ دو" وہ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۹۷ھ میں بمقام مصر وفات پائی،

(۲) ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن القاسم العتقی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے، امام مالکؒ
لیثؒ، ابن الماجشون اور مسلم بن خالد وغیرہ سے روایتِ حدیث کی تقریباً ابن وہبؒ کے
دس سال بعد امام مالکؒ کی طرف سفر کیا، اور بہت دنوں تک ان کی صحبت
میں رہے، اور مالکؒ کے علم کو دوسروں کے علم کے اختلاط سے محفوظ رکھا
یہاں تک کہ امام مالکؒ کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہو گئے، امام مالکؒ
سے ان کے اور ابن وہب کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا کہ ابن وہب
عالم اور ابن القاسم فقیہ ہیں، خود ابن وہب نے ابو ثابتؒ سے کہا
کہ اگر تم امام مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار
کرو، کیونکہ وہ صرف ان ہی کی صحبت میں رہے، اور ہم نے دوسروں سے بھی فائدہ اٹھایا

یحیٰ ابن یحیٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم علم مالک کے سب سے بڑے عالم اور اس بارے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے، انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی امام مالک اور امام لیث وغیرہ سے روایت حدیث کی اور امام مالک اور مدنی اور مصری علماء سے فقہ کی تعلیم پائی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اشہب سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، اور ابن القاسم کے بعد وہی مصر کے پیشوا تسلیم کئے گئے، سحنون سے سوال کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب میں زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو بولے کہ وہ دونوں گھوڑدوڑ کے دو گھوڑوں کے مثل تھے، کبھی یہ بازی لیجاتا تھا اور کبھی وہ، اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۰۴ھ میں بمقام مصر وفات پائی،

(۴) ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث، امام مالک، لیث بن سعد، ابن عیینہ اور ابن لہیعہ وغیرہ سے حدیث سنی، وہ ایک صالح، ثقہ، امام مالک کے مذہب کے محقق صادق، عاقل اور حلیم شخص تھے، اور اشہب کے بعد مصر کے پیشوا قرار پائے، مصر میں عبدالحکم کی اولاد نے وہ جاہ و ترقی حاصل کی جو کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھی، وہ امام شافعی کے دوست تھے، اور جب آئے تھے تو انہی کے یہاں اترے تھے، وہ اُن کے ساتھ نہایت لطف و مدارات سے پیش آئے تھے، انھوں نے امام شافعی ہی کے بیان وفات پائی اور اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے ان کی کتابیں لکھیں، اور اپنے فرزند محمد کو اُن کے ساتھ ملحق کر دیا، ابن القاسم، ابن وہب اور اشہب نے ابن عبدالحکم کو صحبت کی، وہ ۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی،

(۵) اصبغ بن الفرج الاموی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے، امام مالک سے حدیث سننے کے لئے مدینہ کا سفر کیا، لیکن اُن کے عین وفات کے دن مدینہ میں پہونچے، اس لئے

ابن القاسم، ابن وہبؒ اور اشہبؒ سے تعلیم حاصل کی، اُن سے حدیث سنی، اور ان کے ساتھ فقہ سیکھی، وہ ابن وہبؒ کے بزرگ ترین شاگرد اور اُن کے منشی اور مخصوص لوگوں میں تھے، اشہبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہمارا پیشوا کون ہوگا؟ بولے اصبغ ابن الفرج ابن اللباد کہتے ہیں، کہ مجھ کو فقہ کا جو طریقہ بھی معلوم ہوا وہ اصبغ ہی کے اصول سے معلوم ہوا اشہبؒ اور اُن کے علاوہ اُن کے اور شیوخ کے ساتھ اُن سے بھی فتویٰ پوچھا جاتا تھا ابن معین کا قول ہے کہ تمام خلق اللہ میں ابن اصبغ امام مالک کی رائے کے سب سے بڑے عالم تھے، ایک ایک مسئلہ کرکے اس کو جانتے تھے،

(۶) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم اپنے باپ اور ابن وہب اور اشہبؒ اور ابن قاسم وغیرہ تلامذہ مالکؒ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں رہے، اُن سے تعلیم حاصل کی اور اُن کی کتابیں لکھیں، ان کے باپ نے ان کو امام شافعی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان سے اور اشہب سے پڑھیں اور وہ اور لوگوں سے زیادہ ان کی فقہ سے واقف تھے، ابن حارثؒ کہتے ہیں، وہ علمائے فقہ میں کامل، اور اہل نظر تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اور جس مذہب کے مقلد تھے، اس پر مناظرہ کرتے تھے، اور حجت لاتے تھے، علم و فقہ حاصل کرنے کے لئے لوگ مغرب اور اندلس سے اُن کے پاس سفر کرکے آتے تھے، اور مصر کے پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے سنہ ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۶۸ھ میں وفات پائی،

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن المواز، ابن الماجشون اور ابن عبدالحکمؒ سے فقہ کی تعلیم پائی اور اصبغ پر اعتماد کیا، اور بحث میں ابن قاسمؒ سے روایت کی، مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور فقہ اور فتویٰ میں وہ ایک عالم راسخ تھے سنہ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں سنہ ۲۶۹ھ میں وفات پائی،

Marfat.com

اہل افریقہ اور اہل اندلس میں امام مالکؒ کے تلامذہ حسب ذیل تھے،

(۱) ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن القرطبی الملقب بشبطونؒ، امام مالکؒ سے موطا سنی اور فتاوی کے متعلق بھی انھوں نے ان سے سن کر ایک کتاب مرتب کی جو سماع زیاد کے نام سے مشہور ہے، وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، جن میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں، زیادہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقیہانہ حیثیت سے موطا کو امام مالکؒ سے سنکر اندلس میں داخل کیا، اس کے بعد یحییٰ بن یحییٰ نے ان کی تقلید کی، اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہتے تھے، اور انھوں نے امام مالکؒ کی طرف دو سفر کئے تھے، ۱۹۳ھ میں وفات پائی،

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسی، سفر کر کے آئے، اور ابن قاسم سے سنا اور ان پر اعتماد کیا، اور اندلس کو واپس گئے، قرطبہ میں فتاوے ان ہی کے پاس آتے تھے، اور ان کے زمانے میں کوئی شخص اُن پر ترجیح نہیں رکھتا تھا، اور مشرق سے واپس آنے کے بعد وہی اہل قرطبہ کے پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے، ابن قاسم ان کی تعظیم کرتے تھے اور فقہ و ورع میں ان کے مداح تھے، ان کے ہمسروں میں کوئی شخص اندلس میں ان سے زیادہ فقیہ نہیں خیال کیا جاتا تھا، ابن معین کہتے ہیں کہ ہمارے اہل مصر کو انھی نے مسائل سکھائے، یحییٰ بن یحییٰ کی جلالت شان کے باوجود وہ ان سے زیادہ فقیہ تھے، جب وہ ابن القاسمؒ سے رخصت ہوئے، تو انھوں نے تین کوس تک ان کی مشایعت کی، لوگوں نے اس پر اعتراض کئے تو بولے کہ تم اس پر مجھے ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایک ایسے شخص کی مشایعت کی جس نے اپنے بعد اپنے سے زیادہ فقیہ اور زاہد شخص کو اپنا قائم مقام نہیں چھوڑا، انھوں نے ۲۱۲ھ میں بہ مقام طلیطلہ وفات پائی

(۳) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی جو اُن کے آزاد کردہ غلام تھے، ابتدار میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے موطائے امام مالکؒ سُنی، اس کے بعد ۲۸ سال کے بن میں سفر کیا، اور امام

مالکؒ سے موطا سُنی، البتہ کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو شک پیدا ہوا، تو زیاد سے ان کی روایت کی، وہ ۱۷۹ھ میں امام مالک سے ملے تھے، اور اسی سنہ میں انھوں نے وفات پائی، انھوں نے ایک دوسرا سفر بھی کیا ہے جس میں صرف ابن القاسم سے فقہ سیکھی، وہ اندلس میں بہت سا علم لیکر واپس آئے اور عیسیٰ بن دینار کے بعد اندلس کے فتاویٰ کا مرجع اُن کی رائے ہو گئی، اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب صرف یحییٰ اور عیسیٰ کے ذریعہ سے پھیلا، یحییٰ کو علمی حیثیت سے ان کے علم پر ترجیح حاصل تھی، ابن سبابہ کہتے ہیں، عیسیٰ بن دینارؒ، اندلس کے فقیہ اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل یحییٰ تھے، اندلس کی علمی ریاست ان ہی کے حصے میں آئی، اور انھوں نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی،

۴۔ عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمیؒ، اُن کا خاندان طلیطلہ کا باشندہ تھا، پہلے اُن کے دادا سلیمان قرطبہ میں آئے، پھر ان کے باپ فتنۃ الربض میں بیرہ آئے، انھوں نے اندلس میں تعلیم حاصل کی، پھر ۲۰۸ھ میں سفر کیا، اور ابن ماجشونؒ مطرفؒ عبداللہ بن عبدالحکمؒ اور اسد بن موسیٰ وغیرہ سے حدیث سنی، اور بہت سا علم حاصل کرکے ۲۱۶ھ میں اندلس واپس آئے اور بیرہ میں قیام کیا، اُن کے علم و روایت کا شہرہ ہوا تو امیر عبدالرحمٰن بن عبدالحکم نے ان کو قرطبہ میں بلایا، اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں جگہ دی، اور وہ یحییٰ بن یحییٰ کے ساتھ جو وہاں کے مشاورہ و مناظرہ کے سردار تھے، مقیم رہے، اور ان دونوں میں سخت تعلقات قائم ہو گئے، یحییٰ نے اُن سے پہلے وفات پائی، اور اُن کے بعد وہ تنہا پیشوا ہو گئے، عبدالملک امام مالک کے مذہب پر فقہ کے حافظ تھے، لیکن حدیث کے عالم اور اس کے صحیح و ضعیف کے ماہر نہ تھے، امامت فقہ

کے ساتھ وہ ادیب بھی تھے، اور ابن موازنے ان کے علم و فقہ کی تعریف کی ہے، سنن و فقہ میں وہ کتاب ابو اضحیہ کے مؤلف ہیں، اور اس کے علاوہ ان کی مختلف تصنیفات ہیں انھوں نے ۲۳۸ھ میں وفات پائی،

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسی، مالک ثوری، اور لیث بن سعد وغیرہ سے حدیث سنی، اور اُن کے زمانے میں افریقیہ میں ان کا مثل نہ تھا، ان سے اسد بن الفرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سُنی، اور انھوں نے امام مالک سے موطا اور دوسری کتابوں کی روایت کی اور فقہ میں وہ سحنون کے استاد تھے، اور سحنون اہل افریقیہ میں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے، قیروان کے اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے، تو اس کو علی بن زیاد کی خدمت میں لکھ کر بھیجدیتے تھے، کہ وہ ان کو صحیح بات بتائیں، سحنون کہتے ہیں کہ اگر مصریوں کی طرح علی بن زیاد کو طلب علم کا شوق ہوتا تو اُن میں سے کوئی ان سے نہ چھوٹتا، اور اُن میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ رہتا، انھوں نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی،

(۶) اسد بن فرات، ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا، اور وہ دیار بکر میں حران میں پیدا ہوئے، تونس میں نشو ونما پائی، اور علی بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اسکے بعد مشرق کا رخ کیا اور امام مالکؒ سے موطا وغیرہ کو سنا، اس کے بعد عراق گئے اور ابو یوسف محمد بن حسنؒ، اسد بن عمرؒ، اور اصحاب ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، امام ابو یوسف نے موطاے امام مالکؒ ان ہی سے پڑھی، اور مدونہ کی جس کا ذکر عنقریب آئے گا، ان ہی نے تالیف کیا، انھوں نے ۲۱۳ھ میں محاصرہ سرقوسہ میں وفات پائی جب کہ وہ اسکے سپہ سالار اور قاضی تھے،

(۷) عبد السلام بن سعید التنوخی الملقب بہ سحنون، وہ خاندانی طور پر شامی یعنی

Marfat.com

حمص کے رہنے والے تھے، ان کے باپ حمص کی فوج کے ساتھ آئے اور قیروان کے مشائخ سے تونس کا سفر کرکے علی بن زیاد سے علم حاصل کیا، اس کے بعد مصر آئے، اور مصری علمار میں جو لوگ امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طالب علموں کے درمیان واسطہ تھے، مثلاً ابن قاسم اور ابن وہب وغیرہ سے حدیث سنی، پھر مدینہ میں آئے، اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علمار سے ملاقات کی، اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس ہوئے،

ابوالعرب کہتے ہیں کہ سحنونؒ ثقہ، حافظ علم اور فقیہ تھے، ان میں چند خصائل ایسے مجتمع تھے، جو اُن کے سوا اور کسی میں نہیں پائے جاتے تھے، یعنی فقہ، پرہیزگاری، کامل حق گوئی، زہد فی الدنیا، موٹا جھوٹا، کھانا پہننا اور فیاضی وہ کسی قسم کا شاہی عطیہ قبول نہیں کرتے تھے، اور بسا اوقات اپنے تلامذہ کو ۳۰ دینار یا اس کے مثل دیتے تھے ابن قاسم کا قول ہے کہ افریقہ سے ہمارے یہاں سحنونؒ جیسا شخص کوئی نہیں آیا، وہ افریقہ میں آئے، تو لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے، اور نئے زمانے کا آغاز ہوا، جس نے اسکے پہلے کی باتیں مٹا دیں اُنکے تلامذہ اہلِ قیروان کا چراغ تھے، مدونہ کی تصنیف، انہی نے کی، اور اہلِ قیروان ان پر اعتماد رکھتے ہیں، وہ ۲۳۴ھ میں جب کہ ان کا سن ۷۴ سال کا تھا، افریقہ کے قاضی ہوئے اور مرتے دم تک اس عہدے پر ممتاز رہے، وہ قضارت کے زمانے میں اپنے لئے بادشاہ سے وظیفہ اور صلہ نہیں لیتے تھے، البتہ اپنے عملہ کے لئے اہل کتاب کے جزیہ سے لیتے تھے، جب فریق مقدمہ باہم سخت کلامی یا گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، تو انکو سزا دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ جب گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کی جائیگی تو کیونکہ شہادت دینگے، اگر فریق مقدمہ گواہ پر کسی عیب یا جرح کا الزام لگاتا تھا یا کہتا تھا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں پوچھئے، کیونکہ وہ ایسے ہیں تاکہ وہ ان کے مجروح ہونے کا سوال کر سکیں تو وہ اسکی تادیب کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ میں اس بارے میں تجھ سے

بے نیاز ہوں اور یہ میرا کام ہے، تیرا نہیں، وہ طلاق و عتاق کی ناجائز قسموں پر لوگوں کی تادیب کرتے تھے تاکہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں، وہ فسق پر تادیب کرتے تھے اور جو شخص اس کا مستحق ہوتا تھا، اسکو بازار سے نکلوا دیتے تھے، لوگ اپنے اپنے نام رقعوں پر لکھ کر دیتے تھے، جو انکے سامنے پیش کیے جاتے تھے اور وہ ان میں سے ایک ایک کو الگ الگ بلاتے تھے البتہ اگر کوئی مجبور یا ستم رسیدہ شخص آتا تھا، تو اس کے لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی، انھوں نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی،

یہ لوگ اکابر علما میں ہیں، جنھوں نے مغربی ممالک میں امام مالکؒ کے مذہب کی اشاعت کی، لیکن مشرقی ممالک میں کوئی شخص ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے امام مالک کو دیکھا ہو، اور اُن سے فقہ پڑھی ہو، البتہ ایسے لوگ مشرق میں بھی پیدا ہوئے جنھوں نے نہ امام مالکؒ کو دیکھا تھا نہ ان سے سنا تھا، مثلاً

(۱) احمد بن معدل بن غیلان العبدی الفقیہ المتکلم، وہ عبدالملک بن ماجشون اور محمد بن مسلمہؒ کے تلامذہ میں تھے، اور ادیب فصیح مذہب مالکؒ کے فقیہ، زاہد، دیندار اور عبادت گذار تھے، عراق میں امام مالکؒ کے لئے اُن سے بلند رتبہ اور اہل حجاز کے مذہب کا ماہر اُن سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، اور مشرقی شہروں میں انہی کے ذریعہ سے امام مالکؒ کا مذہب پھیلا،

(۲) قاضی ابو اسحاق اسمٰعیل بن اسحاق بن اسمٰعیل بن حماد بن زید، بصرہ میں پیدا ہوئے بغداد میں توطن اختیار کیا، اور وہیں حدیث سنی، اور ابن المعدل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی وہ کہتے تھے کہ میں لوگوں پر دو آدمیوں کے ذریعہ سے فخر کرتا ہوں، ایک ابن معدل جو مجھکو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، دوسرے ابن المدینی جو مجھے حدیث پڑھاتے ہیں، عراق کے مالکیوں کے انھی سے فقہ کی تعلیم پائی، ابوبکر بن خطیب کہتے ہیں کہ اسمٰعیل فاضل عالم اور امام مالکؒ کے

Marfat.com

مذہب کے فقیہ تھے، اُن کے مذہب کی شرح و تلخیص کی اور ان کے لئے حجت لائے اور م
علوم قرآن کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں، اور امام مالک یحییٰ بن سعید انصاری اور ایو
سختیانی کی حدیثیں جمع کیں، ابو الولید الباجی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو درجۂ اج
کو پہنچے، اور ان میں بہت سے علوم جمع ہو گئے، بیان کیا ہے، کہ امام مالک کے بعد یہ درجہ
صرف قاضی اسمٰعیل کو حاصل ہوا، وہ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے، اور ایک ہی وقت میں
اُن کی ذات میں تمام علوم جمع ہو گئے، اور ان سے پہلے وہ کسی کی ذات میں جمع نہ ہوئے
مدائن، نہر، اور انات کے وہ قاضی مقرر ہوئے اور اخیر میں قاضی القضاۃ کا منصب حاصل
کیا، ابو عمرو الدانی کہتے ہیں کہ اسمٰعیل ۲۲ سال تک اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ وہ
کچھ اوپر پچاس سال تک قاضی رہے، اُن کی متعدد تالیفات ہیں، جن میں عنقریب بعض کا
ذکر آئیگا، وہ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۸۲ھ میں وفات پائی،

اور اہل مدینہ میں امام مالک کے سب سے بڑے شاگرد ابو مروان عبد الملک بن
عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ الماجشون ہیں، جو قریش میں بنو تیم کے آزاد شدہ غلام
تھے، ماجشون فارسی لفظ ہے، جس کے معنی گلابی کے ہیں، چونکہ ان کے چہرے پر سرخی تھی اسلئے
انکا یہ نام رکھا گیا، عبد الملکؒ فقیہ و فصیح تھے، اُن سے پہلے فتویٰ کا دار و مدار انکے باپ پر
تھا، اور ان کے بعد تا وفات ان پر رہا، وہ اپنے زمانے میں اہل مدینہ کے مفتی تھے، اپنے
باپ اور امام مالکؒ وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی، جب امام شافعیؒ ان سے مذاکرہ کرتے تھے
تو لوگ اکثر ان کی گفتگو نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ امام شافعیؒ نے بدوؤں میں ہذیل سے اور
عبد الملکؒ نے بدوؤں کے قبیلۂ کلب میں اپنے ماموؤں سے ادب سیکھا تھا، قاضی یحییٰ ابن
اکثم کہتے ہیں کہ "عبد الملک ایک ایسا دریا ہے، جس کو ڈول گدلا نہیں کرتے، سحنونؒ نے

Marfat.com

فلا تنتھکو ھا وسکت عن اشیاء — کردیں انکی پردہ دری نہ کرو چند چیزوں سے خاموش

رحمۃ لکم من غیر نسیان — رہا تم پر مہربانی کرنے کے لئے نہ اس لئے کہ وہ ان کو

فلا تبحثوا عنھا، — بھول گیا تھا، اسلئے اُن کے متعلق کرید نہ کرو،

فصل حدیث اور حدیث کی نسبت قرآن کے ساتھ" میں جو باتیں عنقریب مذکور ہوں گی اُن سے اس مضمون کی زیادہ توضیح ہو جائیگی،

تدریج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اہل عرب میں بہت سی باتیں راسخ ہو چکی تھیں جنمیں بعض قائم رکھنے کے قابل تھیں، اور ان سے ایک قوم کی تولید میں کوئی ضرر نہیں پہونچتا تھا، لیکن بعض عادتیں مضر تھیں، اس لئے شارع ان سے ان کو الگ رکھنا چاہتا تھا، اس لئے اس نے اپنی حکمت کے اقتضاسے آہستہ آہستہ ان کے لئے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال کے درجہ تک پہنچایا، اس اصول کو پیش نظر رکھکر جو شخص غور کریگا، اُس کو معلوم ہوگا کہ دوسرے حکم نے پہلے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل کی، چنانچہ یہ حقیقت ذیل کی مثال سے واضح ہو جائیگی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب وجوے کے متعلق جن کے اہل عرب شدت سے خوگر تھے، سوال کیا گیا، تو آپ نے قرآن مجید کی زبان سے اس کا جواب دیا،

فیھما اثم کبیر و منافع للناس — ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے

و اثمھما اکبر من نفعھما، — فوائد ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ انکے نفع سے بڑا ہے،

اگرچہ ایک فقیہ نفس اور فلسفۂ تشریع کا عالم اس آیت سے یہ سمجھ سکتا ہے، کہ اس سے ان

Marfat.com

ان کی تعریف کی ہے، اور ان کو ترجیح دی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کتابون کو ان پر پیش کرنا چاہا تاکہ وہ ان میں سے جس کی اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو رد کر دیں اس کو رد کر دوں، ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف کی ہے، اور اکثر تلامذۂ مالک پر ان کو سمجھ میں بلند خیال کرتے تھے، اُن سے بہت سے لوگوں اور بڑے بڑے ائمہ مثلاً احمد بن المعذل، ابن حبیب اور سحنون نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے اور انھون نے سنہ ۲۱۲ھ مین وفات پائی،

یہ لوگ اکابر تلامذۂ مالکؒ ہیں، اور ان کے مذہب کے شائع کرنے والون میں ہیں اور ان کو امام مالک سے وہی نسبت ہے، جو ایک شاگرد کو اُستاد سے اور ایک راوی کو مستنبط سے ہوتی ہے لیکن یہ لوگ امام مالکؒ سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں، اور اگر کہین اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خود اس مسئلہ کی روایت میں امام مالکؒ سے اختلاف ہوتا ہے، یا جو نصوص اُن سے مروی ہین، ان کے سمجھنے مین اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کبھی ابن وہب اور ابن القاسم ان سے اختلاف کرتے ہیں، اور یہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے بہت کم ہے،

تیسرے امام، امام شافعیؒ ہین،

ان کا نام ونسب ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی ہے جو بنو المطلب میں عبد مناف سے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعیؒ کی نوین پشت میں تھے، اُن کی ماں یمنی اور قبیلہ ازد سے تھیں جو نہایت ذہین تھین،

امام شافعیؒ عسقلان کے صوبے میں بمقام غزہ سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

غزہ ان کے آبا و اجداد کا وطن نہ تھا، بلکہ ان کے باپ ادریس وہاں کسی ضرورت سے آئے تھے، اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا، اور ان کے فرزند محمد وہیں پیدا ہوئے، پیدائش کے دو سال بعد ان کی والدہ ان کے آبائی وطن مکہ میں ان کو لے آئیں، اور وہیں بحالتِ یتیمی انھوں نے اپنی ان کی سرپرستی میں نشو و نما پائی، اور بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر بادیہ میں ہذیل کے یہاں جو افصح العرب تھے گئے، اور ان کے بہت سے اشعار یاد کئے، اس کے بعد ادب و فصاحت سیکھ کر واپس آئے، اور شیخ الحرم و مفتی الحرم مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی کی اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے، یہاں تک کہ انھوں نے ان کو فتوے دینے کی اجازت دی، اس کے بعد انھوں نے امام مالک بن انس امام دار الہجرت کے پاس ان سے ایک سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی، انھوں نے خط لکھ دیا تو انھوں نے مدینہ کا سفر کیا، اور امام مالکؒ کے پاس آئے، وہ موطا یاد کر چکے تھے، اور اس کو امام مالکؒ کے سامنے پڑھا اور ان کی قرات ان کو بہت پسند آئی۔

امام شافعی نے اس زمانے میں مسلم بن خالد کی فقہ اور دو بلند رتبہ اشخاص یعنی سفیان ابن عینیہ محدثِ مکہ اور امام مالک بن انس محدثِ مدینہ کی حدیثیں حاصل کیں، اہل حجاز کی حدیث کا سلسلہ انہی دونوں بزرگوں پر منتہی ہوتا ہے، اور یہی دونوں ان کے سب سے بڑے شیوخ میں ہیں، لیکن ان کے علاوہ انھوں نے اور لوگوں سے بھی روایتیں کی ہیں،

امام شافعیؒ دولت مند شخص نہ تھے، اس لیے انھوں نے مجبوراً حصولِ معاش کے لیے کوئی کام تلاش کیا، مصعب بن عبداللہ القرشی قاضیِ یمن کی مدد سے ان کو یمن میں ایک کام مل گیا، اور وہ اس پر مقرر ہو گئے، اور اس سے مدتوں شرف حاصل کرتے رہے، اس وقت ہارون رشید خلیفہ تھا، اور آلِ عباسؓ اور آل علیؓ میں سخت عداوت قائم تھی،

غرض ہارون رشید علویوں اور اُن کے معاونین کی حرکات سے سخت خائف اور چوکنّا رہتا تھا، اور صرف تہمت وشبہ سے اس پر مواخذہ کرتا تھا، امام شافعی پر بھی تشیع کا الزام تھا، اور بلاد یمن بہت سے شیعوں کا مرکز تھا، جو بنو عباس کی گھات میں تھے، اور قوم کے افراد میں شیعی پروپگنڈہ پھیلاتے تھے، چنانچہ ہارون رشید تک ان شیعوں کا جن کے ساتھ امام شافعی بھی تھے، معاملہ پہونچایا گیا، اور اس نے ان کو ۱۸۴ھ میں طلب کر لیا، کہا جاتا ہے کہ مطرف بن مازن قاضیِ صنعا نے امام شافعی کو اس الزام میں شامل کیا، اور حماد بربری ان لوگوں کو عراق میں لایا اور یہ لوگ رشید کے پاس شہر رقہ میں حاضر ہوئے،

اگر رشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت سے امام شافعی کی برارت نہ ثابت ہوئی ہوتی تو وہ اُس الزام کی وجہ سے بڑے خطرے میں پڑ جاتے، امام شافعی نے اس الزام سے بچنے کے لیے جو فقرے کہے وہ یہ ہیں کہ کیا میں اُس شخص کو چھوڑ سکتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں (رشید) اور اس شخص کی طرف رجوع کر سکتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کا غلام ہوں" (امامِ شیعہ) رشید پر اس فقرہ کا سخت اثر ہوا اور اُسنے اُن کی رہائی کا حکم دیا، اور اُن کو صلہ عطا کیا،

اسی موقع پر امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی سے میل جول پیدا کیا اور فقہائے عراق کی کتابوں سے واقفیت حاصل کی اور طریقۂ اہلحدیث پر ان معلومات کا اضافہ کیا، انھوں نے امام محمد بن الحسنؒ سے مناظرات بھی کیئے، جن کی خبر رشید کو ملی تو ان سے بہت خوش ہوا اور امام شافعیؒ کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی ہیں،

امام شافعیؒ عراق سے حجاز کو واپس آئے، اور ایک مدت تک مکہ میں رہ کر افادہ و

استفادہ کرتے رہے، اسوقت مکہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں تمام ملکوں کے علماء آتے تھے، اور امام شافعی ان سے ملتے تھے، اُن سے مناظرہ کرتے تھے، اُن سے یا وہ ان سے علم اخذ کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ ۱۹۵ھ میں رشید کی وفات اور عبداللہ امین کے خلیفہ ہونے کے بعد دوبارہ عراق میں آئے، اور اس آمد میں علمائے عراق کی ایک جماعت نے ان کی شاگردی اختیار کی اور اُن سے کسب علم کیا، اور یہیں انھوں نے اُن کو وہ کتابیں املا کرائیں جو انھوں نے اپنے مذہب عراقی یا مذہب قدیم پر لکھی تھیں، اس آمد میں وہ محمد بن ابی حسان الزیادی کے یہاں اُترے تھے، اور دو سال تک قیام کیا تھا، امام محمد بن حسنؒ کا انتقال ہو چکا تھا، اور عراق میں تلامذۂ امام ابوحنیفہؒ میں اس وقت حسن بن زیاد لولوی تھے لیکن امام شافعیؒ جس طرح امام محمد بن الحسن کے ساتھ مصروف مناظرہ تھے، اُن سے مناظرہ نہیں کرتے تھے، اس کے بعد وہ حجاز کو جب کہ بغداد میں اُن کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی، اور بہت سے علماء اُن کے طریقہ کو قبول کر چکے تھے، واپس آئے، پھر ۱۹۸ھ میں وہ تیسری بار عراق میں آئے اور وہاں چند مہینے قیام کرکے، مصر کا سفر کیا، اور فسطاط میں بطور ایک معزز مہمان کے عبداللہ بن عبدالحکم کے یہاں اُترے، اس وقت مصر میں امام مالکؒ کا مذہب پھیلا ہوا تھا، اور اکثر علمائے مصر کا یہی مذہب تھا، اور تلامذۂ مالک میں جن لوگوں نے ان کا کلام سنا اور اُن سے روایت کی تھی، عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے،

مصر میں امام شافعی کی قابلیت اور اُن کی کلامی مقدرت کا اظہار ہوا اور انھوں نے اپنے مصری تلامذہ کو اپنی جدید کتابیں املا کرائیں اور یہی ان کا مصری یا جدید مذہب ہے وہ مصر میں برابر مقیم رہے، یہاں تک کہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور مقبرۂ بنی عبدالحکم میں

منسوب ہے، اور موت وحیات دونوں میں مصری اُن کو بزرگ سمجھتے رہے، یہان تک کہ وہ پہلے حجازی تھے، اور اب مصری ہو گئے، امام شافعیؒ پہلے امام ہیں جنھون نے متصل سفر کرکے بذات خود اپنے مذہب کی اشاعت کی اور خود اپنے تلامذہ کو اپنی کتابیں املا کروائین، اُن کے علاوہ دوسرے کبار ائمہ کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی، امام شافعی کے مذہب کی بنیاد ان کے رسالہ اصولیہ میں مدون کی گئی ہے، وہ ظواہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں یہان تک کہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں، اُس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں، اور خبر واحد پر عمل کرنے کی جب اس کا راوی ثقہ ہو سخت حمایت کرتے ہیں، اور جب حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بسند متصل پہونچ جائے، تو امام مالک کی طرح اس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی تائید کرتا ہو، اہل عراق کی طرح شہرت حدیث کی شرط نہیں لگاتے، حدیث کی اس تائید کی بنا پر ان کو اہلحدیث میں نہایت حسن قبول حاصل ہوا، یہان تک کہ اہل بغداد اُن کو ناصر السنت کہتے تھے، وہ احادیث صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہیں، اور دونون کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں، حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک اجماع کے معنی یہ ہیں کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، ان کے نزدیک اجماع کا علم ناممکن ہے لیکن جب کوئی دلیل منصوص موجود نہیں ہوتی تو وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اصل معین موجود ہو، اور اہل عراق جس چیز کو استحسان اور مالکی جس چیز کو استصلاح کہتے ہیں انھون نے اس کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے، البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں، جو اس کے قریب قریب ہے،

Marfat.com

امام شافعی کی ذات چونکہ حجازیون اور عراقیون کی فقہ اور بدوؤن کی فصاحت مجموعہ تھی، اس لیے وہ مناظرہ اور خوبی تحریر میں یکتا تھے، اور ان کی تحریر اس زمانہ کے بلیغ ترین انشا پردازون مثلاً جاحظ وغیرہ سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی،

تلامذۂ شافعی و رواۃ مذہب شافعی

امام شافعی کے تلامذہ عراق اور مصر دونون میں موجود تھے، چنانچہ اُن کے عراقی شاگرد کے نام حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن سلیمان الکلبی البغدادی، اُن کی فقہ کا دار و مدار رائے پر تھا، اور اہل عراق کے قول کو لیتے تھے، لیکن جب امام شافعی بغداد میں آئے تو اُن سے تعلیم حاصل کی، وہ اگرچہ امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں، بلکہ جب ان کو کوئی دلیل ملجاتی ہے، تو ان کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اُن کا شمار ائمہ فقہائے شافعیہ میں ہے، ان کی چند مخصوص رائیں ہیں، ان کا ایک خاص مذہب ہے، اور ان کے پیرو بھی ہیں، لیکن ان کا مذہب بہت دنون تک قائم نہ رہ سکا، ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ "وہ اپنی مرویات میں ثقہ اور حسن النظر ہیں" لیکن اُن کے چند شاذ مسائل ہیں جن میں انھون نے جمہور سے اختلاف کیا ہے، اور لوگون نے اُن کو ائمہ فقہا میں شمار کیا ہے، انھون نے جن مسائل میں جمہور اور امام شافعیؒ سے علحدگی اختیار کی ہے وہ حسب ذیل ہین،

(۱) تمام فقہا کے نزدیک قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن ابو ثور نے خدا کے ظاہر قول کی بنا پر وصیت کو مقدم کیا ہے،

من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین — وصیت یا قرض کے بعد

Marfat.com

(۲) کسی خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آنے پر واپس کرنے کا اختیار رضامندی کے ساتھ صرف گفتگو سے حاصل ہو سکتا ہے، یا ایسے فعل سے جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ رضامندی ہے لیکن امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اختیار فوراً حاصل ہوتا ہے،

(۳) جب دو آدمی قبلہ کے رخ میں اجتہاد کریں اور دونوں کے اجتہاد کا نتیجہ ایک دوسرے سے مختلف ہو تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتا ہے، اور ہر ایک اس کی جہت کی طرف نماز پڑھ سکتا ہے لیکن یہ اُن کے علاوہ اور لوگوں کے قول کے مخالف ہے اور یہ ایک کھُلی ہوئی بات ہے،

ابن ثور نے ۲۴۰ھ میں (اور ابن خلکان کے قول کے مطابق ۲۴۶ھ میں) وفات پائی،

(۲) احمد بن حنبل اور اُن کا حال مستقلاً آگے آئے گا،

(۳) حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البغدادی، وہ مذہب قدیم کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ہیں، اور کتاب عراقی ان ہی کی طرف منسوب ہے، امام شافعیؒ کی مجلس میں وہی قرات کرتے تھے، اور اُن کی قرات کے ذریعہ سے احمد، ابو ثور، اور کرابیسی نے سماعت کی ہے، وہ سواد کے ایک گاؤں زعفرانیہ کی طرف منسوب ہیں، اس کے بعد بغداد کے بعض دروب میں قیام کیا اور وہ اُن کی طرف منسوب ہوگیا، زعفرانی نے سفیان ابن عینیہ اور امام شافعیؒ وغیرہ سے حدیث سنی، اور مسلمؒ کے علاوہ امام بخاری وغیرہ ائمۂ حدیث نے اُن سے روایت کی، امام شافعی کو ان کی فصاحت بہت پسند تھی، یہاں تک کہ اُن کے متعلق فرماتے تھے کہ "میں نے بغداد میں ایک ایسے نبطی کو دیکھا جو عربی علوم جانتا ہے، اور اس کے مقابل میں میں نبطی نظر آتا ہوں" انھوں نے ۲۶۰ھ میں وفات پائی،

Marfat.com

(۴) ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی، انھوں نے پہلے عراقیوں کے مذہب کے مطابق فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور ان سے اور ان کے علاوہ اور لوگوں سے حدیث سنی، امام شافعی نے ان کو زعفرانی کی کتابوں کی اجازت دی، لوگوں نے ان سے روایت کرنے میں اجتناب کیا ہے، کیونکہ مسئلہ لفظ یعنی اس کہنے کی وجہ سے کہ "میرا قرآن کے الفاظ کو پڑھنا مخلوق ہے" امام احمد بن حنبل نے ان کو مطعون کیا ہے اور یہ ایک عجیب بات ہے، محمد بن عبداللہ الصیرفی الشافعی کہتے ہیں کہ حسین کرابیسی اور ابو ثور سے عبرت حاصل کرو، کیونکہ حسین علم وحفظ میں ممتاز ہیں، اور ابو ثور علم میں ان کے عشر عشیر بھی نہیں، لیکن مسئلہ لفظ کی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کلام کیا، اور وہ پست ہو گئے، لیکن ابو ثور کی تعریف کی تو وہ بلند رتبہ ہو گئے،

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادی المتکلم، وہ بغداد میں امام شافعی کے کبار تلامذہ میں تھے، پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگرد ہو گئے، اور ان کی رائے کا اتباع کیا، ابو عاصم کہتے ہیں کہ وہ حافظوں، زاہدوں اور مفتیوں میں سے ایک ہیں، چونکہ انکی آنکھ میں خرابی تھی، اس لیے امام شافعی نے اپنی کتابوں کی قرات سے ان کو منع کیا، معتزلہ کے خیالات کی پیروی نے ان کو اپنے درجہ سے گرا دیا تھا، ابن سبکی کہتے ہیں کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے، مثلاً ان کے نزدیک طلاق بالصفات جائز نہیں، کیونکہ جب نکاح متعہ اس لیے جائز نہیں کہ وہ ایک ایسا عقد ہے، جو ایک صفت کے ساتھ معلق ہے، اسی طرح طلاق بالصفت بھی عقد معلق ہے، ابن سبکی کہتے ہیں کہ یہ ایک باطل قول ہے اور اس سے خرق اجماع ہوتا ہے، اور یہ ظاہریہ کے اس قول کے مثل ہے جس کی ابن حزم نے محلی وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہو گی

مجھ کو طلاق ہے، یا اُس نے اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس قول سے نہ سردست طلاق واقع ہوگی، اور نہ اُس وقت جب مہینہ کا آغاز ہوگا، اور غالباً اس مسئلہ میں ظاہریہ سب سے الگ ہیں،

امام شافعی کے عراقی تلامذہ سے جن لوگوں نے فقہ کی تعلیم پائی، ان کے نام حسب ذیل ہیں،

(۶) داؤد بن علی امام اہل الظاہر ہم اِن کا تذکرہ خاص طور پر کریں گے،

(۷) ابو عثمان بن سعید الانماطی انھوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا، اور بغداد میں ان ہی کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور ابن سریج نے ان ہی سے فقہ سیکھی، انھوں نے ۲۸۸ھ میں وفات پائی،

(۸) ابو العباس احمد بن عمر بن سریج حسن زعفرانی وغیرہ سے حدیث سنی، اور ابو القاسم الانماطی سے فقہ سیکھی اور تمام تلامذہ شافعیؒ یہاں تک کہ مزنی پر بھی اُن کو ترجیح دیجاتی تھی شیخ ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہم ابو العباس کے ساتھ ظواہر فقہ میں چلتے ہیں، دقائقِ فقہ میں نہیں چلتے، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کی ابتدا کی اور لوگوں کو جدل کا طریقہ سکھایا، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد چار سو بیان کی جاتی ہے، ان میں اور داؤد بن علی ظاہری اور ان کے بیٹے محمد کے درمیان نہایت مشہور مناظرے ہوئے، انھوں نے ۳۰۶ھ میں وفات پائی،

(۹) ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبری الشہیر با بن القاص، ابن سریج سے فقہ پڑھی، وہ مشہور کتابوں مثلاً تلخیص، مفتاح اور ادب القاضی وغیرہ کے مصنف ہیں، اور اصولِ فقہ میں اُن کی ایک کتاب ہے، وہ بہت بڑے امام تھے،

۲۳۵ھ مین وفات پائی،

(۱۰) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ہم اِن کا تذکرہ خاص طور پر کرین گے،

امام شافعی کے مصری تلامذہ حسب ذیل ہیں،

(۱) یوسف بن یحیٰی البویطی المصری، وہ امام شافعیؒ کے مصری تلامذہ مین سب سے بڑے تھے، امام شافعی سے فقہ پڑھی، اور اُن سے اور عبداللہ بن وہبؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، ان کی ایک مشہور مختصر ہے جس کا اختصار انھون نے امام شافعی کے کلام سے کیا، امام شافعی فتوی میں اُن پر اعتماد کرتے تھے، اور جب اُن کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو اُن کے حوالے کر دیتے تھے، اور اپنی موت کے بعد اُن کو اپنے تمام تلامذہ کا خلیفہ بنایا اور ان کے حلقۂ درس سے بہت سے ائمہ نکلے، اور مختلف شہرون مین جا کر تمام ملک میں امام شافعیؒ کے علم کی اشاعت کی، انھون نے فتنۂ خلق قرآن میں قید ہو کر بغداد میں ۲۳۱ھ مین وفات پائی،

(۲) ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحیٰی المزنی المصری، وہ ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے، اور جب بالغ ہو کر تحصیلِ علم میں مصروف ہوئے، اور حدیث کی روایت کی، یہان تک کہ ۱۹۹ھ میں جب امام شافعی مصر میں آئے، تو اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابواسحٰق شیرازی کہتے ہیں کہ "وہ زاہد، عالم، مجتہد، مناظر، اور معانی دقیقہ کی تہ میں ڈوبنے والے تھے، امام شافعیؒ نے اُن کی نسبت فرمایا کہ مزنی میرے مذہب کا حامی ہے، جن کتابون پر امام شافعیؒ کے مذہب کا دارومدار ہے، وہ انہی کی لکھی ہوئی ہیں، اور خراسان، عراق اور شام کے بہت سے علماء نے اُن سے علم حاصل کیا، اور انھون نے ۲۶۴ھ مین وفات پائی، مزنی کبھی کبھی اپنے استاد کے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں، اور اپنے لیے نئی راہ

چیزوں کی حرمت مقصود ہے، کیونکہ جس چیز میں گناہ کا جزو غالب ہوتا ہے، وہ عملاً حرام کردیجاتی ہے، اسلئے کہ افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس میں صرف برائی ہی برائی ہو بلکہ تحریم و تحلیل کا دارومدار خیر و شر کے غلبہ پر موقوف ہے، تاہم خداوند تعالیٰ نے اول اول بہ تصریح ان کی ممانعت نہیں کی، اس کے بعد نشہ کی حالت میں بہ تصریح ان کو نماز پڑھنے سے روکا تاکہ وہ جو کچھ اس حالت میں پڑھتے ہیں، اس کو جان سکیں،

یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون

مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو تاکہ تم جو کچھ کہتے ہو، اس کو جان سکو،

لیکن اس ممانعت نے پہلی آیت کو باطل نہیں کیا، بلکہ اس کو اور موکد کر دیا، اس کے بعد تصریح کے ساتھ ممانعت کا قطعی حکم دیا،

یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون

مسلمانو! شراب، جوا، بت اور جوے کے تیر روحانی ناپاکی اور شیطان کے کام ہیں، اسلئے ان سے بچو، شاید تم فلاح پاؤ، شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے میں تمہارے درمیان عداوت ڈال دے، تم کو خدا کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم ان سے باز آؤ گے؟

احکام فقہیہ کے اس تدریجی اصول سے ایک دوسرا اصول بھی پیدا ہوا ہے، یعنی پہلے یہ احکام اجمالاً مذکور ہوتے ہیں، پھر ان کی تفصیل کی جاتی ہے، چنانچہ مکی اور مدنی احکام کے موازنہ و مقابلہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے، مکی احکام بالکل مجمل ہوتے ہیں، اور قرآن مجید بہت کم ان کی تفصیل کرتا ہے، اسکے خلاف مدنی احکام بالخصوص تمدنی معاملات

135350

Marfat.com

...یا کرتے ہیں، لیکن شافعیہ ان اختیارات کو مذہب میں نئے اقوال نہیں خیال کرتے اور ... زیادہ بھی نہیں ہیں،

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار المرادی جو اُن کے آزاد کردہ غلام اور جامع عتیق میں موذن تھے، ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے بکثرت روایتیں کیں، وہ اُن کی کتابوں کے راوی ہیں، اور اپنی روایت میں نہایت ثقہ خیال کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مزنی اگرچہ علم دین اور بزرگی میں نہایت بلند رتبہ ہیں، اور جو روایت کرتے ہیں، وہ قواعد کے مطابق ہوتی ہے، تاہم جب ربیع اور مزنی کا کسی روایت میں تعارض ہوتا ہے، تو امام شافعیؒ کے تلامذہ ربیع ہی کی روایت کو مقدم سمجھتے ہیں، لوگ امام شافعیؒ کی کتابوں کے پڑھنے کے لیے اطرافِ ملک سے اُن کے پاس سفر کرکے آتے تھے، انھوں نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی،

(۴) حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ التجیبی ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے، وہ بہت بڑے امام تھے، ابن وہبؒ سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیں اور امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور ... اُن کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، اُن کے متعلق اشہب کا قول ہے کہ "وہ اہل مسجد میں بہترین شخص ہیں" انھوں نے ۲۴۳ھ میں وفات پائی،

(۵) یونس بن عبدالاعلی الصدفی المصری ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان بن عیینہ اور ابن وہبؒ وغیرہ سے حدیث سنی، اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کی، مصر میں اُن پر علمی ریاست کی انتہا ہوئی، اور امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، انھوں نے ۲۶۴ھ میں وفات پائی،

Marfat.com

(۶) ابو بکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد، مزنی کے وفات کے دن پیدا ہوئے
حفظِ قرآن میں یکتا تھے، فقہ میں امامِ زمانہ اور لغت میں ایک وسیع دریا تھے، مسائل
کی تہ تک نہ پہونچنے، اور فروع مولدہ کے استخراج میں لوگوں کا اجماع ہے کہ وہ یکتا تھے
اور اس میں کوئی شخص اُن کی گرد تک کو نہیں پہونچا، فقہ میں کتاب الباھر اور کتاب ادب
القضاۃ وغیرہ انکی تصنیفات میں ہیں، وہ مصر کی زینت اور علم قضاء کے بہت ثبت تھے
انھوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی،

تلامذۂ شافعیؒ میں یہی لوگ مشہور ترین ہیں، اور ان کی تصنیفات کے ذریعہ سے لوگوں
نے ان ہی کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کا علم حاصل کیا، ان کے علاوہ اور بھی بہ کثرت لوگ ہیں
اور تلامذۂ مالکؒ کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعی سے بہت کم اختلاف کیا ہے،

چوتھے امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ہیں ۱۶۴ھ میں
پیدا ہوئے اور ہشیم، اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کے طبقہ میں اکابر محدثین سے حدیث سنی اور
امام بخاری اور امام مسلمؒ اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے ان سے روایت کی، چونکہ
انھوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں حفظ کیں، اس لیے اپنے زمانہ میں اہلحدیث
کے امام ہو گئے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبل سے زیادہ
افضل زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ کسی شخص کو نہیں چھوڑا، امام شافعیؒ جب بغداد میں
آئے تو امام احمد بن حنبل نے اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ اُن کے بغدادی شاگردوں
میں سب سے بڑے ہیں، اُس کے بعد خود اجتہاد کیا، اور وہ اُن اہلِ حدیث مجتہدین
میں ہیں، جو امام شافعیؒ کی طرح صحیح السند ہونے کی حالت میں خبر واحد پر بلا شرط
عمل کرتے ہیں، اور اقوالِ صحابہؓ کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں، امام احمد کا شمار فقہاء سے

Marfat.com

ثانیاً وہ اہل حدیث میں ہے، انھوں نے مسند تصنیف کی ہے جو چالیس ہزار سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے، اور ان کے بیٹے عبد اللہ نے ان سے اس کی روایت کی ہے اور اصول میں ان کی کتاب طاعۃ الرسول، کتاب الناسخ والمنسوخ اور کتاب العلل ہے،

امام احمد بن حنبل سے لوگون نے اُن کے مذہب کی روایت کی ہے، اُن مین مشہور ترین لوگ حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو بکر احمد بن محمد ہانی المعروف بالاثرم، انھون نے فقہ میں اپنی کتاب السنن امام احمد کے مذہب پر تصنیف کی ہے، اور اسپر حدیث سے بھی شواہد لائے ہیں،

(۲) احمد بن محمد بن الحجاج المروزی، انھون نے بھی شواہد حدیث کے ساتھ کتاب السنن تصنیف کی ہے،

(۳) اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ المروزی، وہ امام احمدؒ کے بہت بڑے شاگرد ہیں، اور انھون نے بھی فقہ میں کتاب السنن تصنیف کی ہے،

مسئلہ خلق قرآن کی آزمائش مین صرف امام احمد بن حنبل ہی نے ثابت قدمی ظاہر کی، کیونکہ مامون نے مسئلہ خلقِ قرآن کی جو دعوت دی اسکو بہت سے اہلحدیث نے قبول کر لیا، لیکن ۲۱۸ھ سے جس مین مامون کی دعوتِ شروع ہوئی، ۲۳۳ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو چھوڑ دیا، اور لوگون کو عقائد و راے میں آزادی دی، امام احمد بن حنبل بالکل ثابت قدم رہے، اور راے کی صحت اور غلطی سے قطع نظر کرکے اس استقلال سے اُن کو امام العلما کا شرف اور درجہ حاصل ہوا، کیونکہ معتقدات کی حفاظت کے لیے تکلیف برداشت کرنا انسان کے لیے شرف کا بہترین زیور ہے، امام احمد بن حنبل نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی،

Marfat.com

یہ چاروں ائمہ جمہور اہلِ اسلام کے وہ ائمہ ہیں جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی ان کی تدوین کی گئی اور وہ باقی رہے،

ائمۂ شیعہ

اس دور میں شیعوں کے دو مذہبوں نے شہرت حاصل کی یعنی شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ،

زیدیہ زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبدالملک کے مقابلہ میں بغاوت کی، اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کے لیے بنوامیہ اور بنوعباس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا، اور بلاد طبرستان اور بلاد یمن میں بعض کامیابیاں بھی حاصل کیں،

اس مذہب کے اصول کی رو سے اُن کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں بہ کثرت ائمہ پیدا ہوئے جو فقہ میں اصحاب الرائے تھے، اور اس دور میں ان کے سب سے بڑے امام الداعی الی اللہ الامام الناصر للحق الحسن بن علی بن الحسن ابن زید بن عمر بن علی بن الحسین بن علیؓ تھے، جنھوں نے مذہبِ زیدیہ کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن کی ترتیب کتبِ فقہ کے مطابق دی گئی تھی، مثلاً کتاب الطہارۃ اور کتاب الاذان الخ

ان ہی ائمہ میں امام الداعی الی الحق الحسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن الحسن بن زید ابن الحسن بن علیؓ تھے، جو بہت بڑے عالم تھے، اور بلاد طبرستان پر حملہ کیا اور سنہ ۲۵۰ھ میں اس پر قابض ہو گئے، اور اس پر برابر قابض رہے، یہاں تک کہ سنہ ۲۷۰ھ میں وفات پائی

انھوں نے فقہ میں کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ تصنیف کی، ان ائمہ میں ایک قاسم ابن ابراہیم العلوی الرسی بلاد یمن میں صاحب صعدہ تھے، (۲۴۶ھ سنہ ۲ھ) زیدیہ قاسمیہ ان ہی کی طرف منسوب ہیں اور کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور ان کی تصنیفات میں ہیں،

ان ہی ائمہ میں سے ہادی یحییٰ بن الحسن بن القاسم بن ابراہیم امام صعدہ سنہ ۲ھ سنہ ۲۹۸ھ ہیں اور زیدیہ ہادویہ ان ہی کی طرف منسوب ہیں اور فقہ میں ان کی ایک جامع کتاب ہے،

اس دور کے بہت سے علماء و محدثین امامت کے متعلق مذہب زیدیہ رکھتے تھے، اور بلاد یمن کا بڑا حصہ زیدیہ شیعہ ہے، اور شیعوں کے مذاہب میں یہ مذہب جمہور کے مذاہب سے بہت زیادہ قریب ہے کیونکہ زیدیہ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے زیادہ امامت کا مستحق سمجھتے ہیں، لیکن وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے،

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے سب سے بڑے امام اس دور میں امام ابو عبداللہ جعفر الصادق تھے جو سادات اہلبیت سے تھے، اور اپنی حق گوئی کی وجہ سے صادق کا لقب پایا تھا، وہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ اور بہت سے علمائے مدینہ نے ان سے روایت کی، البتہ امام بخاری نے ان کی حدیث کی تخریج نہیں کی، ان کے باپ ابو جعفر محمد باقر کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اور شیعہ امامیہ کی فقہ کا دار و مدار ان ہی دونوں بزرگوں پر ہے، اس دور میں ان کے سب سے بڑے مولف ابو النضر محمد بن مسعود العیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجنید ہیں، اور زرارہ بن اعین کو بھی جو فقہ، حدیث، کلام اور تشیع میں شیعوں کے بہت بڑے شخص ہیں، شیعوں میں بہت بڑی شہرت حاصل ہے،

Marfat.com

وہ ابوجعفر باقرؑ کے شاگرد تھے، اور اُن کے لڑکے حسین بن زرارہؒ اور حسن بن زرارہؒ ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ کے شاگرد ہیں،

اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، آپ نے اُن کو شریعت کے ظاہر و باطن کی تعلیم دی، اور انھوں نے جس شخص کو امامت میں اپنا خلیفہ بنایا، اسکو اس کی تعلیم دی، یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک ائمہ کے اقوال خود شارع کی نصوص کے مثل ہیں، اور احکامِ اجتہاد اور رائے سے نہیں معلوم ہو سکتے، صرف امامِ معصوم کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجماع عام اور قیاس کو یہ لوگ شرعی اصول نہیں سمجھتے، اجماع کو تو اس لیے کہ جو شخص ائمہ میں سے نہیں ہے، اُس کے قول کا کوئی اثر نہیں، اور قیاس ایک رائے ہے، اور دین رائے سے حاصل نہیں۔ ہو سکتا یہ لوگ تقیہ کے بھی قائل ہیں یعنی مخالفین کے شر سے بچنے کے لیے انسان اپنے عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ کا بھی اظہار کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے ائمہ سے روایتیں منقول ہوتی ہیں تو وہ اپنی کتابوں میں اس روایت کو جو جمہور کی رائے کے مطابق ہوتی ہیں، تقیہ پر محمول کرتے ہیں، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے، جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے، استنباطِ احکام پر سیاست کا جو اثر پڑا ہے، اُس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ کا اسپر اتفاق ہے کہ میراث میں حقیقی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے، حالانکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا دارومدار قربیت پہ ہے، اس لیے انسان جس قدر میت سے قریب تر ہوگا، وہ اُس کے دور کے قرابتداروں سے اُس کی وراثت کا زیادہ مستحق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حقیقی چچا زاد بھائی وراثت میں ماموں سے موخر ہے، لیکن وہ اس کو چچا پر اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں

Marfat.com

حضرت عباسؓ پر مقدم قرار پائین،

اُن کی جو رائیں جمہور کی راون کی مخالف ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) بھانجی کا نکاح خالہ کے نکاح کی حالت میں اسکے اذن کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور بھانجی کے نکاح کی حالت میں خالہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر جائز ہے، اور یہی حال پھوپھی اور بھتیجی کے نکاح کا بھی ہے،

(۲) یہ لوگ نصرانیہ اور یہودیہ کے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں، اور جس آیت سے اسکی حلت ثابت ہے، اُس کو خداوند تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ سمجھتے ہین، وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ،

(۳) مریض طلاق نہیں دے سکتا، البتہ نکاح کرسکتا ہے، اس لیے اگر اس نے نکاح کرکے بی بی کے ساتھ مباشرت کی تو یہ جائز ہے، اور اگر مباشرت نہ کی اور اسی مرض میں مرگیا، تو اس کا نکاح باطل ہے، اور عورت کو نہ مہر ملیگی نہ میراث،

(۴) رضاعت سے نکاح کی حرمت صرف اِن شرائط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، کہ ایک عورت کا جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو، پورے ایک دن اور ایک رات متصل پندرہ بار دودھ پیا ہو، اور اُن کے درمیان کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو،

(۵) کتاب وسنت میں جس طلاق کا حکم ہے، اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جب عورت حائضہ ہوکر پاک ہوجائے تو مرد اس سے جماع کرنے سے پہلے دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے، پھر جب تک اسکو تین حیض نہ آجائین، وہ اس سے رجعت کرسکتا ہے، اور اگر اس نے رجعت کر لی تو وہ اُس کے پاس رہے گی، اور اُس کے بعد

Marfat.com

اسکو دو طلاقون کا حق حاصل ہوگا، اور اگر رجعت سے پہلے تین حیض گذر گئے، تو اس کو اپنے

اوپر اختیار حاصل ہوگا، اور شوہر اگر منگنی کرنے والوں کے ساتھ چاہے تو اس سے منگنی کر سکتا

ہے، اور اب اگر اس نے نکاح کر لیا تو وہ اس کے پاس رہےگی اور اس کو دو طلاقون کا حق

حاصل ہوگا، اور اس کے علاوہ چوتھا وہ طلاق نہ تھا،

(۶) اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ "تو مجھپر حرام ہے" یا اسکو طلاق بائن یا طلاق

تبہ دی یا برتیہ یا خلیہ کہا تو یہ کچھ نہیں، طلاق صرف یہ ہے کہ عدت سے پہلے جب عورت حیض سے

پاک ہوجائے تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے کہے کہ "تجھ کو طلاق ہے، یا تو عدت مین

بیٹھ" اور اس سے طلاق مراد لے اور اس پر دو عادل آدمی گواہی دین۔

(۷) ایک مجلس میں تین طلاق صرف ایک طلاق خیال کیا جائیگا،

اس کے علاوہ اور بہت سی رائیں ہیں جن کو وہ اپنے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں

فنا شدہ مذاہب

فقہائے مذاہب میں بعض فقہا ایسے ہیں جن کے مذہب کے پیرو موجود تھے، اور

انھون نے ایک زمانے تک اُن کے مذہب کی پابندی کی، پھر اس کے بعد جو دوسرے

مذاہب پیدا ہوے وہ اس پر غالب ہو گئے، اور اس کے پیرو ون کا خاتمہ ہوگیا، چنانچہ

اُن مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو عمرو عبدالرحمٰن بن محمد الاوزاعی، اوزاع یمنی قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ

یا دمشق میں باب الفرادیس کے راستے پر ایک گانون ہے، ابو عمرو نے اِن لوگون میں

قیام کیا، تو اُن ہی کی طرف منسوب ہو گئے، ورنہ اُن کا اصل خاندان سبی یمن التمر سے تعلق

رکھتا ہے، لیکن خود اوزاعی بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے، اور جوان ہونے کے بعد
علم حدیث کی تحصیل میں مصروف ہوئے، اور عطا بن ابی رباح اور زہری اور اُن کے
طبقہ کے لوگوں سے روایت کی اور خود اُن سے اکابر محدثین نے روایت کی، امام اوزاعی
بہت بڑے ادیب اور انشاپرداز تھے، اور اُن کے رسائل مشہور ہیں، ولید بن مزید کہتے
ہیں کہ "میں نے ان سے کوئی بہتر ین کلمہ ایسا نہیں سنا جس کے سننے والے کو اس کی ضرورت
پیش نہ آئے کہ وہ اُن کی سند سے اسکو لکھ لے، اور میں نے ان کو کبھی قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے
نہیں دیکھا"، اُن کا ایک قول یہ ہے کہ جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے، تو ان
پر مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور اُن کو عمل سے روک دیتا ہے، ان کا قول ہے کہ
"اُن فقہا پر افسوس ہے، جو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے فقہ سیکھتے ہیں،
اور جو چیزیں شبہ کی وجہ سے حرام ہیں، اُن کو حلال کر لیتے ہیں"، اُن کے استقلال
کے مشہور مشہور مقامات میں وہ گفتگو ہے، جو اُنھوں نے عبداللہ بن علی کے ساتھ اس وقت
کی جب وہ شام میں آئے اور بنو امیہ کو قتل کیا، چنانچہ جب وہ اپنی فوج میں جنکی تلواریں کھنچی
ہوئی تھیں موجود تھے، تو انھوں نے اوزاعیؒ کو بلایا، اور اُن سے پوچھا کہ بنو اُمیہ کے
خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا "تم میں اور اُن میں معاہدے تھے،
اور تمھیں ان کو پورا کرنا چاہیے تھا کہ اس نے کہا کہ "یہ فرض کر لو کہ ہمارے درمیان معاہدہ
نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں گھبرایا اور کشت وخون کو گوارا نہ کیا، اور یہ خیال کیا کہ
میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں، اب میں نے اس سے کہا کہ "ان کا خون تجھ پر حرام ہے"
وہ برہم ہوا اور غصہ سے اس کی آنکھیں نکل آئیں، اور گردن کی رگیں پھول گئیں، اور
اس نے کہا "کیوں؟" میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بجز تین صورتوں

Marfat.com

کے مسلمانوں کا خون حلال نہیں ہے، ایک تو یہ کہ بیاہا آدمی زنا کرے، دوسرے یہ کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے، تیسرے یہ کہ ایک شخص دین کو چھوڑ دے" اُس نے کہا کہ کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے؟ میں نے کہا "کیونکر؟" اُس نے کہا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے وصیت نہیں کی تھی؟" میں نے کہا "اگر آپ اُن کے لیے وصیت کرتے تو وہ دو حکم نہ مقرر کرتے" اب وہ چپ ہو گیا، اور غصے میں بھر گیا، اس پر مجھے خیال ہوا کہ میرا سر میرے آگے گرے گا، لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس کو نکالو اور میں نکل آیا،

امام اوزاعیؒ اُن محدثین میں تھے، جو قیاس کو پسند نہیں کرتے، اور اہل شام کا عمل اُن کے مذہب پر تھا، اور وہ شام کے قاضی تھے، پھر بنو امیہ کی اولاد میں جو لوگ اندلس گئے، ان کے ساتھ امام اوزاعی کا مذہب بھی اندلس میں گیا، پھر تیسری صدی کے نصف حصے میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں شام میں اور امام مالک کے مذہب کے مقابلہ میں اندلس میں اس مذہب کا چراغ بجھ گیا، امام اوزاعی نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی،

(۴) ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بالظاہری، ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور وغیرہ سے علم حاصل کیا، وہ امام شافعی کے سخت حامی تھے، اور اُن کی مدح و فضائل میں دو کتابیں لکھیں، اور بغداد میں ان پر علمی ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔ اُس کے بعد انھوں نے خود اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کیا، جس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں، جب تک کتاب و سنت کی کسی دلیل یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ ظاہر کتاب و سنت مراد نہیں، لیکن اگر کوئی نص نہ ملے تو ان کا عمل اجماع پر ہوتا ہے، اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں، اُن کا

Marfat.com

میں بہ نسبت مکی احکام کے قرآن مجید نے بہت زیادہ تفصیلات کی ہیں، اسی بنا پر ہماری رائے میں جن آیتوں سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر مدنی ہیں، مکی آیتوں میں صرف وہ احکام مذکور ہیں، جن سے عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے، مثلاً جانور جو خدا کے نام پر ذبح نہ کیے گئے ہوں اُن کی حرمت کا حکم مکہ میں نازل ہوا ہے، اور اُس سے صرف عقیدۂ توحید کی حفاظت ہوتی ہے،

نسخ

قرآن مجید مذہب اسلام کی بنیاد، اور خدا کی وہ مضبوط رسی ہے، جس کے پکڑنے کا حکم اُس نے تمام مسلمان کو دیا ہے،

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا — تم سب خدا کی مضبوط رسی پکڑو اور اختلاف کرو،

اور تقریباً یہ مقصد بدیہیات دین میں سے ہے، جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر ایک مسئلہ نہایت تفصیل و توضیح کا مستحق ہے، اور وہ یہ کہ قرآن مجید میں کیا کوئی ایسی بھی آیت ہے، جو منسوخ ہوگئی ہے، اور اُس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟

یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے، اور جب کہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ قرآن مجید قطعی الحجۃ ہے اور واجب العمل ہے تو وہ شخص اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہے اس کا فرض یہ ہے کہ اپنے پیش نظر مقصد پر قطعی دلیل لائے اور میں اس موقع پر اس مسئلہ کی مزید توضیح کرنا چاہتا ہوں:

فقہا کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق ۲ معنی پر کیا جاتا ہے،

(۱) اوّل یہ کہ پہلی عبارت سے جو حکم سمجھا جاتا ہے، وہ اس کے متصل دوسری عبارت سے باطل کر دیا جائے، مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا — میں نے تمکو زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم انکی زیارت کرو،

ل ہے کہ خود عموم کتاب وسنت سے ہر مسئلہ کا جواب نکل آتا ہے،

امام داؤد ظاہری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں بہت سی ابواب فقہ میں ہیں، اور بہت سی اصول میں، مثلاً کتاب ابطال التقلید، کتاب ابطال القیاس، کتاب خبر الواحد، کتاب الخبر الموجب للعلم، کتاب الحجۃ، کتاب الخصوص والعموم، کتاب المفسر والمجمل وغیرہ، اُن کے بیٹے محمد نے اُن سے علم حاصل کیا، اور ان کے مذہب پر چلے، وہ فاضل، ادیب، شاعر، اخباری اور ظرفا و مستورین میں سے تھے، اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

امام داؤد کے مقلد اور اُن کے مذہب پر کتابیں لکھنے والے ابوالحسن عبداللہ بن احمد ابن محمد بن المغلس ہیں، اور ان کے وقت میں داؤدیوں کی ریاست کا اُن پر خاتمہ ہوگیا اور بعد کو بھی کوئی شخص ان کا مثل نظر نہ آیا، وہ تمام لوگوں کے نزدیک فاضل، عالم، صادق، ثقہ اور مقدم تھے، انھوں نے ۳۲۴ھ میں وفات پائی،

لوگ پانچویں صدی کے نصف حصے تک امام داؤد کے مذہب کا اتباع کرتے رہے، اس کے بعد اُس کا چراغ گل ہوگیا، انھوں نے بہت سی رایوں میں جمہور کی مخالفت کی ہے، اور یہ اختلاف قیاس ورائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے، یعنی ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کی کتاب المحلی میں اس قسم کے بہت سے مسائل دیکھتے ہیں جن میں بعض یہ ہیں،

(۱) طلاق صرف تین الفاظ اور اُن کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے، طلاق، تسریح اور فراق، بشرطیکہ ان الفاظ سے کوئی شخص طلاق کی نیت کرے، لیکن اگر ان الفاظ کے متعلق کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی، تو فتویٰ میں اس کی تصدیق کیجائیگی، لیکن طلاق اور مشتقات طلاق کے متعلق قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور طلاق

کے علاوہ بقیہ الفاظ کے متعلق مقدمات میں بھی تصدیق کی جائے گی، ان الفاظ کے علاوہ جو الفاظ ہیں مثلاً "خلیہ" "بریہ" "تو بری ہے" "میں نے تجھ کو بری کیا" "تیری رسی تیری گردن پر ہے، میں نے تیرے خاندان پر یا خاندان کے علاوہ کسی اور پر ہبہ کیا" اور تحریم، تخییر اور تملیک ان کے ذریعہ سے طلاق نہ فتویٰ میں واقع ہو گی نہ قضاءت میں، خواہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے،

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں،

(۳) اگر ایک غائب شخص اپنی بی بی کو طلاق دے تو یہ طلاق نہ ہو گی اور وہ جسطرح پہلے اس کی بی بی تھی، اسی طرح اس کی بی بی رہے گی، اگر ان میں سے ایک مر گیا تو دونوں میں وراثت جاری ہو گی اور زوجیت کے تمام حقوق دونوں کے درمیان قائم رہیں گے، چاہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، تین طلاق ہو یا اس سے کم، البتہ جب وہ اسکو طلاق کا پیغام روانہ کرے اور عورت اس کے بھیجے ہوئے شخص کی خبر کی تصدیق کرے یا اس کی شہادت فیصلہ میں قبول کر لی جائے تو اگر عورت حاملہ ہو گی تو ایسے طہر کے ساتھ پاک ہو گی کہ اس نے اس میں اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے، تو اس پر طلاق پڑ جائے گی،

(۴) اگر ایک شخص نے بغیر قصد طلاق محض زبان کی لغزش سے طلاق دیدی، اور اس پر گواہ قائم ہو گئے، تو اس کے متعلق طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا، لیکن اگر گواہ نہ قائم ہوئے، بلکہ وہ فتویٰ حاصل کرنے کے لیے آیا تو اس کے لیے طلاق لازم نہ ہو گی،

(۵) طلاق کی قسم لازم نہیں ہے، چاہے اس قسم کو پورا کرے چاہے نہ کرے، اس کے،

ذریعہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق وہی ہوگی جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے، اور قسم بھی وہی ہے جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے،

(۶) قسم ہی کا حال طلاق بالصفۃ کا بھی ہے، اور ان سب سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق صرف وہی ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے حکم دیا، اور اس کی تعلیم دی، اور وہ حکم یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور تجاوز عن حدود اللہ ہے،

(۷) اگر ایک شخص نے کہا کہ جب مہینہ شروع ہوگا تو تجھ کو طلاق ہے، یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق نہ ہوگی نہ اب نہ اس وقت جب مہینہ کا آغاز ہوگا،

(۸) اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق کا اختیار دیدیا تو چاہے وہ طلاق لیلے یا نہ لے اس کو طلاق نہ ہوگی،

(۹) اگر ایک عورت نے اپنے شوہر کو ناپسند کیا اور اس کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ اس کا حق نہ ادا کر سکے گی، یا یہ کہ شوہر اُس سے بغض رکھے گا، اور اس کا حق نہ ادا کریگا تو وہ اس کو فدیہ دیکر اس سے الگ ہو سکتی ہے، اور اگر شوہر راضی ہو گیا تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے، ورنہ میاں بی بی کو اسپر مجبور نہیں کیا جا سکتا، صرف اُن کی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہو سکتا ہے، اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے ایک یا دونوں کے اجتماع کے بغیر جائز نہیں، اور اگر ان دونوں کے علاوہ فدیہ دیا گیا تو وہ باطل ہے، اور مرد نے عورت سے جو رقم لی ہے، وہ اسکو واپس کر دی جائے گی، اور وہ پہلے ہی کی طرح اس کی بی بی رہے گی، اور صرف شوہر اُس پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا، اور عورت اپنی تمام مملوکات کو فدیہ میں دے سکتی ہے، اور وہ طلاق رجعی ہوگی، بجز اس صورت کے کہ وہ

اس کو تین طلاق دے، یا تین طلاق کے آخر تک طلاق دے، یا وہ غیر موطؤہ ہو اور ما
عدت کے زمانے میں رجعت کر لی تو یہ جائز ہے، عورت پسند کرے یا نہ کرے، اور عورت
شوہر نے جو رقم لی ہے وہ واپس کر دے گا،

(۱۰) طلاق اور رجعت دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں علماء کو رائے اور استنباط کی عام آزادی حاصل تھی، وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے، اور دوسرے فقہاء کی مخالفت سے ان کو کوئی صدمہ نہیں پہونچتا تھا، لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی حاصل نہ تھی کیونکہ وہاں کے علماء نے ابن حزم کو ان رایوں کی بنا پر جو انھوں نے اپنے مذہب کے خلاف اختیار کی تھیں اپنا آماجگاہ بنا لیا اور امراء کے دلوں میں ان کے خلاف شورش پیدا کی اور ان کو ان سے ڈرا کر اُن کو خوف زدہ کرنا چاہا، لیکن وہ خوف زدہ نہ ہوئے، اور اپنی رائے سے باز نہ آئے، کیونکہ وہ ایک بہت بڑے شخص تھے، اور ہر بڑا شخص اپنے عقیدہ کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے، لیکن ہم اسوقت ان کی رائے کی صحت اور غلطی سے بحث کرنا نہیں چاہتے، صرف گذشتہ زمانے کی ایک حالت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے طبقات الشافعیہ سبکی میں ظاہریہ کی رائے کے متعلق ایک فصل اس بحث میں دیکھی ہے کہ فروعات میں اُن کی رائے کا اعتبار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے اس کے متعلق تین قول بیان کیے ہیں،

(۱) عموماً اُن کا اعتبار ہے اور یہی قول صحیح ہے،

(۲) عموماً ان کا اعتبار نہیں اور استاد ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے،

Marfat.com

(۳) قیاس جلی کی مخالفت راوین کے سوا ان کی اور راویون کا اعتبار ہے،

ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ امام داؤد ظاہری قیاس جلی کے منکر نہیں، صرف قیاسِ خفی کے منکر ہیں، اور ابن سبکی نے اُن کے ایک رسالہ کی جس کا نام اُصول ہے، ایک عبارت بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "قیاس کے ساتھ حکم کرنا ضروری نہین اور استحسان ناجائز ہے"، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو حرام کردیں، پھر اس کے علاوہ دوسری چیز کو ایک شخص اس لیے حرام کرے کہ وہ اس کے مشابہ ہے، البتہ اگر آپ اس علت کو بتادیں جسکی وجہ سے حرمت ہوئی ہو، تو ہو سکتا ہے، مثلاً آپ کہیں کہ گیہون کے بدلے میں گیہون اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ناپ کر فروخت ہوتا ہے، اور اُس کپڑے کو دھو ڈالو کیونکہ اس مین خون لگا ہوا ہے، اور اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ سانپ ہے، کیونکہ اُس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے جس وجہ سے حکم دیا تھا اسکو بتلا بھی دیا تھا، اور جو حکم ایسا نہ ہو اسکو بلا چون وچرا مان لینا چاہیے، اور اس کے علاوہ جو ہے اس سے خاموشی اختیار کی ہے، اور وہ اُن چیزون میں داخل ہے، جو معاف کردی گئی ہیں، گویا جس حکم کی علت بتصریح بیان کردی گئی ہے، اسکو وہ قیاس نہیں کہتے،

(۴) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری،

۲۲۴ھ میں آمل طبرستان مین پیدا ہوئے، اور تحصیلِ علم اور تمام شہرون کی سیاحت کی اور اس قدر علم حاصل کیا کہ اُن کے معاصرین مین کوئی ان کا شریکِ فن نہ تھا، وہ کتاب اللہ کے حافظ، اصولِ صحابہؓ و تابعینؒ کے ماہر ایام الناس اور ان کی تاریخ کے عالم تھے، انکی تصنیفات مین وہ مشہور تاریخ ہے کہ عربی تاریخون میں کوئی تاریخ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہیں، نیز وہ تفسیر ہے کہ اب تک اس کے مثل دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی، کتاب تہذیب الآثار

Marfat.com

بھی اُن ہی کی تصنیف ہے لیکن انھون نے اسکو پورا نہیں کیا، اُن کی ایک کتاب اختلاف الفقہا ربھی ہے، میں نے مصر کے کتبخانہ مین اس کا ایک قلمی ٹکڑا دیکھا تھا، جو وسیع علم اور بہت بڑی عقل پہ دلالت کرتا تھا،

انھون نے ابتدا رمین ربیع بن سلیمانؒ سے مصر میں فقہ شافعی پڑھی، اور یونس بن عبدالاعلیٰ اور بنی عبدالحکم سے فقہ مالک حاصل کیا، اور ابو مقاتل سے رے مین اہل عراق کی فقہ سیکھی، اس کے بعد اُن کا علم وسیع ہوگیا، اور اُن کا اجتہاد اس درجہ کو پہونچ گیا کہ اپنی فقہی کتابون مین انھون نے اپنا ایک خاص مذہب اختیار کرلیا، اِن کتابون میں ایک کا نام لطیف القول ہے، اور یہ وہ اقوال ہین جن کو انھون نے منتخب کیا ہے، ان کی ایک کتاب کا نام حفیف ہے، جسکو انھون نے وزیر مکتفی کی فرمایش سے لکھا ہے، اُس کے بعد کتاب البسیط شروع کی، اور اس مین کتاب الطہارۃ کو لکھا، اور اکثر صلاۃ کی اُس سے تخریج کی اور کتاب الحکام والمحاضر والسجلات کی اُس سے تخریج کی،

اُن کے وہ تلامذہ جنھون نے اُن کے مذہب کے موافق فقہ کی تعلیم پائی حسب ذیل ہین،

(۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد دولابی، انھون تے تلامذہ داؤد بن مغلس مقدم الذکر کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے، اور کتاب فعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کی . . . تصنیف ہے،

(۲) ابوبکر محمد بن احمد بن ابی الثلج الکاتب

(۳) ابوالحسن احمد بن یحیی المنجم المتکلم، کتاب المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ مذہبہ، کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ان کی تصنیفات سے ہین،

(۴) ابوالحسن الدقیقی الحلوانی،

(۵) ابوالفرج المعانی بن زکریا النہروانی، وہ امام ابوجعفر طبری کے مذہب، اور انکی کتابوں کے حفظ میں یکتا ہیں، اس کے ساتھ بہت سے علوم کے ماہر، اور ذکاوت، حافظہ اور حاضر جوابی میں معروف ہیں، امام طبری کے مذہب کے مطابق فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں،

یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف حصہ تک مشہور، اور معمول بہ رہا ہے،

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جنپر ایک زمانہ تک عمل کیا گیا، اس کے بعد اُن کے جاننے والوں کا خاتمہ ہوگیا، اور ان کے آثار صرف کتابوں میں محفوظ رہ گئے، ان کے علاوہ اور بھی بیشمار ائمہ ہیں جو خود اجتہاد کرتے تھے، لیکن ان کے مذہب کی اشاعت کے لیے اُن کو مقلد میسر نہیں ہوئے، مثلاً اہل مصر کے امام، اور امام مالکؒ کے دوست لیث بن سعد جنکی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہیں، لیکن اُن کے تلامذہ نے اُن کا نام اونچا نہیں کیا، اور بھی بہت سے ائمہ ہیں جن کی تاریخ کے استقصار کی گنجائش صفحاتِ کاغذ میں نہین،

خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا، اس میں تقلید کا اثر نہ تھا، بالخصوص ائمہ کے طبقۂ اولیٰ کے تلامذہ مین تو تقلید کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا، اس کے بعد کے طبقات میں بے شبہہ تقلید کی تھوڑی سی خوشبو پائی جاتی ہے، لیکن ان میں سے جب کوئی شخص اجتہاد اور استنباط کی قدرت پاتا ہے تو وہ فوراً زائل ہو جاتی ہے، اور آزادی رائے نہایت وسعت کے ساتھ پائی جاتی تھی، اس کے بعد ہم ایک فصل میں مذاہبِ اربعہ کی اشاعت اور جمہور اہل اسلام کے لیے ان کی پابندی کا سبب بیان کرین گے،

(۹) تفریع مسائل،

Marfat.com

اس دور سے پہلے فقہ نہایت سادہ تھی، کیونکہ جو واقعات پیش آتے تھے انکے متعلق حکم کے اظہار تک محدود تھی، اور فقہاء فرضی مسائل پر کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے لیکن اس دور میں فقہا نے نہایت وسعت کے ساتھ مسائل ایجاد کئے، اور ان کے احکام مستنبط کیے، جن میں اہلِ عراق کو سب پر تفوق حاصل تھا، ان لوگون نے قوتِ تخیل پر اعتماد کیا اور لوگون کے لیے ہزارون ایسے مسائل نکالے جن میں بعض کا وجود ممکن ہو اور بعض ایسے ہیں کہ نسلین گذر جائیں گی، لیکن کوئی شخص ان کے وجود کو محسوس نہ کر سکے گا، اور مختلف ممالک کے وہ فقہاء جو قیاس کو فقہ کا ایک اصول سمجھتے تھے، اس معاملہ میں فقہائے عراق کے دست نگر تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ انھون نے تین چیزون کو سیکڑون مسائل کی بنیاد قرار دیا ہے، اور اُن کے جواب دینے مین نہایت مشقت کی ہے، یعنی غلام اور ان کے تصرفات، بی بی اور اس کی طلاق، قسم اور قسم شکنی، غلامون کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہ کثرت اُن کے قبضہ میں تھے، اور اسی کثرت نے اُن کے خیالات کو اُن کی طرف منعطف کرایا، یہی وجہ ہے کہ معاملات کا کوئی باب ایسا نہیں ہے جس کے اکثر مسائل کی بنیاد لونڈی اور غلام پر نہو، بیع، اجارہ، شرکت، رہن، وصیت اور عتق وغیرہ سب میں ان کے متعلق مسائل نظر آئیں گے،

لیکن عورت اور اُس کے طلاق کے متعلق مین نے اس اصل پر غور کیا جس نے طلاق کے اُن مسائل کی طرف فقہاء کو توجہ دلائی تو مجھے اس کے معلوم کرنے میں کامیابی ہوئی،

اگر ایک ہذیانی آدمی سے بھی مسائل کے وقوع کا تصور ہو سکے تو انھون نے اسکا جواب تیار کر لیا ہے، اور اگر مفتی یا قاضی سے ان کا سوال کیا جائے تو اُن کو جواب دینے میں کوئی توقف نہ ہوگا، رہی یہ بات کہ ان مسائل کے وجود کا تصور مشکل ہے، تو اس سے

Marfat.com

جب اور ٹبہ جاتا ہے، اور ان پر جو وقت صرف کیا گیا، اس پر سخت افسوس ہوتا ہے، میں نے امام محمد بن حسینؒ کی کتاب جامع الکبیر میں پڑھا ہے کہ اگر ایک شخص کے تین بی بیاں ہوں جن میں ایک کا نام زینب، دوسری کا عمرہ، اور تیسری کا حمادہ ہو اور اس نے کسی کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو اور وہ زینب سے کہے کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو وہ عمرہ کو طلاق ہو جائے گی، پھر اس نے عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو وہ حمادہ کو طلاق ہو جائے گی، پھر اس نے حمادہ سے کہا کہ اگر میں تجھکو طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے گی، اس کے بعد اس نے زینب کو طلاق دی، تو اسکو یہ طلاق ہو جائے گی، اور عمرہ کو قسم شکنی کی طلاق واقع ہو گی، لیکن ان دونوں کے علاوہ اور کسی عورت کو طلاق نہ ہو گی، اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہ دی بلکہ عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ کو یہ طلاق ہو جائے گی، اور حمادہ قسم شکنی سے مطلقہ ہو گی، اور زینب پر کوئی طلاق نہ پڑے گی، اور اگر اس نے عمرہ کو طلاق نہ دی بلکہ حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ پر یہ طلاق پڑے گی، اور زینب قسم شکنی سے مطلقہ ہو گی، اور عمرہ پر قسم شکنی کی وجہ سے دوسری طلاق پڑ جائے گی کیونکہ اس نے زینب کے متعلق قسم شکنی کی اس لیے اس قسم شکنی کی وجہ سے مطلقہ ہو جائے گی، لیکن اگر اس نے کسی عورت کو کوئی طلاق نہ دی بلکہ کہا کہ "تم میں سے کسی کو طلاق ہے" پھر قبل اس کے کہ وہ بیان کرے کہ اس نے کس عورت کو طلاق دی، وہ مر گیا تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا، وراثت نہ ملے گی، اور زینب اور حمادہ کو ایک پورا مہر اور ایک چوتھائی مہر ملے گا، جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا، میراث بھی ان کو نصف ملے گی، جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گی، اور نصف وراثت ورثار کو ملے گی، کیونکہ عمرہ ہر حالت میں مطلقہ ہو گی، اور ایک حالت میں زینب اور حمادہ دونوں پر طلاق پڑے گی اور ایک حالت میں صرف ان میں سے

Marfat.com

ایک مطلقہ ہوگی، اس لیے ایک حالت میں ان کو ایک مہر اور دوسری حالت میں دو
اس ایک میں اُن کو ایک مہر اور اس کا چوتھائی حصہ ملے گا، لیکن وراثت تو ایک حالت
ایک کو ملے گی، اور ایک حالت میں ان دونوں میں سے کسی کو نہ ملے گی، اس لیے نصف
دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوجائے گی،

اس کے بعد دوسرے مسئلہ میں اُن بی بیوں کو جن کے ساتھ اُس نے مباشرت نہیں کی
ہے، چار فرض کیا ہے، اور حساب اور کسور کو زیادہ کر دیا ہے،

اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی کتاب الام میں پڑھا ہے،

طلاق بالحساب

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے
جس کے قبل یا جس کے بعد ایک ہے تو اس پر دو طلاق پڑ جائے گی، لیکن اگر اس نے کہا کہ
میں نے ایک طلاق مراد لی ہے، اور اُس کے پہلے اور بعد سے طلاق مراد نہیں لی ہے تو فیصلہ
میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لیکن فیما بینہ و بین اللہ اعتبار کیا جائے گا، اور اگر اس نے
بی بی کو ایک طلاق دیکر پھر رجعت کر لی، اس کے بعد کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے
پہلے ایک ہے، اور اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اُس کے پہلے میں اس کو ایک طلاق
دے چکا تھا تو قسم لینے کے بعد فیصلہ میں بھی اس کی بات مان لیجائے گی، اور اگر کہا کہ تجھ کو
ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک ہے، پھر خاموشی اختیار کر لی اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس
طلاق کے بعد تجھکو ایک وقت کے بعد ایک طلاق دونگا یا تجھکو صرف اسی وقت کے بعد دو طلاق دونگا
تو فیصلہ میں اُس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور فیما بینہ و بین اللہ کیا جائے گا، اگر کسی شخص نے

Marfat.com

اس حدیث کا پہلا فقرہ زیارت قبور کی ممانعت کرتا ہے لیکن دوسرا فقرہ اس ممانعت کو منسوخ کرکے اس کی اباحت یا اس کے حکم کو اس کا قائم مقام کردیتا ہے،

(۲) دوم یہ کہ پہلی عبارت کے عموم کو منسوخ کردیا جائے یا اس کے اطلاق کو مقید کردیا جائے، مثلاً خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء — مطلقہ عورتیں تین حیض کا انتظار کریں،

اس کے بعد ارشاد ہوا،

اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، — جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو، تو تمہارے لئے اُن کے اوپر کوئی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو،

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت عام ہے، جو مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے لیکن دوسری آیت غیر مدخولہ عورتوں کو ایک مخصوص حکم دیتی ہے،

اسی طرح خدا نے دوسرے موقع پر فرمایا،

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (الآیۃ) — جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے لگاؤ،

اس کے بعد فرمایا

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین (الآیۃ) — جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کی ذات کے سوا اُن کے اور گواہ نہیں ہیں، تو ان کو شہادت یہ ہے کہ چار بار خدا کی قسم کھائیں کہ وہ سچے ہیں، —

ان دونوں آیتوں میں بھی پہلی آیت عام ہے جو تمام تہمت لگانے والے کو چاہے وہ شوہر ہوں یا

بی بی سے کہا کہ تیرا بدن، یا تیرا پیٹ، تیرا یا نون، یا تیرا ہاتھ یا اس کے کسی اور عضو یا اس کی انگلی
اس کے کسی پور کا نام لیا تو عورت کو طلاق پڑ جائے گی، اور اگر اس سے کہا کہ تیرے بعض کو
طلاق ہے، یا تیرے کسی جزو کو طلاق ہے، یا ہزار جزو میں سے کسی جزو کا نام لیا تو اس کو طلاق
جائے گی کیونکہ طلاق کے اجزا نہیں کیے جاتے، اور اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق
کے دو نصف حصہ کے برابر طلاق ہے تو اس پر صرف ایک طلاق پڑے گی، البتہ اگر وہ دو
طلاق مراد لے، یا یہ کہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ نصف اس کے حکم سے جو تھا واقع ہوا اور نصف
اس کے حکم سے جو تھا نئے سرے سے دیجائے گی تو دو طلاق پڑ جائے گی، اسی طرح اگر اس سے
کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کی تین تہائی یا چار تہائی طلاق ہے ان میں سے ہر ایک ایک طلاق
سمجھی جائے گی کیونکہ ہر طلاق دو نصف یا تین تہائی، یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے، البتہ
اگر وہ اس سے زیادہ کی نیت کرے تو وہ لفظ کے ساتھ نیت کرنے سے واقع ہو جائے گی،
اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کی طرف دیکھا، اور اس کے ساتھ ایک ایسی عورت ہے،
جو اس کی بی بی نہیں ہے، پھر کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے، تو شوہر ہی کے قول کا
اعتبار کیا جائے گا، اگر اس نے کہا کہ اس نے اپنی بی بی کو مراد لیا تھا، تو اس پر طلاق پڑ جائے
گی، اور اس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا، تو اس بی بی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے کہا کہ اس نے
اجنبیہ کو مراد لیا تھا، تو اس سے قسم لی جائے گی، اور اس کی عورت ایسی حالت میں ہوگی کہ
اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر اس نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق دو میں
سے، تو اس کو ایک طلاق ہو جائے گی، اور اس کے قول "دو میں" کے متعلق سوال کیا جائے گا،
اگر اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی تھی تو اس کو صرف ایک طلاق ہوگی، الخ
اسی طرح انھوں نے اور بھی خیالی اور عجیب صورتیں بیان کی ہیں، حالانکہ کتاب الام کا

اکثر حصہ خیالی مسائل سے الگ ہو،

کتاب المدونہ بھی جو امام مالکؒ سے منقول ہے، طلاق کے متعلق بہت سے مسائل میں اس سے کم نہیں ہے، کیونکہ امام محمد بن الحسن کی کتابیں اس کی اصل ہیں،

رہے نذر و قسم تو وہ ایک دریائے ناپید اکنار ہے، تم کو اس میں حیرت انگیز تنوع نظر آئے گا گویا قسم کی جسقدر خیالی صورتیں ہوسکتی تھیں، ان فقہار نے ان کو سامنے رکھ لیا ہے اور اس کے جواب دیتے ہیں، حالانکہ اس میں یقیناً بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جن کے رسم و عادات میں مختلف ممالک کے لحاظ سے اختلاف ہو جاتا ہے، کاش قسم، غلاموں کی آزادی اور طلاق کے مسائل میں اس درازنفسی کا سبب مجھ کو معلوم ہو سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اواخر میں بیعت پر قسم لینے کا جو طریقہ پیدا ہوا اس نے اس پر اثر ڈالا ہوگا، چنانچہ ایک معاہدے میں جو دوسری صدی میں کیا گیا ہے، یہ الفاظ مذکور ہیں،

اگر تم نے اس میں کسی چیز کو بدلا، یا معاہدہ شکنی کی، یا اس چیز کی مخالفت کی جسکا تم کو امیرالمومنین نے حکم دیا، اور اس کتاب میں تم کو اس کا پابند بنایا تو تم خدا، رسول اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری سے بری ہو گئے، اور تم میں سے آج ہر شخص کے پاس جو مال ہے یا پچاس سال تک وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا وہ مسکینوں پر صدقہ ہو، اور تم میں سے ہر ایک کے لیے پچاس سال تک مکہ کے بیت الحرام کی طرف بطور نذر ننگے پاؤں چلنا ہوگا، خدا صرف اس کے پورے کرنے کو قبول کرے گا، اور تمہارا ہر غلام یا تم میں سے ہر شخص پچاس سال تک جس غلام کا مالک ہوگا وہ آزاد ہے، اور اسکی ہر عورت کو تین طلاقیں قطعی طور پر پڑ جائیں گی، اس میں کسی قسم کی استثنا نہیں ہے،

اور دوسرے معاہدے کے یہ الفاظ ہیں،

Marfat.com

اگر میں نے تبدیلی پیدا کی الخ تو خدا سے، اس کی ولایت سے، اُس کے دین سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو گیا، اور قیامت کے دن خدا سے کافر مشرک ہو کر ملوں گا اور آج میرے پاس جو عورت ہے یا تیس سال تک میں اُس سے نکاح کروں گا، اسکو تین قطعی طلاقیں ہو جائیں گی، الخ

کیا بیعت کے ان معاہدوں میں بی بی، غلام اور نذر شدہ مال کے داخل کرنے کا اثر اُن ابواب کے مسائل کی کثرتِ تفریع پر نہیں پڑ سکتا؟

جو لوگ اس قسم کی قسمیں لیتے تھے، تمام ائمہ نے اُن کے اغراض کی تائید نہیں کی چنانچہ امام مالک بن انسؒ اور اہل حجاز نے اس قول کے ساتھ کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم نہیں ہے، اُن کی مخالفت کی، گو ابو جعفر منصور کے عہد میں ان کو اس پر سزا دی گئی، اور یقینی ہے کہ یہی اس کا سبب تھا، امام شافعیؒ نے بھی اس قول کے ساتھ کہ جو عورت نکاح میں نہیں آئی اس کی طلاق کی قسم کھانا بالکل بے اثر ہے، اُن سے اختلاف کیا، اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اسکی وجہ سے ان کو کوئی ضرر پہونچا، کیونکہ وہ ابو جعفر جیسے مستبد شخص کے زمانے میں نہ تھے، امام داؤد نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "غیر خدا کی قسم بالکل بے قیمت اور بے اثر ہے، ان کی مخالفت کی، اور دوسرے لوگوں نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "قسم میں استثنا جائز ہے، گو وہ چند دنوں کے بعد ہو" ان سے اختلاف کیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ قسم کھانے کے بعد اگر وہ "انشاء اللہ" کا لفظ کہدے تو قسم کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے گی، ایک بار منصور سے کہا گیا کہ استثناء فی الیمین کے جواز میں امام ابو حنیفہؒ تمھارے دادا ابن عباسؓ سے اختلاف کرتے ہیں، چنانچہ ابو جعفر نے اس کے بارے میں اُن سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ جو شخص اس استثناء کو جائز رکھتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے سپہ سالاروں پر تیری بیعت کی پابندی لازم

نہیں ہے، کیونکہ وہ تیری بیعت پر قسم کھائیں گے، پھر نکل کر استثناء کرلین گے، اس لیے قسم اُن کے لیے لازم نہ ہوگی، اس پر ابو جعفر امام ابو حنیفہ سے خوش ہوا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے جس نام ان لوگون نے مبایعہ رکھا ہے، اس کا مقابلہ کرو تو تم کو دونوں زبانون مین قوم کی رو مین عظیم الشان فرق نظر آئے گا، کیونکہ پہلے زمانہ مین یہ لفظ کہ "مین تم سے بیعت کرتا ہون" ہر چیز کو شامل ہو جاتا تھا، اس لیے بیعت کرنے والا نقضِ بیعت یا اس کی خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہیں پاتا تھا، کیونکہ وہ شریف تھا، اور اُس نے وفا پر اپنے شرف کو رہن کردیا تھا اور اصحابِ بیعت حجاجیہ اور منصوریہ ایسے لوگ تھے جن کے معاہدے پر صرف اُس وقت اعتماد کیا جا سکتا تھا جب اس پر مال کے ضائع، عورتون کے مطلقہ اور غلامون کے آزاد ہونے سے مدد لی جائے، اور اُن سب کو دین کا پابند کیا جائے لیکن اس کے ساتھ لیکن عجیب بات ہے کہ جن بیعتون میں ان ذرائع سے کام لیا گیا، اور اُن مین اکثر بیعتون کے کرنے والون نے اُن کو پورا نہیں کیا اور اصحابِ شروط کے ایسے حیلے اُن کے پاس موجود تھے جنھون نے اُن کو اس تنگ دائرے سے باہر نکال دیا،

ان تفریعات کا سلسلہ ابوابِ عبادات تک بھی پہونچا اور تم کو عبادات کے متعلق بھی بہت سی ایسی صورتین ملسکتی ہین جن کا عقل انکار کرتی ہے، اور اُن کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی، لیکن ان بزرگون نے اپنے بعد کے لوگون کو غور وفکر کرنے سے نجات دیدی اور ان کے لیے مسائل کی صورتین وضع کین اور اُن کے جواب تحریر کیے،

امام محمدؒ کی کتاب المبسوط بہت بڑی کتاب ہے، جو چھ ضخیم حصون مین لکھی ہوئی ہے اور ہر جلد کے اوراق کی تعداد بہ تقطیع کامل پانچسو ہے، اور ان سب مین مسائل کی تفصیل

تو اب تم خود غور کرو کہ اُس کے مسائل کی تعداد کیا ہوگی؟ جب کہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے بارہ ہزار مسئلے ہیں، تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے، حالانکہ مختصر قدوری اُس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے، بے شبہ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے، اور اس سے اُن بزرگوں کی جدوجہد کی مقدار کا پتہ چلتا ہے،

میں نے اپنے سامنے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب الام کی ایک ایک جلد ایک ہی موضوع کے متعلق رکھیں اور ایک بار اس کو اور ایک بار اس کو دیکھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اُس اصول کو سیکھے اور جانے جس سے استنباط کیا گیا ہے، اور مجتہد اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ تک پہنچا ہے اس پر جو اعتراضات ہوتے ہیں، وہ اُن کے جواب دینے کے طریقے بیان کرتے ہیں، اس لئے اگر پڑھنے والے کا مقصد جواب مسئلہ کا معلوم کرنا ہو تو وہ بکثرت اُس کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اور اس غرض کو انھوں نے پورا کر دیا ہے، لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لیے لکھتے ہیں، اور اس کو مسائل کے جواب سکھاتے ہیں، اس لیے وہ فروعات کا ماہر ہو کر نکلتا ہے، اور اس کے دل میں کسی فرع کا تصور نہیں آتا جس کو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گذرے، یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والے کا وقت اُس میں اُسی قدر صرف ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مسئلہ کا جواب مل جائے، میں اس وقت یہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتا کہ اس قدر فروعاتِ فقہیہ کی کثرت صحیح ہے یا غلط؟ میں تم کو صرف یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ تفریعِ مسائل اس دور کا ایک خاصہ ہے، اور صحابہؓ و تابعینؒ کا یہ طریقہ نہ تھا، بلکہ جو مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا، اس کے جواب دینے کو وہ لوگ بُرا سمجھتے تھے، اور آئندہ کے دونوں دوروں میں تم کو اُس کا نتیجہ معلوم ہوگا،

Marfat.com

مسائل الحیل

تاریخی واقعات میں سب سے عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مذہبی مقنن ایسے مسائل فرض کرے اور لوگوں کو ان کی تعلیم اس غرض سے دے کہ وہ احکام شرعیہ سے کیونکر نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک وکیل کے متعلق جو لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کیونکہ وہ قانونی حیلوں کے ذریعہ سے ایک مجرم کی رہائی کی تدبیر کرتا ہے، اور کبھی کبھی اُس کو اس کا کمال بھی خیال کیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ اس کو بہت زیادہ وسعت دے اور لوگوں کے لیے قانونی حیلوں کے ذریعہ سے دوسروں کے حقوق کا باطل کرنا آسان کر دے تو یہ اس کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل خیال کی جائے گی اور وہ بھی جس چیز کو دینی خیال کرتا ہے، اُس کے ابطال کے لیے ایسے حیلہ نہ کرے گا، ایسی حالت میں اگر ہم ایک مذہبی آدمی کو دینی احکام کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے پائیں تو ہم پر کیا اثر پڑیگا؟ لیکن ہم کو اس دور میں ایک ایسا شخص ملتا ہے جس نے لوگوں کے لیے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام کتاب الحیل رکھا اور اہل حدیث نے نہایت سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اُس کے مصنف کو شیطان کہا اور اس پر فسق وفجور کے داغ کا نشان لگایا، لیکن اُس کے مصنف کا نام نہ معلوم ہو سکا لوگوں نے اہلِ عراق میں سے بعض اصحاب الرائے پر اس کا الزام لگایا، لیکن یہ تعین نہ کر سکے کہ وہ کون ہے، اس کے بعض مسائل سے اُس کے مصنف کی بھی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ جو شخص ایک مسلمان کے لیے فریضۂ زکوٰۃ کے چھوڑ دینے میں آسانی پیدا کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ جب سال قریب ختم کے ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنا مال اپنے لڑکے یا بی بی پر ہبہ کر دو، پھر اُس سے

اپنے اوپر ہبہ کرا لو کیونکہ اب نیا سال شروع ہو جائے گا، اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس کی نسبت تمھارا کیا خیال قائم ہو سکتا ہے؟ مسائل حیل میں جرم کے لحاظ سے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے، ورنہ اس میں اسقاطِ شفعہ کے متعلق بہت سے مسائل ہیں، اور پابندیِ قسم سے آزاد ہونے کی مثالیں تو اور بھی زیادہ ہیں، خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو اُس مطلقہ عورت کو وراثت دلوتا ہے جس کا شوہر حالتِ مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے کہ اُس کو وراثت نہ ملے حیلہ و فریب سے بالکل الگ ہے، البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسائل کی جو کثرت ہوئی اور طرح طرح کے جو مسائل وضع کیے گیے اُس نے کمزور مذہب کے لوگون کو اس پر آمادہ کیا کہ کلام ائمہ کی مدد سے حیلے تراشین، لیکن ان کے دل میں یہ بات نہ تھی کہ اس غرض کے لیے اُن کے مسائل استعمال کیے جائیں گے، غالبًا ہم اپنے اصل مقصد یعنی تاریخ سے الگ ہوگئے، کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی جو روایت کی گئی ہے، اس لیے ہم اس سے بالکل گذر نہین جا سکتے تھے، علامہ ابن قیم جوزی نے اپنی کتاب علام الموقعین مین اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اگر تم چاہو تو اُس کو دیکھ سکتے ہو،

(۱۰) احکام میں کتابون کی تدوین،

ہم نے جن ائمہ کا تذکرہ کیا، اُن سب کے لیے کتابین مدون کی گئین جن سے وہ احکام معلوم ہوتے ہیں، جن کو انھون نے مستنبط کیا، اکثر تو ان کتابون کو ان کے تلامذہ کے تلامذہ نے مدون کیا ہے، اور بعض کتابون کو خود ان ائمہ نے مدون کیا اور اپنے تلامذہ کو املا کرایا ہے، چنانچہ ہم ان کتابون کا تذکرہ کرتے ہین، جو اُن مذاہب کی بنیاد خیال کی جاتی ہیں،؟

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے متعلق کتابین

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ مین سب سے پہلے اُن کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسف نے کتابین تصنیف کین، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ ان کی اصول و امالی کی کتابون مین کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ آخر کتب فقہ تک ہین،

ان کے علاوہ اُن کی حسب ذیل کتابیں ہین،

(۱) املار، قاضی بشر بن ولید نے اس کی روایت کی ہے، اور امام ابویوسفؒ کی تفریعات ۳۶ کتابون پر مشتمل ہیں،

(۲) کتاب اختلاف الامصار

(۳) کتاب الرد علی مالک بن انسؒ،

(۴) کتاب الخراج، اسکو انھون نے ہارون رشید کے نام بطور ایک خط کے لکھا ہے،

(۵) کتاب الجوامع، اسکو انھون نے یحییٰ بن خالد کے لیے تالیف کیا ہے، جو چالیس کتابون پر مشتمل ہے، اور اس میں لوگون کے لیے اختلاف اور معمول بہ راے کا تذکرہ کیا ہے،

لیکن ان کی کتابون مین ہم کو صرف کتاب الخراج مل سکی ہے، جو مصر میں چھاپی گئی ہے، وہ اُس کی ابتدا میں فرماتے ہیں،

امیر المومنین نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ اس کیلئے ایک ایسی جامع کتاب لکھون جس پر خراج عشور صدقات اور جزیہ وغیرہ کے متعلق جن پر غور کرنا اور عمل کرنا ضروری ہے عمل کیا جائے،

اور اُس سے امیرالمومنین کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم دور کیا جائے اور اُن کے معاملے کی اصلاح ہو، خداوند تعالیٰ امیرالمومنین کو توفیق دے، ٹھیک راستے پہ چلائے، اس پہ اسکی مدد کرے، اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے اسکو محفوظ رکھے، امیرالمومنین نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ وہ جس چیز پہ عمل کرنا چاہتا ہے، اس کے متعلق مجھ سے جس چیز کا سوال کیا ہے، اُس کی تفسیر وتشریح کرون، چنانچہ میں نے اُس کی تفسیر وتشریح کی،

یہ کتاب نہایت عمدہ اور اُس زمانہ کا ایک سرمایہ ہے،

ان کی تصنیفات میں ہم کو کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ بھی ملی ہے جس مین انھون نے اپنے ان دونون استادون کے بہت سے اختلافی مسائل بیان کیے ہیں، اور وہ خود کبھی امام ابوحنیفہؒ سے اتفاق کرتے ہیں، اور کبھی ابن لیلیٰ کی رائے لیتے ہیں، امام شافعیؒ نے اس کتاب کو لیا ہے، اور اِن تینون اماموں (ابوحنیفہ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابویوسف) کی رائے کی روایت کرنے کے بعد اُن کے متعلق اپنی ترجیحی رائے کو ذکر کرتے ہیں، اور بسا اوقات اُن کی رایون کے مخالفت میں خود اپنی ذاتی رائے اختیار کرتے ہیں،

اس کتاب کے یہ چند مسائل ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس استنباط کا دارمدار رائے پہ ہے اس کا کیا طریقہ ہے؟

صناع کا تاوان

(۱) ایک آدمی نے درزی کو کپڑا دیا اور اُس نے اُس کی قبا سی دی، لیکن کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تجھ کو قمیص کا حکم دیا تھا، اور درزی نے کہا کہ تم نے مجھ سے قبا کی فرمائش کی تھی، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا قول لیا جائے گا،

اور درزی کپڑے کی قیمت دیگا اور امام ابو یوسف بھی اسی رائے کو لیتے ہیں لیکن ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک درزی کا قول قبول کیا جائے گا، اور اگر درزی کے پاس سے کپڑا ضایع ہوگیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر اور اسی طرح دھوبی اور رنگریز وغیرہ پر بجز اس صورت کے کہ انھون نے خود ضائع کیا ہو کوئی تاوان نہین ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ انھون نے بذات خود ضایع نہ کیا ہو لیکن جو چیز ان کے پاس ضائع ہوئی وہ اس کا تاوان دین گے، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ تاوان دین گے مگر کسی اتفاقی حادثہ کی صورت میں نہین -

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اجیرون سے تاوان دلوتا ہے، وہ اس کو عاریت پر قیاس کرتا ہے جس کا تاوان لیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عاریت کا تاوان اس لیے لیا جاتا ہے کہ عاریت لینے والے کا فائدہ ہوتا ہے، اس لیے جب تک وہ اس کو محفوظ طریقہ پر واپس نہ کردے، وہ اس کا تاوان دیگا اور وہ مثل سلف کے ہے، قاضی شریحؒ بھی دھوبی سے تاوان لینے کی طرف گئے ہیں، چنانچہ انھون نے ایک ایسے دھوبی سے تاوان دلوایا جس کا گھر جل گیا تھا، اس نے کہا کہ آپ مجھ سے تاوان دلواتے ہیں؟ حالانکہ میرا گھر جل گیا ہے، بولے اگر کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اس سے اپنی اجرت نہ لیتا، لیکن جو لوگ ان سے تاوان نہیں دلواتے وہ اسکو ودیعت پر قیاس کرتے ہیں، عطا سے یہ روایت ثابت ہے کہ انھون نے کہا کہ کاریگر اور اجیر پر ضمانت نہیں ہے، البتہ اجیرون اور کاریگرون نے جس چیز کو خود ضائع کردیا ہو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے، اور جس طرح ایک امانت دار آدمی اس امانت کی ضمانت دیتا ہے جس کو اس نے خود ضائع کردیا ہو، اسی طرح یہ لوگ بھی ضمانت دین گے اور ضائع کرنے کا جرم کسی سے معاف نہو گا، اسی طرح اگر انھون نے زبردستی سے ضائع کیا ہو تو وہ تاوان دین گے، ربیع کہتے ہیں

Marfat.com

فہرست مضامین

تاریخ فقہ اسلامی

135350

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱-۴	روزہ	۵۵
مقدمہ	۱-۲	حج اور عمرہ	۵۸
پہلا دور		زکوٰۃ	۶۲
فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن و حدیث	۳	جہاد	۶۹
نزول قرآن کی کیفیت	۱۲	معاہدات باہمی	۸۷
مکی و مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات	۱۴	اسیران جنگ	۹۱
قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی اصول	۱۷	غنیمت جنگ	۹۶
عدم حرج	"	نظام منزلی	۱۰۳
قلت تکلیف	۱۹	نکاح	"
تدریج	۲۱	طلاق	۱۱۱
نسخ	۲۳	نظام وراثت	۱۳۲
قرآن مجید کا طرز بیان طلب اللہ تخییر کے متعلق	۳۱	تعزیرات	۱۴۶
جملہ احکام قرآنیہ	۳۹	**دوسرا دور**	
حدیث	۴۰	فقہ بعد کبار صحابہ [illegible] سے [illegible] تک	۱۵۴
نماز	۵۰	اجمالی طور پر سیاسی صورت حال	"

Marfat.com

شوہر نہ ہوں، شامل ہے، لیکن دوسری آیت نے شوہروں کو ایک مخصوص حکم دیا ہے، کیونکہ اُس نے ان کی پانچوں قسموں کو چار گواہوں کا قائم مقام کر دیا ہے، اور عورت کو حدِ زنا سے بری ہونے کا حق بھی اس کی پانچ قسموں کی بنا پر دیا ہے،

مطلق کے مقید کرنے کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے،

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ — تم پر مردار اور خون حرام کیا گیا،

پھر دوسری آیت میں فرمایا

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا — کہہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا میں اس میں کوئی حرام چیز جس کو کوئی کھانے والا کھائے بجز مردار اور بہنے والے خون کے نہیں پایا،

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت حرام خون کے لئے مطلق ہے لیکن دوسری آیت میں مسفوح یعنی بہنے کی قید لگاتی ہے،

نسخ کی یہ دوسری قسم بلا اختلاف قرآن مجید میں موجود ہے، البتہ اس میں متعدد احتمالات نکل سکتے ہیں، مثلاً

(۱) تاریخ نزول کے لحاظ سے ہمکو یہ معلوم ہے، کہ عام اور مطلق خاص اور مقید سے مقدم یا متاخر ہیں، یا یہ معلوم نہیں،

(۲) پچھلی آیت پہلی آیت سے ملی ہوئی نازل ہوئی ہے، یا وہ بعد کو اتری ہے،

(۳) بعد کو اترنے والے خاص اور مقید کو ہم بعض فقہار کی اصطلاح کے موافق عام اور مطلق کا ناسخ قرار دیں،

(۴) یا دوسرے فقہار کی رائے کے موافق اس کو تخصیص و تقلید کہیں،

کہ میرے خیال میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کاریگر پر بجز اس صورت کے کہ اس نے خود ضائع کیا ہو تاوان نہیں ہے لیکن کاریگروں کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے،

مشتری کے پاس زمانہ خیار میں فروخت شدہ چیز کا ضائع ہوجانا

اگر کسی شخص نے ایک چیز اس شرط پر خریدی کہ بائع کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہوگا، اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا، اور وہ اس کے پاس ضائع ہوگئی تو امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ خریدار کو قیمت[1] کا تاوان برداشت کرنا پڑیگا، کیونکہ اس نے بیع کی شرط پر اس کو لیا ہے، اور یہی امام ابو یوسف کی بھی رائے ہے، لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں امین ہے، لیکن اگر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہو اور وہ اس کے پاس ضائع ہو جائے تو دونوں کے قول میں جس ثمن[2] پر اس نے خریدا ہے، وہ اس پر بطور تاوان کے پڑے گی، اور امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ اس کی قیمت کو تاوان میں دیگا، ہم ثمن کو بطور تاوان کے اس پر نہیں دلواتے کہ ابھی بیع مکمل نہیں ہوئی ہے، اور تاوان سے اسکو بری اسلیے نہیں کرتے کہ اس نے اسکو بیع پر لیا ہے... اور تاوان سے اسکو بری اسلیے نہیں کرتے کہ اوسنے اسکو بیع پر لیا ہے جسکا عوض خریدار سے لے گا، اس لئے ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان دلوائیں گے وہ اس کا امین نہیں ہو سکتا کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہوتا ہے، جس کا وہ نہ مالک ہو اور نہ اس سے کوئی نفع حاصل کرے اٹھائے، صرف اس کو اصل مالک کے فائدہ کے لیے نہ کہ اپنے فائدے کے لیے اپنے پاس روک رکھے، چاہے واپسی کا اختیار بائع کو ہو یا مشتری کو اس میں دونوں برابر ہیں، چونکہ بیع کے مکمل ہونے سے پہلے وہ چیز تلف ہوگئی،

---

[1] قیمت مال کی اصل قیمت کو کہتے ہیں [2] اور ثمن وہ ہے جو بائع اور مشتری میں طے ہو جائے،

شفعہ

ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس میں ایک عمارت تعمیر کی، اس کے بعد شفیع نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ شفیع مکان لے لیگا، اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا، اور امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے، لیکن ابن ابی لیلیٰ مکان اور نو تعمیر عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں، اور اس کو نو تعمیر عمارت کی قیمت اور مکان کا ثمن ادا کرنا ہوگا، ورنہ اس کو شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا، اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی مکان کا ایک حصہ خریدا، پھر اس کی تقسیم کی، اور نئی عمارت بنائی، اب شفیع نے بذریعہ شفعہ اس کا مطالبہ کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو مکان کا ثمن اور نئی عمارت کی جو قیمت آج ہے، ادا کردو، ورنہ شفعہ سے باز آؤ، اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس نے عمارت زبردستی نہیں بنائی ہے، اس لیے اس پر اس کا انہدام فرض نہیں ہے۔

ہمسایہ کا شفعہ

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شفعہ کا حق پہلے اُس شریک کو حاصل ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے، اُس کے بعد اُس شریک کو جس نے تقسیم کرلی ہے، اور دونوں کا راستہ ایک ہے، پھر متصل کے ہمسایے کو حقِ شفعہ حاصل ہے، اور جب بہت سے ہمسایے ہوں اور اُن سب کا اتصال برابر درجہ کا ہو تو وہ شفعہ میں شریک ہیں، ابن ابی لیلیٰ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے قول کے قائل تھے، لیکن جب امیرالمومنین ابوالعباس نے اُن کو تحریری حکم بھیجا کہ شفعہ

فیصلہ صرف اُس شریک کے حق میں کریں جس نے تقسیم نہیں کی ہے، تو انھوں نے اس حکم کو قبول کر لیا، اور صرف اُس شریک کے حق میں فیصلہ کرنے لگے جس نے تقسیم نہیں کی تھی یہی قول اہلِ حجاز کا ہے اور یہی رائے امام شافعی کی ہے[۱]

پوری کتاب اسی پسندیدہ روش پر لکھی گئی ہے، جس سے وہ طریقے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں جن کو ان ائمہ نے استنباط و انتقاد میں اختیار کیا ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے اور ان کے تلامذہ کے مذہب کے متعلق جس شخص کی کتابیں ہمارے لیے محفوظ رہیں وہ امام محمد ابن حسن ہیں، جن کو ان مذاہب کی روایت کے ساتھ دوسروں پر امتیاز حاصل ہے،

اُن کی کتابوں کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کی اُن سے روایت کی گئی، اور وہ اسقدر مشہور ہوئیں کہ قلوب پر ان کو اطمینان حاصل ہو گیا، اور یہ کتابیں ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں، . . . . اور دوسری وہ کتابیں ہیں جنھوں نے یہ درجہ نہیں حاصل کیا اور ہم ان دونوں قسم کی کتابوں پر بحث کرتے ہیں،

کتب ظاہر الروایۃ

کتب ظاہر الروایۃ میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جسمیں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں، جن کو امام محمدؒ سے ان کے دو شاگردوں یعنی عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کیا ہے، یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب کتاب الصلوٰۃ ہے لیکن اس کی ہر کتاب میں ابواب میں نہیں قائم کیے گئے تھے، اس لیے قاضی ابو طاہر محمد بن محمد الدباس نے اسکی تبویب

---

[۱] مصنف نے کئی ورق میں اس قسم کے مسائل لکھے ہیں لیکن ہم نے طوالت اور غیر دلچسپی کے خیال سے ان کو قلم انداز کر دیا ہے،

Marfat.com

ترتیب کی تاکہ طلبہ پر اس کا یاد کرنا اور پڑھنا آسان ہو جائے، امام محمد اس کتاب کے مسائل روایت امام ابو یوسف سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے کرتے ہیں، اور اس کتاب میں استدلال موجود نہیں ہے،

دوسری کتاب جامع الکبیر ہے، جو جامع صغیر ہی کے مثل ہے، البتہ وہ اُس سے بڑی ہے،

تیسری کتاب مبسوط ہے جو اصل کے نام سے مشہور ہے، امام محمد کی تصنیفات میں سب سے بڑی کتاب ہے جس میں انھوں نے اس قسم کے ہزاروں مسائل جمع کیے ہیں، جن کے جوابات امام ابو حنیفہ نے مستنبط کیے ہیں، اور ان میں بعض وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اُن سے اختلاف کیا ہے، اس کتاب میں اُن کی عادت یہ ہے کہ اس کو وہ اُن آثار سے شروع کرتے ہیں، جو اُن کے پاس موجود ہوتے ہیں، پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں، اور اکثر ان مسائل پر خاتمہ کرتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلی نے اس باب کے مسائل میں اختلاف کیا ہے، اور اُن کے ایک شاگرد احمد بن حفص نے ان سے اس کتاب کی روایت کی ہے، اور وہ احکام کی علت سے خالی ہے،

چوتھی کتاب سیر الصغیر ہے جس میں کتاب الجہاد کے مسائل ہیں۔

پانچویں کتاب سیر الکبیر ہے، اور وہ فقہ میں اُن کی آخری تصنیف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابوں کے راوی ابو حفص احمد بن حفص نے اُن سے اس کی روایت نہیں کی ہے کیونکہ ابو حفص کے عراق سے واپس آنے کے بعد انھوں نے اُس کو تصنیف کیا ہے، اس لیے اُس کے کسی مسئلہ میں انھوں نے امام ابو یوسف کا نام نہیں لیا ہے، کیونکہ جب ان دونوں کے درمیان سخت عداوت قائم ہوگئی ہے، اس کے بعد انھوں نے اس کتاب

کو لکھا ہے، اور جب وہ امام ابو یوسف سے کسی حدیث کی روایت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ثقہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی" اور جہاں کہیں یہ لفظ بولتے ہیں اس سے امام ابو یوسفؒ کی ذات مراد لیتے ہیں،

امام محمد سے ابو سلیمان جوزجانی اور اسمٰعیل بن توابہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے،

چوتھی صدی کے آغاز میں ابو الفضل محمد بن احمد المروزی المعروف بالحاکم الشہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں امام محمد بسوط کتابوں کے مطالب بیان کیے' ان کے مکرر مسائل کو حذف کر دیا، یہ ایک عمدہ قلمی کتاب ہے، جو مصر کے کتبخانہ میں موجود ہے،

امام محمد بن حسن کی کتابوں میں ہم کو ایک اور کتاب ملی ہے جس میں انھوں نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے، اور امام شافعی نے کتاب الام میں اس کی روایت کی ہے۔ اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہلِ مدینہ کی تائید کے لیے یا امام ابو حنیفہ کی موافقت کے لیے اعتراضات کیے ہیں،

اس کتاب میں صرف وہ مسائل مذکور ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے اہلِ مدینہ سے اختلاف کیا ہے، اور اُن میں سے ایک مسئلہ یہ ہے،

باب اُس شخص کا جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کیلئے اس غرض سے پکڑ رکھتا ہے کہ وہ اسکو قتل کر دے،

اس شخص کے بارے میں جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے لیے پکڑ رکھتا ہے اور وہ ہتھیار کے ضرب سے اس کو اسی جگہ مار ڈالتا ہے، امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ پکڑ رکھنے

Marfat.com

والے پر قصاص نہیں ہے، قصاص صرف قاتل پر ہے، البتہ پکڑ لینے والے کو سزا دیجائے گی اور وہ قید خانہ میں بھیجدیا جائے گا، لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اسکو قتل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کیے جائیں گے لیکن امام محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑ لینے والا کیونکر قتل کیا جا سکتا ہے ؟ حالانکہ اس نے قتل نہیں کیا ہے، اگر اس نے اس شخص کو پکڑ لیا، اور اس کا خیال ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا نہیں چاہتا تو کیا تم لوگ پکڑ لینے والے کو قتل کر دو گے، اگر وہ لوگ کہیں کہ "نہیں" ہم اس کو صرف اس وقت قتل کریں گے جب وہ یہ گمان کرے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے"، تو ہم ان سے کہیں گے کہ ہمارے خیال مین تمہارے نزدیک پکڑ لینے والے پر قصاص اس کے گمان کی بنا پر واجب ہے، اور گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی، کیا تمہارے خیال مین ایک شخص نے ایک شخص کا پتہ دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ دیا ہے، اس کا خیال ہے کہ اگر وہ اس پر قدرت پائے گا، تو اس کو قتل کر دیگا تو کیا تم جس طرح پکڑانے والے کو قتل کرتے ہو پتہ دینے والے کو بھی قتل کرو گے، کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک شخص کو ایک آدمی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قاتل اور حکم دینے والا دونوں قتل کیے جائیں گے، کیا تمہارے خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک عورت کو ایک شخص کے لیے روک رکھا، یہان تک کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا تو کیا ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی، یا صرف اس شخص پر حد جاری ہوگی، جس نے زنا کیا ہے ؟ اور اگر وہ دونوں محصن ہون تو کیا دونوں سنگسار کیے جائیں گے ؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پکڑ لینے والا قتل کیا جائے گا، اس کو چاہیئے کہ یہ کہے کہ ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی، کیا تمہاری

Marfat.com

خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو شراب پلائی تو کیا دونوں پر حدِ خمر جاری ہوگی، یا صرف پینے والے پر؟ کیا تمھارے خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ کہ ایک شخص پر تہمت لگائے، اور اس نے...... اس پر تہمت لگادی، کیا دونون پر حد جاری ہوگی، یا صرف تہمت لگانے والے پر؟ تمھارے قول کے مطابق چاہیے کہ دونوں پر حد جاری ہو حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ انھون نے اُس شخص کے بارے میں جس نے ایک شخص کو قصداً قتل کر دیا اور دوسرے نے اُس کو روک رکھا فرمایا کہ قاتل قتل کیا جائے گا، اور دوسرا قید رکھا جائے گا، یہان تک کہ مرجائے،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خدا نے لوگون کو نفس فعل پر سزا دی ہے، اور اسی کے لیے قصاص مقرر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتا ہے،

کتب علیکم القصاص فی القتلی (بقرہ - ۲۲) مقتولین کے بارے مین تم پر قصاص فرض کیا گیا،

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا (بنی اسرائیل - ۴) اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا، ہم نے اس کے ولی کو اقتدار عطا فرمایا،

اور جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں اُن کے نزدیک یہ عام طور پر معلوم تھا کہ مقتول کے ولی کا اقتدار نفس قاتل پر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو کہ جس شخص نے قتل کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا خون گرایا، اس کا قصاص اس کے ہاتھ مین ہے، اور خداوند تعالی فرماتا ہے،

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (نور - ۱) زانیہ اور زانی مین سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو،

اور فرمایا،

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (نور-۱) | جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں پیش کرتے ان کو اسی کوڑے مارو۔

لیکن مجھے کوئی ایسا پیشوا نہین ملا جس نے کسی کو ایسے فعل یا ایسے قول پر حد ماری ہو جس کو نہ اس نے کیا ہے، نہ کہا ہے، اس لیے اگر کسی نے کسی کو کسی شخص کے لیے پکڑا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں قاتل قتل کیا جائے گا، اور پکڑنے والے کو سزا دی جائے گی، اور خدا کے فیصلے میں یہ جائز نہیں کہ جب مین نے قاتل کو قتل کے بدلے مین قتل کر دیا تو پکڑنے والے کو پکڑنے کے بدلے مین قتل کر دن، حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو مختلف چیزین ہین اور جس شخص نے اس کو قتل کیا، اس نے خداوند تعالے کے حکم کو بدل دیا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتلی ؁ | مقتولین کے بارے مین تم پر قصاص فرض ہے،

تو قصاص یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ اسی کے مثل کام کیا جاوے جو اس نے کیا ہے، کیا یہان قتل واقع ہے جس کے بدلے مین قتل کیا جائے؟ یہان صرف پکڑ رکھنا ہے، اور پکڑ رکھنا ایک گناہ ہے جس مین قصاص نہیں ہے، اس لیے اس ہی سزا دی جائے گی خواہ اس نے اس لیے روک رکھا کہ وہ اس کو قتل کر دے یا قتل نہ کرے، اور اگر پکڑ رکھنا قتل کے قائم مقام ہوتا جب کہ پکڑ لینے والا یہ نیت کرتا کہ محبوس قتل کر دیا جائے گا تو ایسی حالت مین یہ چاہئے کہ گو وہ قتل نہ کیا جائے، لیکن پکڑ لینے والا قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس نے نیت کے ساتھ ایک ایسا کام کیا جس کو وہ قتل کے قائم مقام سمجھتا تھا، لیکن یہ امام مالک بن انس اور امام محمد بن حسن کے قول کے خلاف ہے، اور امام محمد بن حسن امام مالک

اعتراضات کرتے ہیں، وہ سب بلکہ اُن سے زیادہ اُن پر وارد ہوتے ہیں، لیکن امام محمد بھی دوسرے مواقع پر غفلت سے نہیں بچتے یا اس لیے اُن پر بھی وہی اعتراضات ہوتے ہیں جو انھوں نے امام مالکؒ پر کیے ہیں، اس لیے وہ تمام دلائل جو انھوں نے امام مالکؒ کے خلاف قائم کیے ہیں، اُن کے خلاف قائم ہو جاتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ اس کی مثال کیا ہے، تو کہا جائیگا کہ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ مارا اور قتل کیا، اور ان کی مددگار ایک ایسی جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن جن لوگوں نے قتل کیا ہے ان کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، اور مددگاروں کو اس لیے قتل کیا جائیگا کہ اُن لوگوں نے ان کی قوت سے قتل کیا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے پوچھا کہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی روایت بھی ملی ہے؟ تو انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی، تو میں نے ان سے کہا کہ کیا ایک ضعیف آدمی نے ایک طاقتور آدمی کو قتل کرنا چاہا، اور دوسرے طاقتور آدمی سے کہا کہ اگر میں ضعیف نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کر دیتا، تو اس نے کہا کہ میں تمھارے لیے اُس کی مشکیں باندھ دوں گا، چنانچہ اس نے اسکی مشکیں کسیں، اس کے سینے پر بیٹھا، اور اس کا کلہ ابھارا تاکہ اس کا حلق نمایاں ہو جائے پھر ضعیف کو چھری دیدی اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو کیا تم صرف ذبح کرنیوالے کو قتل کروگے، کیونکہ وہی قاتل ہے، اور اُس شخص کی مدد کی طرف جو قتل کا سبب تھا، ملتفت نہ ہوگے کیونکہ سبب فعل سے مختلف ہے، اور تمہارا صرف فعل پر مواخذہ کرتا ہے، کیا اُس شخص نے اس کے قتل پر زیادہ مدد کی ہے، یا اُن مددگاروں نے اُن لوگوں کے قتل پر جو راستے سے گذر رہے تھے، پھر اُن مددگاروں کے متعلق تم کہتے ہو کہ اگر ایسی جگہ ہوں جہاں سے آواز نہ سن سکتے ہوں اور گو اُس جماعت کو دیکھتے ہوں اور انکو قوت پہونچاتے

Marfat.com

ہوں، تاہم ان کو صرف سزا دیجائے گی، پھر جہاں سے آواز سنتے ہوں ان پر کیوں مدد ... ہوگی؟ امام محمد نے جواب دیا کہ امام مالکؒ بھی مجھ سے متفق ہیں، اور اسی طرح وہ بھی کہتے ... کہ مددگار قتل کیے جائیں گے، میں نے کہا تو کیا ان سے تمہارے لیے تمہارے غیر پر حجت قائم ہو جائے گی؟ اگر تمہارا قول حجت نہیں ہے، تو کیا ہمارے استاد امام مالکؒ کا اسی قسم کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو حجت ہوگا؟ انھوں نے کہا تو کہا تمہارا یہ قول نہیں ہے میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند آدمی کو نہیں پاتا جس کا یہ قول ہو، اور جو شخص اس کا قائل ہو وہ کتاب اور قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا، اور تم نے جس چیز سے استدلال کیا ہے، اس کا اکثر حصہ اس کے لیے لازم ہوگا، تو اگر تم نے کسی چیز میں استدلال کیا ان پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گیے، تو یہ ہو سکتا ہے،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ قاتل قتل کیا جائے گا، اور پکڑنے والے کو حبس دوام کی سزا دیجائے گی، لیکن امام محمد حبسِ دوام کی سزا نہیں دیتے، اس لیے انھوں نے جس چیز سے استدلال کیا ہے اسی کی مخالفت کرتے ہیں،

پوری کتاب اسی طریقہ پر فریقین کی قوتِ استدلال کا نمونہ ہے، اور قانون کے طلبہ کے پڑھنے کے قابل ہے،

امام محمد کی ایک کتاب کتاب الآثار ہے جس کا ذکر ابن ندیم نے نہیں کیا ہے لیکن ہم نے اس کا قلمی نسخہ مصر کے کتبخانہ میں دیکھا ہے، انھوں نے اس میں وہ آثار جمع کئے ہیں جن میں احناف استدلال کرتے ہیں، اور ان کی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو نوادر کے نام سے مشہور ہیں، اور یہ وہ کتابیں ہیں جو ان سے قابلِ اطمینان ...

لیکن بہرحال اصل مسمی کے وجود پر اتفاق کر لینے کے بعد اس کے مختلف نام کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ہمارے لئے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عام اور مطلق باطل نہیں ہوئے، کیونکہ خاص نے جس چیز کو پہلے حکم کے دائرے سے نکال دیا ہے، اُس کے علاوہ عام ہر چیز پر ہمیشہ دلالت کرتا رہیگا اور یہ اس اصل کی طرف رجوع کر جائے گا، جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ احکام فقہیہ میں تدریج ملحوظ ہے، یعنی وہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں، اس بنا پر جب دین مکمل ہو جائیگا تو عام و خاص دونوں بمنزلہ ایک آیت کے قرار دیئے جائیں گے، اور عام کو مستثنیٰ منہ اور خاص کو مستثنیٰ کہا جائے گا یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دونوں میں سے اگلی اور پچھلی آیت پر اہتمام کے ساتھ دلالت نہیں کی ہے اور ان کے امتیازی علم کو نقصان نے بھی اہمیت نہیں دی ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کل قرآن شے واحد ہے،

البتہ نسخ کی پہلی قسم یعنی قرآن مجید میں ایسی آیت کا ہونا جس کا حکم بالکل باطل کر دیا گیا ہو یا اس سے زیادہ موزوں عبارت میں اس کے حکم کی مدت ختم ہو گئی ہو، اور وہ صرف بغرض تلاوت قائم رکھی گئی ہو محل بحث و نظر ہے، پچھلی آیت کا پہلی آیت کو باطل کرنا دو باتوں پر موقوف ہے،

(۱) ایک تو یہ کہ پچھلی آیت بہ تصریح ظاہر کر دے کہ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا،

(۲) دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں ایسا تناقض موجود ہو کہ دونوں میں تطبیق نہ دی جا سکے،

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی ایسی آیت موجود ہے؟

پہلی صورت قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں پائی جاتی، صرف دو آیتیں ہیں جو بحث و تحقیق کے پہلے ان لوگوں کی رائے کی تائید کرتی ہیں، جو قرآن مجید میں نسخ کے قائل ہیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال — اے پیغمبر مسلمانوں کو لڑائی کیلئے آمادہ کرو اگر تم میں بیس

Marfat.com

مروی نہین ہین، چنانچہ ان کے نام یہ ہین،

(۱) امالی محمد فی الفقہ اور وہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے،

(۲) کتاب الزیادات،

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات

(۴) کتاب النوادر ابن رستم کی روایت ہے،

امام محمد رحمہ اللہ اُن اشخاص مین سے ہیں جنھون نے موطا امام مالکؒ کی روایت امام مالکؒ سے کی ہے، وہ اس کی حدیثون کے بعد موافق یا مخالف امام ابوحنیفہ کے معمولات کو بتاتے ہین، اور اس سبب کو بیان کرتے ہین جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا،

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ مین ایک مصنف حسن بن زیاد لولوئیؒ ہین، جنھون نے کتاب المجرد لابی حنیفہ روایتہ، کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب النفقات، کتاب الخراج کتاب الفرائض اور کتاب الوصایا تصنیف کی ہے، لیکن حسن بن زیاد کی روایتون کا درجہ اعتبار امام محمد بن حسن کی روایتون کے بعد ہے، کیونکہ امام محمد پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے،

ائمہ حنفیہ مین ایک مصنف عیسیٰ بن ابانؒ شاگرد امام محمد بن حسنؒ ہین جنھون نے کتاب الحج، کتاب خبر الواحد، کتاب الجامع، کتاب اثبات القیاس اور کتاب اجتہاد الرائے لکھی ہے،

ان ہی مین ہلال بن یحییٰ المعروف بہلال الرائے اور ابوعبداللہ محمد بن سماعہؒ ہین، اور محمد بن سماعہ اُن لوگون میں ہین جنھون نے امام محمد بن حسنؒ سے ان کی کتابون کی روایت کی ہے،

Marfat.com

ان ہی مین ایک بزرگ احمد بن عمر بن مہیر المشہور بالخصافؒ ہین، جنھون نے بہت سی کتابین تصنیف کین اور اُن کی سب سے بہترین کتاب وہ ہے، جو انھون نے اوقاف کے متعلق لکھی ہے، اور وہ مشہور و متداول ہے،

اس دور کا خاتمہ ایک عظیم الشان امام اور عظیم الشان مصنف امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلمۃ الازدی الطحاوی المصری پر ہوا، جنھون نے حسب ذیل کتابین تصنیف کین،

(۱) کتاب اختلاف الفقہار، یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جس کو وہ مکمل نہ کر سکے،

(۲) کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تقریباً ہزار ورق میں ہے،

(۳) کتاب شرح معانی الآثار ہم کو اس کتاب سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے، جو علم سے لبریز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین اس کو خوب یاد ہین، اور اسی کے ساتھ فقہار نے جو مذاہب اختیار کیے ہین انکے متعلق ان کے اقوال و مستندات سے اُس کو پوری واقفیت حاصل ہے،

اُن کی اور کتابین بھی ہین جن کا ذکر ابن ندیم نے فہرست مین کیا ہے،

اس دور مین بھی کتابین تصنیف کی گیئن، لیکن ان مین سب سے مقدم امام محمدؒ کی کتابین ہین، اور امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کے مذہب کی بنیاد ان ہی کتابون پر قائم ہے، اور آیندہ دور مین علمار حنفیہؒ نے ان ہی کی شرح و توضیح کی ہے، اور ان پر اعتماد کیا ہے، اور ان ہی سے فیضیاب ہوے ہین،

امام مالک بن انسؒ امام مدینہ کے مذہب کے متعلق کتابین

امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا لکھی، اور اُن کے بہت سے تلامذہ نے اُن سے اس کو

بہ روایت کی لیکن اُن کی روایتوں میں اختلاف ہے کسی میں کمی ہے، اور کسی میں زیادتی ہے، البتہ موطا کی مشہور ترین روایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ کی روایت ہے اور ہم اسی نسخہ کو پڑھتے ہیں، اور مصر میں یہی چھاپا گیا ہے، ایک اور موطا ہے جس کی روایت امام محمد بن حسن نے کی ہے، اور وہ ہندوستان میں طبع ہوئی ہے،

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جو اس کے متعلق ہوتی ہیں، پھر اُس کے متعلق اُن صحابہؓ یا تابعینؒ کے آثار لاتے ہیں، جن میں بہت کم مدینہ کے علاوہ اور کہیں کے ہوتے ہیں، کبھی کبھی اہلِ مدینہ کے عمل یا اُن کے امر متفق علیہ کو بھی بیان کرتے ہیں، چنانچہ اُن کی طرز تحریر کا نمونہ یہ ہے،

مریض کا طلاق

امام مالک ابن شہابؒ سے، وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہ عبدالرحمٰن ابنؓ عوف نے جب کہ وہ مریض تھے، اپنی بی بی کو طلاقِ بتہ دی تو اس کی انقضاے عدت کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کو ان کی وراثت دلوائی،

امام مالک عبداللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مکمل نے اپنی بیوں کو حالتِ مرض میں طلاق دی تھی لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کو ان کی وراثت دلوائی،

امام مالکؒ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُن کو معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بی بی نے اُن سے طلاق کی درخواست کی تو انھوں نے

Marfat.com

کہا کہ جب تمھین حیض آئے اور تم اس کے بعد پاک ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو، لیکن اس کو تمت حیض آیا جب حضرت عبدالرحمن بن عوف بیمار ہوئے اور جب وہ پاک ہوئی تو ان کو اطلاع دی، چنانچہ انھون نے اس کو طلاق بتہ یا ایک طلاق دی جس کے سوا اُس پر کوئی طلاق باقی نہ رہ گئی، حضرت عبدالرحمن بن عوف اُس وقت بیمار تھے، لیکن حضرت عثمان بن عفان نے اس کی عدت کے گذرنے کے بعد اُس کو وراثت دلوائی،

امام مالک یحیی بن سعید سے اور وہ محمد بن یحیی بن حبان سے روایت کرتے ہین کہ انھون نے کہا کہ میرے دادا حبان کے پاس دو عورتیں تھین، ایک ہاشمیہ اور ایک انصاریہ، چنانچہ انھون نے انصاریہ کو جو دودھ پلا رہی تھی، طلاق دی، اور اُس پر ایک سال گذر گیا، اس کے بعد وہ مر گئے اور اس کو حیض نہ آیا اس لیے اس نے کہا کہ مین ان کی وراثت پاؤنگی، مجھے حیض نہین آیا، چنانچہ ان دونون عورتون نے حضرت عثمان سے اس کی مخاصمت کی، اور انھون نے اُس کے حق مین میراث کا فیصلہ کیا، اس پر ہاشمیہ نے حضرت عثمان کو ملامت کی اور کہا کہ یہ تمھارے چچا زاد بھائی کا کام ہے، اور اس نے اس سے ہماری طرف اشارہ کیا یعنی حضرت علی ابن ابی طالب،

(امام مالک نے ابن شہاب کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر حالت مرض مین کسی نے اپنی بی بی کو تین طلاق دی تو وہ اس کی وارث ہوگی، امام مالک کہتے ہین کہ اگر حالت مرض مین قبل مجامعت کے طلاق دی تو اسکو نصف مہر ملیگا، وراثت ملے گی اور اس کو عدت مین بیٹھنا نہ پڑے گا، اور اگر مجامعت کے بعد طلاق دی تو اس کو پورا مہر اور پوری وراثت ملے گی، اور اس معاملہ مین ہمارے نزدیک باکرہ اور ثیبہ دونون برابر ہین،

موطا اُن احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالک کے نزدیک صحیح ثابت ہوتی ہیں اور انکی تعداد

Marfat.com

تقریباً پانچ سو ہے،

لیکن انھون نے جن مسائل کے جوابات دیئے ہین، اُن کو اُن سے اُن کے تلامذہ نے مدون کیا ہے، اور سب سے پہلے اس کو اسد بن فراتؒ نے لکھا لیکن جو سوالات انھون نے امام محمد بن حسنؒ فقیہ عراق سے اخذ کیے اُن کو جیسا کہ شیخ علیش نے متن خلیل کی شرح مین بیان کیا ہے نہین لکھا، اس کے بعد عبدالرحمن بن القاسمؓ نے ان سے یہ سوالات کیے تو انھون نے امام مالک کی رائے پر ان کو جواب دیا، اور جو لکھا اس کو قیروان مین لائے، اور اُن سے اُن کو سحنونؒ نے لکھا اور اُن کا نام اسدیہ تھا، پھر ۱۸۸ھ مین سحنونؒ اس کو ابن قاسمؒ کے پاس لائے، اور اُن کو اُن کے سامنے پیش کیا اور اس مین چند مسائل کی اصلاح کی، اور اسکو ۱۹۱ھ مین لیکر قیروان واپس آئے، اسکو تالیف کی شکل مین اسد بن الفرات نے پہلے اس طرح جمع کیا تھا، اور تصانیف کی ترتیب پر اس کے ابواب اس طرح قائم کیے تھے کہ مسائل غیر مرتب تھے، اور تراجم نہین قائم کیے گئے تھے، اس لیے سحنون نے اس کے اکثر حصے کو مرتب کیا، اور اس کے بعض مسائل پر اُن آثار سے استدلال کیا ہے جن کی انھون نے موطا ابن وہب وغیرہ سے روایت کی تھی، لیکن اُس کے کچھ حصے ایسے رہ گئے کہ سحنونؒ اس مین اس کام کو نہ کرسکے (قاضی عیاض سے) اُن کی تالیف کا نمونہ یہ ہے،

اہل صلاح اور اہل بدع کے پیچھے نماز

(کہا) اور کہا امام مالکؒ نے کہ لوگون کی امامت وہ شخص کرے جو ان مین سب سے زیادہ عالم ہو، بشرطیکہ اس کی حالت بہتر ہو، انھون نے کہا کہ سن کا بھی حق ہے تو مین نے

اُن سے کہا کہ وہ شخص جو ان میں سب سے زیادہ قاری ہو؟ بولے کبھی وہ شخص قاری ہوتا جو نہیں" نہیں" سے ان کی یہ مراد ہے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہوتی، اور امام مالک کہتے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا سب سے زیادہ مستحق سواری کا مالک ہے، اور امامت کا سب سے زیادہ مستحق صاحب خانہ ہے، جب لوگ اس کے مکان میں نماز پڑھیں، البتہ جب وہ اُس کے متعلق اس کی اجازت حاصل کرلیں تو دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے، میں نے امام مالک کو دیکھا کہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں، میں نے ابن قاسم سے کہا کہ اگر ایک اچھا قرآن پڑھنے والے نے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو قرآن اچھا نہیں پڑھتا تو اُس کے بارے میں امام مالک کا قول کیا ہے، انھوں نے کہا کہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جب امام نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی، اور قرآت چھوڑ دی تو امام اور مقتدی دونوں کی نمازیں باطل ہوگئیں اور گو وقت چلا گیا ہو لیکن وہ لوگ نماز کا اعادہ کریں گے، انھوں نے کہا تو جو شخص قرآن اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ ایسے شخص کی اقتدا کرے جو قرآن اچھا نہیں پڑھتا، انھوں نے کہا کہ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ امام قدری کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے، تو انھوں نے کہا کہ اگر تمھیں یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو، میں نے کہا کہ جمعہ بھی نہیں، بولے اگر تمھیں یقین ہو تو جمعہ بھی نہیں، انھوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اگر تم اُس سے ڈرتے ہو تو اُس کے ساتھ نماز پڑھو اور ظہر کی صورت میں اس کا اعادہ کرو، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہل اہوا بھی اہلِ قدر کے مثل ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اُن سے اُس شخص کے نماز دوہرانے کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ توقف کیا کرتے تھے،

Marfat.com

اور اس کا جواب نہیں دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس بارے میں اس وقت نماز کا اعادہ کرنا چاہئے، انھوں نے کہا کہ امام مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو ابن مسعودؓ کی قرأت کے ساتھ قرأت کرتا ہے تو انھوں نے کہا کہ وہ نکل جائے، اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے، اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہلِ بدعت کے ساتھ شادی بیاہ نہ کیا جائے، ان کو سلام نہ کیا جائے، اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اُن کے جنازے کی شرکت نہ کی جائے، انھوں نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جو ابن مسعودؓ کی قرأت کرتا ہے، تو اس کو چاہئے کہ نکل جائے، اور اس کو چھوڑ دے، میں نے کہا تو امام مالکؒ کے قول کے مطابق جب اس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو کیا اس کا اعادہ اس پر فرض ہے؟ ابن القاسم نے کہا جب انھوں نے ہمارے لئے یہ کہا کہ وہ نکل جائے، تو میری رائے میں وہ وقت میں اور اس کے بعد اس کا اعادہ کرے،

مدونہ کے مسائل کی تعداد ۳۶ ہزار تک پہونچتی ہے، اور مقلدینِ امام مالکؒ کے نزدیک یہی مدونہ اساسِ علم ہے، اور مقلدینِ مالکؒ میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں انہیں ایک عبد اللہ بن عبد الحکم المصری ہیں، جنھوں نے مختصر الکبیر تالیف کی، اور اس کے بعد اشہب کی کتابوں کا اختصار کیا، اور مختصر الاوسط اور مختصر الصغیر لکھی جس میں صغیر کو تو موطا تک محدود رکھا، لیکن اوسط کی دو قسمیں ہیں، جس کی روایت قراطیسی نے کی ہے، اس میں اضافہ ہے، برخلاف اُس کے جس کی روایت اُن کے بیٹے محمد اور سعید بن حسان نے کی کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد ۱۸۰۰۰ ہزار اور اوسط کی ۴۰۰۰ اور صغیر کی ۱۲ ہزار ہے،

Marfat.com

ایک اصبغ بن الفرجؒ ہیں، جنھوں نے کتاب الاصول اور ابن القاسم سے
کی ۲۲ کتابیں تصنیف کیں،

اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ نے کتاب احکام القرآن، کتاب الوثائق و الشر
کتاب آداب القضاۃ، اور کتاب الدعوی والبینات تالیف کی،

اور محمد بن احمد العتبی القرطبیؒ نے مستخرجہ تالیف کی، جس میں زیادہ تر روایات مر
اور مسائلِ شاذہ ہیں، اُن کے پاس مسائل غریبہ آتے تھے، اور جب وہ اُن کو پسند آت
تو کہتے تھے، کہ ان کو مستخرجہ میں داخل کرلو، ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں غلطیاں بہت
ہیں، اور محمد بن عبدالحکمؒ کا قول ہے کہ میں نے اس کے اکثر حصے کو جھوٹ دیکھا، اور ا
مسائل پائے جن کی کوئی اصل نہیں، ابو محمد بن حزم الظاہری نے مستخرجہ کا ذکر کیا، تو کہ
افریقہ میں اہلِ علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے، اور اس کو بہت زیادہ شہرت ح
ہے، یحییٰ بن عمر الکنانی نے ایک کتاب میں اس کا اختصار کیا ہے، اور اس کا نا
منتخبہ رکھا ہے،

اور محمد بن سحنون نے اپنی مشہور کتاب جامع لکھی ہے، اور اس میں علم و فقہ کی
شاخیں جمع کیں، اس میں جو کتابیں ہیں ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے،

اور محمد بن ابراہیم عبدوسؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "المجموعہ علی مذہب
واصحابہ" رکھا، لیکن اس کے پورے کرنے سے پہلے وہ انتقال کر گئے،

اس دور میں مالکیہ کے سب سے بڑے مصنف دو ہیں، ایک مشرق میں ان کا نا
اسمٰعیل بن اسحاق ہے، جنھوں نے فقہ میں اپنی کتاب مبسوط تالیف کی اور ایک کتا
محمد بن حسنؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی کے رد میں لکھی،

دوسرے بزرگ مصر میں جن کا نام محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المعروف بابن المواز ہے مالکیہ کے فقہ میں جو کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں اُن کی کتاب سب سے بڑی سب سے زیادہ صحیح المسائل اور سب سے زیادہ مبسوط ہے، اور قابسی نے اُس کو تمام امہات کتب پر مقدم کیا ہے،

امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں

صرف امام شافعیؒ ہی ایک ایسے امام ہیں جن کی نسبت یہ معلوم ہے کہ انھوں نے بذات خود کتابیں تصنیف کیں، جو اُن کے مذہب کے پیرووں کے لئے سنگ بنیاد ہوگئیں اور اور ان ہی نے عراق و مصر میں اپنے شاگردوں کو املا کرایا اور ان کی عراق کی کتابیں انکا مذہب قدیم اور مصر کی کتابیں اُن کا اصلاح شدہ مذہب جدید ہیں، چنانچہ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں،

(۱) رسالۃ فی ادلۃ الاحکام، یہ ان کا ایک اصولی رسالہ ہے، جس کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں،

(۲) کتاب الام، یہ وہ یکتا کتاب ہے، جس کے مثل اُن کے زمانے میں کوئی کتاب اس اسلوب بدیع، دقت تعبیر، اور قوتِ مناظرہ میں تصنیف نہیں کی گئی، امام محمدؒ کی کتابوں کی طرح وہ اس کتاب میں صرف مسائل کی تفصیل نہیں کرتے، بلکہ مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں، اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں، اس کا نام ۔ ۔ ۔ ۔ کتاب قدیم بھی تھا، ان کی تحریر کا نمونہ یہ ہے،

نماز کے متعلق کلام

انھوں نے اس کی ابتدا میں تین حدیثیں مع اُن کی سند کے روایت کی ہیں،

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملک حبش میں آنے سے پہلے ا
میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے تھے، ہم لوگ آپ کو سلام ک
تھے، اور آپ اسی حالت میں ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے، لیکن جب ہم لوگ ملک حبش
سے پلٹے تو میں آپ کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ کو نماز پڑھتے ہوئے
پایا، اور سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا، اس لئے میرے دل میں دور و نزدیک
کے بہت سے خیال پیدا ہو گئے، اور میں بیٹھ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں
آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا جو تغیر چاہتا ہے، کرتا ہے، اور اب اس نے
یہ تغیر کیا ہے، کہ نماز میں بات چیت نہ کرو،

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت
نماز پڑھ کے پلٹے، تو آپ سے ذوالیدینؓ نے کہا کہ آیا نماز کم کردی گئی، یا آپ بھول
گئے، آپ نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں، ؟ لوگوں نے کہا "ہاں" اب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، بقیہ دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سلام کیا، پھر تکبیر کہی
پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا، پھر تکبیر کہی، پھر پہلے سجدہ کے
مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا،

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں مذکور ہے، کہ یہ عصر کی نماز تھی،

(۳) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر
کی تین رکعتوں کے بعد سلام کیا، پھر اٹھے اور حجرہ میں داخل ہو گئے، اب خرباقؓ جن کے
ہاتھ چوڑے تھے اٹھے، اور پکارے کہ "یا رسول اللہ کیا نماز کم کردی گئی"؟ آپ اپنی چادر
گھسیٹتے ہوئے غصہ میں نکلے، اور لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے واقعہ کی خبر کی تو آپ نے

Marfat.com

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون،

صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے، کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو نہیں سمجھتی،

اس کے بعد اس کے متصل آیت میں فرمایا،

الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین،

اب خدا نے تمھارے بوجھ کو ہلکا کر دیا، اور جان لیا کہ تم میں ضعف ہے، تو اب اگر تم میں سو صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے، تو خدا کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے، اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے،

لفظی حیثیت سے یہ دونوں آیتیں خبر کی صورت میں ہیں، لیکن ان سے انشا مقصود ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ اس سورہ میں فرماتا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا،

مسلمانو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو،

لیکن خدا نے ثبات کے اس مطلق حکم کی تحدید کرنی چاہی، کیونکہ اس مطلق حکم سے تمام حالات میں مسلمانوں اور ان کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد کتنی ہی ہو ثبات واجب ہو جاتا ہے اس بنا پر پہلی آیت نے ان لوگوں کی تعداد جن کے مقابل میں ثبات واجب ہے دس گنا متعین کی، لیکن اس موقع پر صریحاً امر کا صیغہ جیسا کہ اس کے پہلے "اثبتوا" کا لفظ آچکا ہے، استعمال نہیں کیا، کیونکہ اس موقع پر ان کے قلوب میں حمیت کا پیدا کرنا اور ان کے سینوں میں غیرت کی آگ بھڑکانا

Marfat.com

جو رکعت چھوڑ دی تھی، اس کو پڑھا، پھر سلام کیا، پھر دو سجدے کئے، پھر سلام کیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام حدیثوں کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز میں ہے، اس پر فرض ہے کہ اس میں بات چیت نہ کرے، اور اگر ایسا کیا تو اسکی نماز ٹوٹ گئی، اور اس کو نئے سرے سے دوسری نماز حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی بنا پر پڑھنی چاہئے، اور میں نے جن اہل علم سے ملاقات کی ان میں کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا، لیکن جس شخص نے نماز میں بات چیت کی اور اس کا یہ خیال تھا کہ اس نے نماز پوری کر لی، یا یہ کہ وہ یہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے، اور اس میں بات چیت کر لی، تو وہ اسی نماز پر ذوالیدینؓ کی حدیث کے رو سے قائم رہے، اور سجدہ سہو کرے، کیونکہ جس شخص نے اس حالت میں بات چیت کی اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے، اور نماز کے علاوہ دوسری حالت میں بات چیت کرنا مباح ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث بات چیت کرنے کے متعلق اجمالی ہے، اور حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد بات چیت کرنے والے اور اس شخص کی بات چیت میں جو یہ بھول گیا کہ وہ حالتِ نماز میں ہے، یا اس شخص کی بات چیت میں جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز پوری کر لی، جو فرق تھا، اس کو بیان کر دیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے متعلق ہماری مخالفت کی ہے، اور اس مسئلہ میں ہمارے خلاف اس قدر دلائل جمع کئے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین مع الشاہد اور دو مسئلوں کے اور کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل

Marfat.com

جمع نہیں کیے، چنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "ذوالیدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور آپ سے کوئی حدیث اس سے اور حدیث العجماء جبار سے زیادہ مشہور وارد نہیں ہوئی ہے، اور یہ حدیث، حدیث العجماء جبار سے زیادہ ثابت ہے، لیکن حدیث ذوالیدینؓ کی منسوخ ہے، میں نے ان سے کہا تو کس چیز نے اس کو منسوخ کیا؟ بولے "ابن مسعودؓ کی حدیث نے" تو میں نے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں، تو ان میں آخری حدیث کو ناسخ مانا جاتا ہے" انھوں نے کہا کہ "ہاں" تو میں نے کہا کہ "کیا تم کو ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں یہ یاد نہیں ہے کہ ابن مسعودؓ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا اور حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبش کو ہجرت کی، پھر مکہ کو لوٹے، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی، پھر غزوۂ بدر میں شریک ہوئے؟ انھوں نے کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ جب حضرت ابن مسعودؓ آپ کے پاس قبل ہجرت کے آئے، پھر حضرت عمرانؓ بن حصین روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پیچھے ایک شہتیر کے پاس آئے، تو کیا تم کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد نماز پڑھی؟ انھوں نے کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کی ناسخ نہیں ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی صحبت کا زمانہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت عمرانؓ کی حدیث سے جس کے متعلق تم کو کوئی اشکال نہیں ہے، ہم نے ابتدا کی ہے اور وہ کافی ہے، اور حضرت

ابوہریرہؓ خیبر میں آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں تین یا چار سال تک (ربیع کو شک ہے) آپ کا فیض صحبت اٹھایا، اور آپ نے مدینہ میں اس قیام کے علاوہ جو حضرت ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد کا مکہ میں رہا، کئی سال تک قیام کیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بھی آپ کی صحبت میں رہے تو کیا یہ جائز ہے، کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اپنے بعد کی حدیث کی ناسخ ہو، انھوں نے کہا "نہیں"، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابوہریرہؓ اور عمران بن حصینؓ کے مخالف ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو، اور ایسی حالت میں بالقصد بات چیت کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز میں ہو، بعینہ ویسا ہو کہ تم نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ تمھارا خیال ہے کہ تم نے نماز پوری کر لی، یا نماز کو بھول گئے، تو ابن مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہو گی، اور نماز میں بات چیت کرنا مباح ہو گا، لیکن نہ وہ ناسخ ہے، اور نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہ ہے جو میں نے بیان کی: کہ یہ یاد کر کے کہ متکلم نماز میں ہے، نماز میں بات چیت کرنا جائز نہیں اور اگر ایسی حالت میں بات چیت کی جائے، تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جب نسیان دھو لاحق ہو جائے اور ایک شخص نے جس کا خیال ہے کہ چونکہ اس نے نماز پوری ادا کر لی ہے، یا بھول گیا ہو اس لئے کلام مباح ہے، بات چیت کی تو نماز فاسد نہ ہو گی، انھوں نے کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ ذوالیدینؓ بدر میں شہید ہوئے ہیں۔ میں نے کہا جو کچھ بھی ہو؟ لیکن کیا عمران بن حصینؓ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مدینہ میں پڑھی تھی؟ اور مدینہ میں ابن مسعودؓ کی مکہ والی حدیث کے بعد ہے، انھوں نے کہا "ہاں"، میں نے کہا کہ جیسا تم چاہتے ہو تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں تمھارے لئے حجت نہیں ہے، کیونکہ غزوۂ بدر آپ کے مدینہ میں آنے کے ۱۶ ماہ بعد پیدا ہوا انھوں نے کہا تو کیا ذوالیدینؓ

Marfat.com

وہی ہیں جن کی نسبت تم نے روایت کی کہ وہ بدر میں شہید ہوئے؟ میں نے کہا نہیں، قرآن
ان کا نام خرباقی بتلاتے ہیں، اور ان کو کوتاہ دست یا دراز دست کہتے ہیں خالانکہ بدر میں
ذوالشمالین شہید ہوئے ہیں، اور اگر وہ دونوں ذوالیدین بھی ہوں تو ایک کا نام دوسرے
کے نام کے مطابق ہوا ہوگا، جیسا کہ ناموں میں ہوا کرتا ہے، اب اس مذہب کے جاننے والوں
میں بعض نے کہا کہ ہمارے لئے ایک دوسری دلیل ہے، میں نے کہا کہ وہ کیا؟ انھوں نے
کہا معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ انھوں نے نماز میں بات چیت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات جائز نہیں، میں نے کہا یہ دلیل تمھارے
لئے مضر ہے، مفید نہیں، وہ بعینہ ابن مسعودؓ کی طرح روایت کرتے ہیں، اور اس کی وجہ
وہی ہے، جو میں نے بیان کی، انھوں نے کہا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے،
میں نے کہا تو یہ تمھارے لئے مفید نہیں اور ہم اس پر تم سے کلام کرتے ہیں، اگر معاویہؓ
کا معاملہ ذوالیدینؓ کے معاملے سے پہلے تھا، تو وہ منسوخ ہے، اور تمھارے قول میں
تم پر یہ لازم آتا ہے کہ نماز میں کلام اسی طرح صحیح ہے جیسا کہ نماز کے علاوہ اور حالتوں
میں صحیح ہے، اور اگر اس کے ساتھ یا اس کے بعد ہو، جیسا کہ تم نے بیان کیا تو اس نے
ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کلام نماز میں حرام نہیں ہے، اور
اس نے یہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اعادۂ نماز کا حکم دیا،
تو وہ ذوالیدینؓ کی حدیث کے مثل ہے، یا اس سے زیادہ، کیونکہ اس نے اپنی حدیث میں
قصداً کلام کیا، البتہ اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ
نہیں جانتا تھا، کہ کلام نماز میں حرام نہیں ہے، انھوں نے کہا جیسا کہ تم نے بیان کیا یہ
بات ان کی حدیث میں ہے، میں نے کہا کہ اگر جیسا تم نے بیان کیا ویسا ہی ہے، تو وہ

Marfat.com

تمھارے لئے مضر ہے، اور اگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ویسا ہی ہے، تو وہ تمھارے لئے مفید نہیں، انھوں نے کہا کہ تو تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ابن مسعودؓ کی حدیث کے مثل ہے، اور ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے، انھوں نے کہا تو تم نے جب حدیث ذوالیدینؓ سے تفریع کی تو تم نے مخالفت کی، میں نے کہا تو ہم نے اصل میں ان کی مخالفت کی؟ انھوں نے کہا نہیں بلکہ فرع میں، میں نے کہا تو تم نے ان کی نص میں ان کی مخالفت کی، اور جو شخص نص میں مخالفت کرے وہ تمھارے نزدیک اُس شخص سے برا ہے، جس نے ضعف نظر سے تفریع میں غلطی کی، انھوں نے کہا ہاں، لیکن ہر ایک معذور نہیں ہے، میں نے کہا، لیکن تم نے اس کی اصل و فرع دونوں کی مخالفت کی، اور ہم نے اسکی اصل و فرع دونوں میں سے ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی، تو اُس کے اختلاف کی ذمہ داری تم پر ہے، اور جو کچھ تم نے کہا کہ ہم نے اس کی مخالفت کی، تو ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی، انھوں نے کہا تو میں تم سے سوال کرتا ہوں تاکہ یہ جان سکوں کہ تم نے ان کی مخالفت کی یا نہیں؛ میں نے کہا سوال کرو، انھوں نے کہا "تم کو اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جو دو رکعت پڑھ کر واپس چلا، پھر اس سے بعض مقتدیوں نے کہا کہ تم دو ہی رکعت پڑھ کر واپس چلے، تو اس نے اور مقتدیوں سے پوچھا، اور انھوں نے اس کی تصدیق کی، میں نے کہا اور جس مقتدی نے اس کو اس کی خبر دی، اور جن لوگوں نے یہ گواہی دی کہ وہ سچ کہتا ہے، اور ان کو یہ یاد ہے کہ اس نے اپنی نماز پوری نہیں کی اُن کی نماز فاسد ہے، انھوں نے کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ موجود تھے انھوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پوری کی، گو تم حدیث میں اس کا ذکر نہیں کرتے" میں نے کہا "ہاں"

تو انھوں نے کہا کہ تم نے اس کی مخالفت کی، میں نے کہا "نہیں، ہمارے امام کی نما
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہے"۔ انھوں نے کہا نماز اور امامت میں ان کی
کیونکر جدا ہے"، میں نے کہا کہ "خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے فرائض
یعد دیگرے نازل کرتا تھا، اور جو چیز آپ پر فرض نہیں کی تھی، اس کو فرض کرتا تھا، او
بعض فرائض میں تخفیف کر دیتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ "بیشک"۔ میں نے کہا، ہم کو، تم کو
کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ سمجھ کر
سے واپس گئے، کہ آپ نے نماز پوری کر لی"۔ انھوں نے کہا بیشک میں نے کہا کہ "جب آپ
ایسا کیا تو ذوالیدینؓ یہ نہ جان سکے کہ نماز خداوند تعالیٰ کے کسی نئے حکم سے کم کر دی گئی
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے، اور اس کے سوال میں خود یہ بات واضح طور
پر نظر آتی ہے، جب کہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کم کر دی گئی،
آپ بھول گئے؟ انھوں نے کہا بیشک میں نے کہا کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دوسروں سے پوچھا تو ذوالیدینؓ کی شہادت کو تسلیم نہیں کیا، انھوں نے کہا "بیشک
امام شافعی کہتے ہیں کہ جب آپ نے ذوالیدینؓ کے سوا اور سے پوچھا تو یہ احتمال ہے کہ
آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سنا ہو، اس لئے وہ بھی ذوالیدینؓ
مثل ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کے کلام
کو تو سنا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا ہو، اس لئے رسول اللہ صلی
علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو، اور اس بنا پر جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر اس کلام کا اعادہ کیا تو وہ ذوالیدینؓ کے معنی میں ہوگا یعنی اس نے آپ کو اپنے قول
سے کوئی بات نہیں بتائی، اور اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ نماز کم کر دی گئی، یا رسول اللہ صلی اللہ

نسیان ہوا، تو آپ نے اس کا جواب دیا، جس کے معنی ذوالیدینؓ کے معنی تھے، یعنی ان لوگوں پر ان کا جواب فرض تھا کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ جب ان لوگوں نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے ان کے قول کو قبول کر لیا، اور نہ آپنے کلام کیا نہ ان لوگوں نے، یہانتک کہ سب نے اپنی نماز پڑھی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوچکا، تو خدا کے فرائض ختم ہوچکے، اس لئے اس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہوسکتی، انھوں نے کہا کہ "ہاں" تو میں نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ فرق ہے کہ، تو جو لوگ ان کے پاس تھے، انھوں نے کہا کہ ایک کھلا ہوا فرق ہے، اس کی وضاحت کی وجہ سے کوئی عالم اس کی تردید نہیں کر سکتا، انھوں نے کہا کہ تمھارے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ آدمی خود نماز کے متعلق جو کلام کرے، وہ اس کے نماز کو فاسد نہیں کرتا، میں نے کہا کہ ہمارے خلاف اس قول سے استدلال ہو سکتا ہے، جو ہم کہیں نہ کہ ہمارا غیر کہے، انھوں نے کہا کہ میں نے تمھارے متعدد تلامذہ سے گفتگو کی، تو انھوں نے اس سے استدلال نہیں کیا، اور انھوں نے کہا کہ عمل اسی پر ہے، میں نے کہا کہ میں نے تو تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہیں، اور ہمارے غیر کے قول سے تم ہمارے خلاف استدلال نہیں کر سکتے، انھوں نے کہا بیشک، تو میں نے کہا تو جس چیز میں تمھارے لئے حجت نہیں، اس کو چھوڑ دو اور میں نے ان سے کہا کہ تم نے ذوالیدینؓ کی حدیث کی مخالفت میں غلطی کی، حالانکہ وہ ثابت ہے، اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے یہ خیال قائم کیا، کہ ہم اور وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں، نماز میں کلام، جماع اور گانا حلال سمجھتے ہیں، حالانکہ نہ ہم نے نہ ان لوگوں نے اس کو ہرگز حلال نہیں کیا، حالانکہ خود تمھارا خیال ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر نماز پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر دے اور اس کو یہ یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی تو اسکی

Marfat.com

نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ تمہارے خیال میں بے محل سلام کلام ہے، اور اگر تم نے بے جا
کر کے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز پوری کر لی، تو وہ اسی نماز کو پڑھ لے، تو اگر تمہارے
خلاف اس کے سوا اور کوئی دلیل بھی نہ ہو تو یہی کافی ہے، اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ تم حدیث
کی مخالفت کو عیب سمجھتے ہو، اور خود بہ کثرت اس کی مخالفت کرتے ہو،

پوری کتاب اسی طرز پر اُس دور کے طریقۂ تشریح و نقد کی واضح صورت قلب کے سامنے
پیش کر دیتی ہے اور اُس تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئیں، اُن میں ہم کو کوئی ایسی کتاب نہیں ملی
جو اس کتاب سے زیادہ ہم کو کثرتِ مطالعہ کی طرف مائل کرے، اور اس سے زیادہ ہمارے
اسلاف کے ساتھ ہم کو فریفتگی پر آمادہ کرے،

اس کتاب کے ساتھ اور چند کتابیں ملحق ہیں، ان میں سے ایک کتاب اُن مسائل کے
متعلق ہے، جن میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ نے اختلاف کیا ہے، اور اُس کی اصل امام
ابو یوسفؒ کی ہے، اور ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں،

ایک کتاب "خلاف علیؓ اور ابن مسعودؓ" ہے، اور اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان
مسائل کو جمع کیا ہے، جن میں امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے تلامذہ نے اہل عراق کے دو
صحابی امام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے
اختلاف کیا ہے، ام میں اس کا نام "خطار اختلاف علی و ابن مسعودؓ" ہے" اور ابن ندیم
نے اس کو فہرست میں "ما خالف فیہ العراقیون علیا و عبد اللہ" کے عنوان سے درج کیا
اور یہی صحیح ہے،

ایک کتاب "اختلاف مالک و الشافعی" ہے اور اس کا تعلق عمل بالسنۃ سے ہے، اور
اس میں اصحاب مالک سے اس بارے میں مناظرہ ہے کہ انھوں نے تائید حدیث کے

Marfat.com

ائمہ کے عمل کی شرط لگائی ہے، اور امام شافعیؒ کے اس خیال کی تائید ہے، کہ جب ثقہ نے ثقہ سے روایت کی یہاں تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے، البتہ اس حدیث کو چھوڑ سکتے ہیں، جس کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہو، لیکن جب خود آپ کی حدیث کے مخالف آپ سے کوئی حدیث مروی نہ ہو، اور آپ کے علاوہ کسی اور سے کوئی ایسی حدیث مروی ہو، جو اس کے موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قوت میں اضافہ نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بذات خود مستغنی ہے، اور اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے، تو ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث لینے کی مستحق ہے، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس شخص سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روایت کی گئی ہے، وہ آپ ہی کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا، اس کے بعد اس اصل کی مخالفت پر انھوں نے امام مالکؒ پر جو اعتراض کیا ہے، اس کی تفصیل کی ہے، اور ان سے اس بارے میں مناظرہ کیا ہے،

ایک کتاب جماع العلم ہے، اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی حمایت کی ہے،

ایک کتاب ابطال الاستحسان ہے، اور اس میں فقہائے عراق کے قول بالاستحسان کی تردید کی ہے،

ایک کتاب "کتاب الرد علی محمد بن الحسن" ہے، اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد نے اہل مدینہ کی تردید کی ہے، اور امام شافعیؒ نے اس کے جوابات

Marfat.com

دیئے ہیں اور وہ اعتراضات بھی ہیں، جو امام شافعی نے ان مناظرات میں جو امام محمد اور ان کے درمیان ہوئے ہیں کئے ہیں، لیکن اس کتاب میں ان کی یہ غلطی ہے کہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ نے کہا" حالانکہ وہ تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا، بلکہ امام مالک کا قول ہوتا ہے، اور بہت سے اہل مدینہ اس میں ان کی مخالفت کرتے ہیں،

ایک کتاب سیر الاوزاعی ہے، اس کی اصل وہ کتاب ہے، جس میں امام ابی یوسف نے امام اوزاعی کی تردید کی ہے، اور امام شافعیؒ نے امام اوزاعی کی طرف سے اس کا جواب دیا ہے، اور ہم اس کتاب کا ذکر چکے ہیں،

امام شافعی کی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ان کی وہ کتاب ہے، جس کا نام اختلاف الحدیث ہے، امام شافعیؒ نے اس کو احادیث کی تائید میں بالعموم اور خبر واحد کی تائید میں بالخصوص لکھا ہے، اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے، جن لوگوں نے حدیث کو عموماً رد کر دیا ہے، یا عمل بالحدیث کے لئے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں، ان کا مرکز یہی کتاب ہے، انھوں نے پہلے اس اختلاف پر بحث کی ہے، جس کا سبب ہر مروی فعل کا مباح ہوتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ نے ایک ایک بار وضو کیا، اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو بار وضو کیا اور آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ تین تین بار وضو کیا، اور احادیث میں اس قسم کی حدیثیں بہ کثرت مروی ہیں، پھر ان احادیث کا جو ایک دوسرے کی ناسخ اور منسوخ ہیں، تذکرہ کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو سنت کے معاملہ میں فقہا کیلئے مفید ہیں، یہ کتاب ان بعض بیجا مناظرات پر بھی مشتمل ہے، جو انھوں نے اپنے مخالفین بالخصوص امام محمدؒ کے ساتھ کئے ہیں،

مقصود تھا، اس لئے اس امر کو خبر کی[1] صورت میں پیش کیا، لیکن جب خدا نے ان کے ضعف کو جان لیا تو دوسری آیت میں تخفیف کردی، اس موقع پر علم سے ظہور مراد ہے، یعنی اُن میں ایک ایسا ضعف ظاہر ہوا جو پہلے سے موجود نہ تھا، کیونکہ اگر وہ پہلے سے موجود ہوتا تو خدا اس کو جانتا اور پہلے حکم کا موقع پیش نہ آتا، اس لئے یہ نوپید اضعف تخفیف کا مقتضی ہوا، اب اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت کو پہلی آیت سے وہی نسبت ہے جو اس آیت کی ہو سکتی ہے، جو کسی امر عارض کی وجہ سے تخفیف تو کردیتی ہے لیکن اس امر عارض کے زوال کے بعد پہلی آیت کا حکم باقی رہتا ہے، تو ان دونوں آیتوں کا حکم وہی ہوگا جو عزیمت کے حکم کا رخصت کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی جماعت میں یہ ضعف جس کو خدا نے تخفیف کا سبب بیان کیا ہے، نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنی دس گنا تعداد کے مقابل میں ثابت قدم رہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں ۱۲۰ اشخاص کی جو تعداد مذکور ہے، اس کی صفت میں "صابرین" کا لفظ آیا ہے، اسی طرح سو اشخاص کی تعداد "صابرۃ" کے لفظ سے موصوف ہے، اس بنا پر جہاں کہیں صبر کا وصف موجود ہوگا وہاں پہلا حکم ثابت و برقرار رہے گا، صبر کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے مادی اور قلب کی روحانی قوت دونوں موجود ہوں لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت یعنی یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم فیۃ فاثبتوا، تمام حالات میں عام ہے، تو پہلی آیت کا حکم منسوخ ہوگا، لیکن یہ مستبعد ہے، ان ہی دونوں آیتوں کے قریب قریب خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے،

یا ایھا المزمل قم الیل الا قلیلاً	اے کملی اوڑھنے والے! رات میں نماز کیلئے کھڑے رہا کرو
نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ	لیکن ساری رات نہیں بلکہ ساری رات سے کم یا آدھی رات یا اس میں سے بھی تھوڑا کم کریا کر یا آدھی سے کچھ بڑھا دو
ورتل القرآن ترتیلا	

---

[1] مصنف نے یہ کوشش اسلئے کی ہے کہ فقہاء کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ انشاء میں ہوتا ہے،

فقہ میں حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب ہے، جس کو انھوں نے امام شافعی سے املا کیا ہے،

بویطی نے بھی کتاب المختصر الکبیر، کتاب المختصر الصغیر اور کتاب الفرائض لکھی ہے، دو مختصر مزنی نے بھی لکھے ہیں، ایک مختصر کبیر جو متروک ہے، اور ایک مختصر صغیر جس پر اصحاب شافعی اعتماد کرتے ہیں، یہ لوگ اسی کو پڑھتے پڑھاتے تھے، اور اس کی شرح کرتے تھے، اور وہ مختلف روایتوں سے مروی ہے،

اُن کی تصنیفات میں دو جامع یعنی جامع کبیر اور جامع صغیر اور دوسری کتابیں بھی ہیں،

امام شافعیؒ کے تلامذہ کے اتباع میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں، ان میں ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المروزی شاگرد مزنی ہیں، جنھوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں کیں اور کتاب الفصول فی معرفۃ الاصول، کتاب الشروط والوثائق، کتاب الوصایا وحساب الدور اور کتاب الخصوص والعموم بھی ان کی تصنیفات میں ہیں،

ابن سریج نے بھی امام محمد اور عیسیٰ بن ابان کے رد میں کتابیں لکھی ہیں، اور کتاب التقریب بین المزنی والشافعی اور فقہ میں مختصر بھی ان کی تصنیفات میں ہیں،

ابو بکر محمد بن عبد اللہ الصیرفی المتوفی ۳۳۰ھ کی تصنیفات میں کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض ہیں،

اس دور میں جن شافعیوں نے کتابیں لکھیں وہ بہت ہیں، لیکن ان کی کتابوں سے ہم واقف نہ ہو سکے، دوسرے مذاہب کے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں، چونکہ ہم نے اُن کو نہیں دیکھا ہے، اس لئے ہم نے ان کے ائمہ درجال کے تذکروں کے ساتھ ان کا بھی تذکرہ کر دیا ہے،

Marfat.com

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدا سے زوال سلطنت عباسیہ تک

یہ خاص خاص مذاہب کی پابندی، انکی تائید، اور مناظرہ جدل کی اشاعت کا دور ہے

سیاسی حالت

اس دور میں ممالک اسلامیہ کے سیاسی تعلقات بالکل منقطع ہو گئے، چنانچہ جب تم مغرب سے شروع کروگے تو تم کو اندلس میں بنو امیہ ملیں گے، جن کا سردار عبدالرحمٰن ناصر ہوگا جس نے سلطنت عباسیہ کے ضعف کو محسوس کر کے امیر المومنین کے لقب اختیار کیا، اور شمال افریقہ میں تمکو اسماعیلی شیعہ ملیں گے جنھوں نے عبید اللہ المہدی الفاطمی کے نام سے ایک سلطنت قائم کی جس نے امیر المومنین کا لقب حاصل کیا اور اپنا دار السلطنت شہر مہدیہ کو جس کی بنیاد اس نے تونس کے قریب ڈالی اپنایا، اور تم کو مصر میں محمد الاخشید ملے گا، جو بنو عباس کے لئے دعوت دیتا تھا۔ اسی طرح تمکو موصل اور حلب میں بنو حمدان بنو عباس کے لئے دعوت دیتے ہوئے ملیں گے، اور یمن میں تم کو شیعہ زیدیہ ملیں گے جن کے پاؤں وہاں مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے، اور بغداد میں تمکو دیلم کی سلطنت ملے گی جو سلطنت بنو بویہ کے نام سے مشہور ہے، اور جس نے عملاً تمام اختیارات خود حاصل کر لئے تھے، اور بنو عباس کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا، اور مشرق میں تمکو سلطنت

سامانیہ ملے گی جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی، اور ماوراء النہر میں بخارا میں اسکا دارالسلطنت تھا، اس طرح عالم اسلامی کے تمام جوڑ بند ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے جن کا کوئی سیاسی شیرازہ قائم نہ تھا، اور ان متغلبین میں سے ہر فریق ایک دوسرے سے عداوت رکھتا تھا اور اس کی گھات میں لگا رہتا تھا، اور سب سے زیادہ یہ داؤ پیچ بنو عباس کے درمیان جو بغداد میں مغلوب ہو گئے تھے، اور فاطمیوں کے درمیان جن کا مرکز مصر و شام کے قبضہ سے قوی ہو گیا تھا، کئے جاتے تھے، چنانچہ یہ لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی دعوت کی اشاعت کے لئے ممالکِ اسلامیہ میں اپنے دعاۃ بھیجتے تھے، اور بنو عباس فاطمیین کے نسب عیب لگاتے اور شجرۂ فاطمۃ الزہرا سے ان کو الگ کرنے کے لئے مجالس منعقد کرتے تھے، اور اس پر محضر نامے لکھواتے تھے، جس پر اشراف علماء طوعاً و کرہاً دستخط ثبت کرتے تھے، بنو بویہ جو صاحبِ اقتدار تھے، اگرچہ بذاتِ خود شیعہ تھے، لیکن انھوں نے بنو عباس کو قائم رکھا تھا تاکہ خود ان کا اثر و اقتدار محفوظ رہے، کیونکہ اگر وہ لوگ خلافت کو علویین کی طرف منتقل کر دیتے تو ان کا اقتدار زائل ہو جاتا، کیونکہ وہ عقیدۃً علویین کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے اور سیاست کا حکم عقیدہ کے حکم پر اسی طرح غالب آجاتا ہے، اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد آل سلجوق نے مشرق کی طرف سے حرکت کی، اور یہ حرکت اس بات کا اعلان تھا کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے، چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے، انھوں نے ان کو پامال کر دیا، تمام مشرق پر اقتدار حاصل کر لیا، اور بغداد سے سلطنت بنو بویہ کو مٹا کر خود ان کے قائم مقام بن گئے، لیکن انھوں نے بھی آل عباس کو قائم رکھا، کیونکہ ان کو تشیع سے کوئی تعلق نہ تھا، اسکے بعد بغداد کے مغرب میں ان کے اقتدار نے وسعت حاصل کی اور وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے شام کے بادشاہ فاطمیین سے جنگ کی اور مصر اور

ان کی پشت پر جو بلاد مغرب تھے ان کے سوا تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا بول بالا رہا
جب خود اُن میں اختلاف پیدا ہوا، تو انھوں نے باہم ایک دوسرے سے جنگ کی اور
ضعف اور مصریوں کے ساتھ ملک شام میں نزاع صلیبی ہوا کی جنبش کا سبب ہوا، اور
انھوں نے پانچویں صدی کے اواخر میں اٹھ کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور جیسا کہ ان
لڑائیوں کی تاریخ میں مشہور ہے، صرف اسی حد تک نہیں رکے رہے، غرض سلجوقیوں کا شیرازہ
بکھر گیا اور ان کے بعد دوسری ترکی سلطنت قائم ہوئی، جو سلطنت اتابکیہ کے نام سے مشہور
ہے، یہ خاندان سلاجقہ کی طرف منسوب ہے، کیونکہ ان کے رؤسا سلجوقیوں کے سپہ سالار اور ان کے
لڑکوں کے مربی ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اتابک کے نام سے مشہور تھے، سلطنت اتابکیہ
مشرق و مغرب میں پھیل گئی، اور ان کی نسل میں ایک شخص یعنی محمود نور الدین کے ہاتھوں
سلطنت فاطمیہ مصر کا خاتمہ ہوا، اور مصر میں دوبارہ دعوت عباسیہ نے رجعت کی اور اسکے بعد
صلاح الدین یوسف بن ایوب کی سلطنت کی ابتدا ہوئی جو محمود نور الدین کا ایک سپہ سالار تھا

لیکن اقصائے مشرق میں چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کی سلطنت قائم ہوئی
اور اس نے اس قدر عظمت حاصل کی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی،

یہ عظیم الشان دیوار ٹوٹی تو مغلوں نے سیلاب بے پناہ کی طرح حرکت کی جن کا سپہ سالار
اتحاد تاتار کا بانی چنگیز خاں تھا، اور ان لوگوں نے ساتویں صدی کی ابتدا میں ان تمام لوگوں
کو جو ان کا مقابلہ کرتے تھے، یا ان کے سدِ راہ ہوتے تھے اپنے سامنے سے ڈھکیل دیا، چنگیز
چونکہ نہایت وسیع امیدیں رکھتا تھا، اور اس کو محسوس ہوتا تھا کہ تمام دنیا لازمی طور
اس کی اولاد و احفاد کی مطیع ہو جائے گی، اس لئے اس نے اپنی چاروں اولاد کے
درمیان دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا، چنانچہ اس نے دریا تک مغربی حصہ اپنے

Marfat.com

شجطائے کو اور چین تک مشرقی حصہ اپنے بیٹے تولی کو اور شمالی حصہ کو اپنے بیٹے جوجی کو دیا، اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائے کو دی،

اس طریقہ پر اس نے اپنے لڑکوں کے لئے یہ اندازہ کیا کہ وہ اقصائے مشرق میں سواحل چین تک اور اقصائے مغرب میں سواحل بحر روم تک دنیا کے مالک ہو جائیں گے،

اس پر بہت زمانہ نہیں گذرا کہ چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں عالم اسلامی کے دار السلطنت بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار ہوا اور آلِ عباس کے آخری خلیفہ کو جس کا نام اکثر اسلامی مؤرخین نے بیان کیا ہے قتل کیا، اور بہت سی تباہی و بربادی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دار السلطنت ہو گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہ تھا، اور اس کے چند وضعی قوانین تھے جنکو اُس کے دادا چنگیز خاں نے بنایا تھا اور وہ ان کے یہاں کا سیہ کے نام سے مشہور تھے، یہ تاریخ اسلام کی قدیم اور درمیانی تاریخ کے درمیان حد فاصل خیال کی جاتی ہے، اور اس زمانہ میں مصر سے سلطنتِ ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور ان کی جگہ ان کے ترکی نسل کے غلاموں نے لی تھی جن کی کثرت صالح نجم الدین ایوب نے کر دی تھی، چنانچہ ان کے چوتھے شخص ملک ظاہر بیبرس البندقداری نے عباسیوں کی اولاد میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جو اس کے زمانے میں مصر آیا تھا، بیعت کی، اور اس کو اسلامی خلیفہ تسلیم کیا، اور اس خلیفہ نے اسکو مصر اور ملحقاتِ مصر کا بادشاہ بنایا، اسی دن سے قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہو گیا، جس میں برائے نام ایک عباسی خلیفہ اور ایک بادشاہ رہنے لگا جو اصلی حکومت کرتا تھا، اور عہد بنو بویہ و آل سلجوق میں یہی حالت بغداد کی تھی

اس دور میں سیاست اسلامیہ کا جو حال تھا یہ اس کا مختصر سا خاکہ ہے، لیکن علمی حالت نے ان انقلابات میں ان سیاسی حالات کی پیروی نہیں کی، بلکہ برابر ترقی کرتی رہی، بالخصوص سلجوقیوں کے عہد میں مشرق میں اور سلطنتِ فاطمیہ کے عہد میں مصر میں بڑے بڑے

علما اور صاحب فکر پیدا ہوئے، اور فقہ اسلامی کے متعلق اُن کے جو کارنامے ہیں، ہم اُن کو آئندہ امتیازات کے سلسلے میں بیان کریں گے، البتہ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے، کہ فقہ میں استقلال کی جو روح تھی، وہ اسی سیاسی ضعف کی تقلید میں ضعیف ہو گئی یعنی وہ بلند روح جو امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، داؤد بن علی اور محمد بن جریر طبری اور ان کے ہمسروں میں کام کر رہی تھی، اس کا صرف ضعیف سا اثر باقی رہ گیا، اس روح کی جگہ جس نے امام ابو حنیفہ کو ان کے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ "وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں، اور امام مالکؒ کو یہ کہنا سکھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جس کا قول رد و قبول کے قابل نہ ہو، اور ان دونوں اماموں کے سوا اوروں کو بھی اس قسم کے قول سکھائے تھے، ایک ایسی روح نے لے لی جس کو ہم روحِ تقلید کہتے ہیں،

(۱) روحِ تقلید،

تقلید سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایک معین امام سے احکام سیکھے جائیں، اور اس کے اقوال کا اس طرح اعتبار کیا جائے، گویا وہ شارع کے نصوص ہیں، جن کی پیروی مقلد پر لازم ہے،

اس میں کوئی شبہہ نہیں، کہ تمام گذشتہ دوروں میں مجتہد اور مقلد موجود تھے، مجتہد وہ فقہا تھے، جو کتاب اور سنت کو پڑھتے تھے، اور ان کو ظواہر نصوص یا معقول نصوص سے استنباطِ احکام کی قدرت حاصل تھی، اور مقلد عام لوگ تھے، جنھوں نے کتاب و سنت کو اس طور پر نہیں پڑھا تھا، جو ان کو استنباط کا اہل بنا سکے، اس لئے جب ان لوگوں کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا تھا، تو اپنے شہر کے فقہا میں سے کسی فقیہ کی طرف اس کے

Marfat.com

متعلق رجوع کرتے تھے، اور وہ ان کو فتویٰ دیتا تھا، لیکن اس دور میں عام طور پر روحِ تقلید سرایت کر گئی، اور علماء و عوام سب اس میں شریک ہو گئے، چنانچہ پہلے یہ حالت تھی کہ فقہ کا طالب پہلے قرآن مجید کے درس اور حدیث کی روایت میں مشغول ہوتا تھا، جو کہ استنباط کی بنیاد تھے، لیکن اب وہ ایک معین امام کی کتابیں پڑھتا تھا، اور اس طریقہ کا مطالعہ کرتا تھا، جس کے ذریعہ سے اس نے اپنے مدونہ احکام مستنبط کئے تھے، اور جب وہ اس کام کو پورا کر لیتا تھا، تو علمائے فقہاء سے ہو جاتا تھا، ان میں بعض بلند ہمت لوگ اپنے امام کے احکام کے متعلق کتاب بھی تالیف کرتے تھے، جو یا تو کسی گذشتہ کتاب کا اختصار یا اس کی شرح یا یا اُن مسائل کا مجموعہ ہوتی تھی، جو مختلف کتابوں میں منتشر طور پر پائے جاتے تھے، لیکن ان میں سے خود کوئی شخص اپنے لئے یہ جائز نہیں رکھتا تھا کہ کسی مسئلہ میں ایسی بات کہے جو اس قول کے مخالف ہو، جس کا فتویٰ اس کے امام نے دیا ہے، گویا حق صرف اس کے امام کے دل و زبان پر اترا تھا، یہاں تک کہ اس دور میں فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مسلم امام ابو الحسن عبید اللہ الکرخی نے یہ کہہ دیا کہ "ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں، وہ یا تو ماوّل ہے یا منسوخ ہے، اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماوّل یا منسوخ ہے" اور اس طور پر ان لوگوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر لئے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور کے فقہا میں بڑے بڑے ائمہ موجود تھے، اور تمہارے سامنے ان میں سے بعض کا ذکر آئے گا، اور ہم یہ نہیں خیال کر سکتے کہ اصولِ تشریع کے علم اور طرقِ استنباط میں وہ اپنے اسلاف سے کم تھے، لیکن ان میں وہ آزادی نہ تھی، جن سے ان کے اسلاف بہرہ اندوز ہوتے تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کو استنباط میں یہ آزادی حاصل تھی، کہ اگر آج ایک رائے ظاہر کرتے تھے

Marfat.com

اور کل جب کوئی دلیل ایسی پیدا ہو جاتی تھی جو اس میں تغیر چاہتی تھی تو کوئی چیز ان کو
مانع نہیں ہوتی تھی، اور ائمہ اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال
مثلاً ایک سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ کرتے تھے کہ اخیافی بھائی، اور ماں اور شوہر
کی موجودگی میں حقیقی بھائی وراثت سے محروم ہیں، اور آئندہ سال تمام بھائیوں کو ثلث
مال میں شریک کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ اس فیصلے کے مطابق تھا، جو ہم نے کیا تھا
اور یہ اس فیصلہ کے مطابق تھا جو ہم کرتے ہیں، لیکن اس دور کے علماء میں سے ہر ایک نے
ایک معین مذہب کا التزام کر لیا، جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، اور اجمالاً و تفصیلاً
اپنی پوری طاقت اس مذہب کی تائید میں صرف کرتا تھا، حالانکہ یہ لوگ اجتہاد میں کسی
امام کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور ائمہ اپنی نسبت غلطی کے جواز کا اعتراف کرتے تھے، اور
یہ جائز سمجھتے تھے، کہ کوئی حدیث ایسی موجود ہو جس سے ان کو واقفیت حاصل نہ ہوئی
ہو، چنانچہ ان میں متعدد ائمہ سے یہ جملہ منقول ہے کہ "جب کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو وہی
میرا مذہب ہے، اور میرے قول کو دیوار پر ٹیک مارو" لیکن باایں ہمہ کہتے کہتے
ہیں کہ جو حدیث ہمارے اصحاب کے طریقہ کے مخالف ہو وہ یا تو ماول ہے یا منسوخ
ہے، ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی والد امام الحرمین کا جو حال ابن سبکی نے لکھا
ہے، میں نے اس میں دیکھا ہے کہ انھوں نے محیط نامی ایک کتاب لکھنا شروع کی جس
میں انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ کسی مذہب کی پابندی نہ کریں گے، اور احادیث کے
جائے ورود سے آگے نہ بڑھیں گے اور مذاہب میں سے کسی کی حمایت و جانبداری نہ
کریں گے، چنانچہ حافظ ابوبکر بیہقی کو اس کے تین جز مل گئے اور انھوں نے ان پر چند اوہام
حدیثیہ کا اعتراض کیا، اور ان سے بیان کیا کہ حدیث پر عمل کرنے والے امام شافعیؒ ہیں،

Marfat.com

اور جن حدیثوں کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے، ان کو انھوں نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ ان میں ایسے علل موجود تھے، جن کو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو، چنانچہ جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو انھوں نے کہا کہ یہ علم کی برکت ہے، اور بیہقی کے لئے دعا کی اور تصنیف کے پورا کرنے سے ہاتھ روک لیا، اس کے بعد ابن سبکی نے بیہقی کا پورا رسالہ نقل کر دیا ہے، لیکن اگر امام شافعیؒ اس قسم کے اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے تو خود اجتہاد نہ کرتے، کیونکہ وہ تصحیح حدیث میں اُن رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے، جو صرف فن حدیث کے ہو گئے تھے، اور صحیح اور سقیم حدیث کے درمیان تمیز کرتے تھے، اور بیہقی نے جو کچھ بیان کیا وہ جوینی کی ترک تصنیف کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بشرطیکہ ان کو استنباط کی قدرت حاصل ہو، اور ان کے نفس کو استقلال پر اطمینان حاصل ہو، اس تقلیدی روح کے سرایت کرنے کے لئے، اسباب کی ضرورت ہے، اور ہم کو جہاں تک معلوم ہو سکا ہے، ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں،

(پہلا سبب) برگزیدہ شاگرد ہیں، جمہور کے قالب میں کسی عالم کی روح کی سرایت کرنے کا اس سے زیادہ کوئی موثر سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے طاقتور شاگرد ہوں، جو اس عالم کے طریقہ سے متاثر ہوں اور عوام کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہو، کیونکہ امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی بنا پر وہ اس کے ساتھ اپنی شیفتگی ظاہر کرتے ہیں، اسکی تدوین اور حمایت کرتے ہیں، اور جمہور کے نزدیک ان کو جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ انکو ان سے علم حاصل کرنے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے، کیونکہ وہ اس پر مجبور ہیں کہ ان کے لئے ایسے ائمہ موجود ہوں جن پر وہ اعتماد کریں اور اپنی شریعت کے احکام ان سے سیکھیں اور یہ ائمۂ مشہور جن کے مذاہب قائم ہیں، ان کو ایسے تلامذہ

Marfat.com

میسر آئے، جو نہایت بلند رتبہ، واضح الحجت اور اپنی قوم اور اپنے بادشاہوں کے نزدیک نہایت بلند پایہ تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے امام سے جو احکام سیکھے تھے اُن کو مدون کیا، اور ان سے انکو انکے بہت سے تلامذہ نے حاصل کیا، اور ان لوگوں کے درمیان جنھوں نے اپنے معتقدوں پر اعتماد کرکے احکام کی پیروی کی تھی، انکی اشاعت کی، ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کو جو اعتماد حاصل تھا، اسکی بنا پر وہ قاضی اسی شخص کو بناتے تھے جن کا یہ لوگ مشورہ دیتے تھے، اور یہ مشورہ صرف اسی شخص کے متعلق دیتے تھے، جن پر وہ اعتماد کرتے تھے، اور تم سب سے زیادہ اسی شخص پر اعتماد کرسکتے ہو جو تم سے متاثر ہو، اور اسکی رائے تمھاری رائے کے موافق ہو، اسلئے جن مذاہب کو اس قسم کے شاگرد نصیب ہوئے وہ انکی بنیاد کے مضبوط کرنے کا ایک بڑا سبب ہوگئے، اور جب عوام کے دلوں میں ان ائمہ کا اعتماد راسخ ہوگیا تو اس کے بعد یہ مشکل تھا کہ کسی نئے مذہب کا داعی کھڑا ہو، اور لوگوں کو اس کے اتباع کی دعوت دے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو خارج از جماعت سمجھتے تھے، اور جب حسد کا جذبہ پیدا ہوجاتا تھا تو اس کے حریف اس کے ساتھ جو چال چلتے تھے، وہ ناقابل فراموش ہے، اور یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ یہ ایک ایسا سبب ہے، جس کی آگ کسی زمانے میں بھی نہیں بجھی، یہانتک کہ ہمکو کوئی ایسا فقیہ جو اجتہاد کا درجہ حاصل کرچکا ہو نظر نہیں آتا، جو اس لباس میں ظاہر نہ ہو بلکہ انتہائی درجہ پر وہ صرف ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس جو مسائل آئیں اور ان کے متعلق اس کے امام کی نص موجود نہ ہو، تو وہ ان کے متعلق فتوی دیدے، یا کسی مسئلہ کے متعلق اپنے امام کی دو روایوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیدے اور اس قسم کے ائمہ اس دور میں بہ کثرت موجود تھے،

(دوسرا سبب) قضاءت ہے، گذشتہ لوگوں میں سے خلفا ان لوگوں کو قاضی منتخب

انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً ان	اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم تجھ پر عنقریب ایک
ناشئة اللیل ھی اشد وطأً واقوم	بھاری قول کا بوجھ ڈالیں گے بیشک رات کا اٹھنا خوب
قیلاً ان لک فی النھار	کچلنے والا ہے اور اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے
سبحاً طویلاً (مزمل-۱)	اور دن کے وقت تو تم کو (وعظ و نصیحت میں) بڑا اشتغال رہتا ہے

اس کے بعد آخر سورہ میں فرمایا،

ان ربک یعلم انک تقوم ادنی	اے پیغمبر تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم اور چند لوگ جو تمہارے
من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ	ساتھ ہیں کبھی (وہ تہائی رات کے قریب اور کبھی) آدھی
وطائفة من الذین معک واللہ	رات اور کبھی تہائی رات میں نماز کے لئے کھڑے رہتے ہو
یقدر اللیل والنھار علم ان	اور رات اور دن کا ٹھیک اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے
لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا	اسکو معلوم ہے کہ تم وقت کا تحفظ نہیں کر سکتے تو اس نے
ما تیسر من القرآن علم ان	تمہارے حال پر رحم کیا، (اور وقت کی قید اٹھا دی) تو اب
سیکون منکم مرضیٰ و	(تہجد میں) جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا
آخرون یضربون فی الارض	کرو، اسکو معلوم ہے کہ تم میں بعض (آدمی) بیمار پڑیں گے
یبتغون من فضل اللہ وآخرون	اور بعض خدا کے فضل (معاش) کی تلاش میں ملک
یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرؤا	میں سفر کریں گے، اور بعض خدا کی راہ میں لڑیں گے تو
ما تیسر منہ واقیموا الصلوٰة	جتنا قرآن (تہجد میں) آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو
وآتوا الزکوٰة (مزمل-۲)	اور نماز (پنجگانہ) پڑھتے رہو، اور زکوٰة دیتے رہو)

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے اور دوسرا حصہ رات کے ایک حصہ میں جو اس کے نصف کے قریب ہو قیام نماز کا مطالبہ کرتی ہے

Marfat.com

کرتے تھے، جن میں ان کو یہ نظر آتا تھا کہ کتاب وسنت کا علم اور ان دونوں سے استنباط احکام کی قدرت رکھتے ہیں، اور ان سے یہ معاہدہ لینے کے بعد کہ جس چیز کے متعلق نص موجود ہو اس میں صرف نصوص پر عمل کریں، یا اس رائے سے کام لیں جو اقرب الی النصوص ہوا ان کی رائے پر بھی فیصلہ کو سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ

"قضاءت ایک فریضۂ محکمہ یا سنتِ متبعہ ہے، اس جو چیز کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے، جب اس کے متعلق تمہارے دل میں خلجان پیدا ہو تو سمجھ سے کام لو، اشباہ وامثال کو پہچانو اور اس وقت قیاس سے کام لو، اور ان میں اس چیز کا قصد کرو جو اقرب الی اللہ اور اشبہ بالحق ہو۔"

اور جب کسی واقعہ میں قاضیوں کو صحیح بات نہیں معلوم ہوتی تھی تو اُن کے ساتھ ان کے شہر میں جو مفتی موجود ہوتے تھے ان سے مشورہ لیتے تھے، اور بسا اوقات اپنے خلفاء راشدین سے خط وکتابت کرتے تھے، اور بعض مسائل میں ان کی رائے پر عمل کرتے تھے اور ان قاضیوں پر عوام کو بڑا اعتماد تھا، لیکن امتداد زمانہ سے اجتماعی حالات بدل گئے، اور ان میں ایسے قاضی پیدا ہو گئے، جو اس اعتماد کو قائم نہ رکھ سکے، یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے، جنھوں نے فتوے پوچھنے والوں پر اُن کے قاضی کی غلطی ظاہر کر کے اس اعتماد کو ضعیف کر دیا جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ کو ان کے شہر کے فقہاء کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور جب قاضی کے ساتھ عوام کے اعتماد میں کمی آگئی تو قاضیوں کے دل میں یہ میلان پیدا ہوا کہ وہ احکام معروفہ کے ساتھ اپنے فیصلہ کو مقید کر دیں کہ ان کے لئے شذوذ آسان نہ ہو تا کہ ایک بار ایک مفتی کی رائے کے ساتھ جو اس کی غرض کے موافق ہو فیصلہ کرے اور دوسری بار

ایسے مفتی کی رائے کے ساتھ فیصلہ کرے جو اس کا مخالف ہو، اس کے ساتھ ہی مجتہدین کے پیروؤں نے وہ احکام مدون کئے جو انھوں نے اپنے امام سے سیکھے تھے، اور ان شاگردوں کی مستعدی نے جس قدر پھیلانا چاہا وہ تمام اسلامی شہروں میں پھیل گئے، اسلئے لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہوا کہ ان کا قاضی ایک مشہور مذہب کا آدمی ہو اپنے فیصلہ میں اس کی پیروی کرے اس سے تجاوز نہ کرے، اور وہ مذہب ایسا ہو جس کی تدوین کی گئی ہو، اور وہ مشہور ہو، اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جن کے پیروؤں نے انکی تدوین و تہذیب میں سرگرمی نہیں ظاہر کی تاکہ ان کا اخذ کرنا آسان ہو، اور جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان نے کی اور اس مذہب کے پیروؤں کے لئے عہدۂ قضاوت کو محدود کر دیا، تو یہ اُس مذہب کی اشاعت اور ان علماء کے اضافہ کا ایک عظیم الشان سبب بن گیا، جو اس مذہب کے قیام و اشاعت کا سبب تھے، جیسا کہ بلاد مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام الملک نے اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عنصر نے کی جو حنفی کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہیں کرتے تھے، اور جب کوئی سردار یا با اقتدار شخص کوئی مدرسہ قائم کرتا تھا اور اس میں تدریس و فتویٰ محدود طور پر کسی خاص مذہب یا مذاہب معینہ کی تدریس لازم کر دیتا تھا تو یہ اسکا ایک نیا حامی ہو جاتا تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ انصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں بلقینی کے شاگرد ابو زرعہ کا قول بیان کرتے ہیں، کہ "میں نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ کو کیوں نہیں پہنچے، حالانکہ ان کو یہ درجہ حاصل تھا اور وہ کیونکر تقلید کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ (میں نے ان کے شیخ بلقینی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ میں اس پر جو تہمت لگانے والا تھا، اس کی بنا پر مجھے ان سے شرم آتی تھی) لیکن وہ خاموش رہے، تو میں نے کہا کہ میرے

Marfat.com

نزدیک اس کی وجہ صرف وہ وظائف ہیں جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کو ملتے تھے، اور جو شخص ان مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا، اس کو وہ وظیفہ نہیں ملتا تھا، عہدۂ قضاء سے محروم رہتا تھا، لوگ اس سے فتوے نہیں پوچھتے تھے، اور اس کی طرف بدعت کا انتساب کیا جاتا تھا، اس پر وہ مسکرائے اور مجھ سے اتفاق کیا، الخ لیکن باوجودیکہ بلقینی نے ابوزرعہ کے خیال سے اتفاق کیا تھا، انصاف کے مصنف نے ان سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ انھوں نے اس کو مستبعد سمجھا، کہ ابوزرعہ نے جن چیزوں کو بیان کیا ان میں کسی چیز نے ان بزرگوں کو اجتہاد کے چھوڑنے پر آمادہ کیا ہوگا، اور شرح مہذب میں سیوطی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مجتہد جو کسی خاص امام کی طرف منسوب ہو، اور وہ اجتہاد مطلق کرے تو یہ اس امام کے انتساب کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ ابو اسحاق شیرازی، ابن الصباغ، امام الحرمین اور امام غزالی اسی قسم کے مجتہد تھے، اور کسی خاص امام کی طرف منسوب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ طریقۂ اجتہاد استقراء دلائل اور ان کی ترتیب میں وہ اس کے طریقہ پر چلے اور اس کے اجتہاد کے ساتھ موافقت کرے، اور اگر کبھی اس کی مخالفت کرے، تو اس کو اس کی پرواہ نہ ہو اور اس کے طریقہ سے صرف چند مسائل میں نکلے، اور یہ اس کے مذہب شافعیؒ کی پابندی میں خلل انداز نہیں ہوتا، لیکن شاہ ولی اللہ نے یہ جو کچھ نقل کیا، وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے، گو ہم اس کو عام طور پر تسلیم نہیں کرتے یعنی یہ نہیں کہتے کہ اس نے تمام فقہا کو تقلید پر آمادہ کیا،

(تیسرا سبب) جیسا کہ ہم نے بیان کیا مذاہب کی تدوین ہے، اس بناء پر جس کو قابل اعتماد مدوّن میسر ہوئے وہ کامیاب ہوگیا، اور جمہور نے اسکو قبول کر لیا، کیا تم امام شافعیؒ کے

Marfat.com

اس قول کو نہیں دیکھتے کہ "لیث مالک سے زیادہ فقیہ تھے، لیکن ان کے اصحاب نے ان کو قائم نہیں رکھا، اور اس عدم قیام کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے ان کی رایوں کی تدوین اور عوام میں ان کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ انھوں نے امام مالکؒ کی رایوں کی تدوین کی، چونکہ امام لیث کو ایسے تلامذہ میسر نہیں ہوئے، جو ان کی رایوں کو مدون کرتے اس لئے فقہ میں ان کی بلند پایگی نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور گو مستند راوی ہونے کی حیثیت سے ان کی شان و عظمت کا تذکرہ محدثین کی زبان پر باقی رہ گیا، لیکن مفتی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان کے نام کا چراغ بجھ کر رہ گیا، اور لیث کی طرح صحابہ اور تابعین میں بہت سے ائمہ ہیں، جن کے آرار و استنباطات بعد کے لوگوں کے لئے مشعل ہدایت تھے اور اس سے پہلے ہم ان کے ناموں کا تذکرہ کر چکے ہیں،

لیکن اس دور میں علمار کا انتساب اپنے ائمہ کی طرف تقلید محض کی حد تک پہنچا ہوا نہ تھا، بلکہ ان کے بعض کارنامے ایسے تھے، جو ان کو نہایت بلند رتبہ اور بلند پایہ بتاتے تھے، مثلاً،

(اولاً) تو وہ ان احکام کے علل و اسباب ظاہر کرتے تھے، جن کو ان کے ائمہ نے مستنبط کیا تھا، اور انہی لوگوں کو علمائے تخریج کہا جاتا ہے، اور تخریج مناط کے معنی یہ ہیں کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے، اور زیادہ تر علمائے حنفیہ نے یہ مسلک اختیار کیا تھا کیونکہ بہت سے احکام جن کو انھوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا تھا، غیر معلل تھے، اس لئے انھوں نے ان اصول کے بیان کے متعلق اجتہاد کیا جن کو ان کے ائمہ نے اپنے استنباطات میں اختیار کیا تھا، اور ان علل کی تخریج میں علمار باہم اختلاف کرتے ہیں، اور علت کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان مسائل کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں، جن کے

Marfat.com

متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے، بشرطیکہ اس چیز کی علت معلوم ہو جائے، جس کے متعلق ان کے امام کی تصریح موجود ہے، اسی موقع پر انھوں نے اصول فقہ کی ایجاد اس اجتہاد کی بنا پر کی ہے، کہ ان کے ائمہ کے یہی اصول ہیں، جن پر انھوں نے اپنے استنباطات کی بنیاد رکھی ہے، میں نے استقراء کے رو سے اپنی کتاب اصول فقہ میں اس کی تصریح کی تھی، اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے مقدم الذکر رسالے میں مجھ کو ایسی عبارت ملی، جو اس کی تائید کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ

"میں نے اکثر لوگوں کو پایا، جو یہ خیال کرتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی (امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے اختلاف کا بھی اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے) کے اختلاف کی بنیاد ان ہی اصول پر ہے، جو کتاب بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے قول سے نکالے گئے ہیں، اور میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص ظاہر ہوتا ہے، اس کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور زیادت نسخ ہے، اور عام خاص کی طرح قطعی ہے، اور کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوتی، اور غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہیں، اس سے رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور مفہوم شرط و مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہیں ہے، اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اس قسم کے اور مسائل ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں، اور ان کی روایت امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہیں ہے، اور ان کی مخالفت اور ان اعتراضات کے جوابات میں جو متقدمین کے استنباطات سے ان پر وارد ہوتے ہیں، تکلف کرنا، جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں، ان کے مخالف اصول کی محافظت اور ان کے جوابات سے زیادہ مستحق نہیں ہے،

اس کے بعد انھوں نے اُن قواعد میں سے ہر قاعدہ، اور اُن اعتراضات کی جو حنفیہ پر ان کے متعلق وارد ہوئے ہیں، اور ان جوابات کی جو بہ تکلف انھوں نے ان کا دیا ہے، مثال دی ہے،

شافعیہ نے اس میدان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، کیونکہ ان کے امام کے جو اصول تھے، انھوں نے خود ان کو مدوّن کر دیا تھا، اور اپنے تلامذہ کو ان کا املا کرا دیا تھا، یہی حال مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تھا، کیونکہ یہ لوگ مناظرہ کے میدانوں سے جن کا ذکر عنقریب آئے گا، بالکل الگ تھے،

(ثانیاً) مذہب کے متعلق مختلف رایوں میں ترجیح دیتے تھے جس کی دو قسمیں تھیں،

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح،

(۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح،

روایت کے لحاظ سے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب سے بعض مسائل کی نقل میں اختلاف واقع ہوا ہے، کیونکہ ان سے ان کے مذہب کی نقل ایک سے زیادہ آدمیوں نے کی ہے، مثلاً امام ابوحنیفہ کے اقوال جو امام محمد نے نقل کئے ہیں ان میں بعض کو انھوں نے خود امام ابوحنیفہ سے اخذ کیا ہے، اور بعض کی روایت امام ابویوسف کے ذریعہ کی ہے اور امام ابویوسف سے امام محمد کے علاوہ اور تلامذہ مثلاً حسن بن زیاد اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے، اور امام محمد سے ان کی کتابوں کی روایت بھی ایک سے زیادہ لوگوں نے کی ہے، اور یہ لوگ نقل میں اختلاف رکھتے ہیں، اور یہ اختلاف اس لئے پیدا ہو گیا ہے، کہ یا تو نقل کرنے والوں نے ان ائمہ سے نقل کرنے میں غلطی کی ہے، یا یہ کہ خود امام کو اس رائے میں تردد تھا، اور وہ آج جو بات کہتا تھا، اس کو

Marfat.com

کل بدل دیتا تھا، اس لئے ہر ایک شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا، اسی طرح ہم کو نظر آتا ہے کہ امام شافعیؒ سے ربیع بن سلیمان، مزنی، حرملہ اور بویطی وغیرہ نقل کرتے ہیں، اور گذشتہ دونوں اسباب کی بنا پر نقل میں اختلاف کرتے ہیں، اسی طریقہ پر امام مالکؒ سے ابن القاسم، ابن وہب، ابن الماجشون اور اسد ابن الفرات وغیرہ روایت کرتے ہیں، اب ان مذاہب کے قائم ہو جانے کے بعد علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت مرجح ہے، چنانچہ زیادتی اعتماد کی بنا پر جس شخص کی روایت پر ان کو اطمینان حاصل ہوا، اس کو انھوں نے ترجیح دے دی، جیسا کہ حنفیہ نے امام محمد کی روایتوں کو دوسرے تلامذہ پر ترجیح دی، اور خود امام محمد کی روایتوں میں ان کی ان کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت ان سے ثقات مثلاً ابوحفص الکبیر اور جوزجانی نے کی ہے، اور ان کا نام انھوں نے ظاہر الروایۃ رکھا، اسی طرح شافعیہ نے ربیع بن سلیمان کی روایتوں کو ترجیح دی، یہاں تک کہ جب ربیع اور مزنی کی روایتوں میں تعارض واقع ہوتا ہے، تو وہ ربیع کی روایتوں کو مقدم سمجھتے ہیں، حالانکہ فقہ میں وہ مزنی کی بلند پایگی کے معترف ہیں، اور ان کو ربیع پر ترجیح دیتے ہیں اور جب حرملہ کی روایتیں ان دونوں سے متعارض ہوتی ہیں تو وہ حرملہ کی روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اسی طرح امام مالک سے ابن القاسم نے جو روایتیں کی ہیں، ان کو مالکیہ نے ان کے اور راویوں پر ترجیح دی ہے، خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں، وہ مختلف ہیں، اس لئے وہ رواۃ کی زیادتی اعتماد کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، دوسرے قسم کی ترجیح ان مختلف روایتوں میں واقع ہوتی ہے، جو خود ائمہ سے ثابت ہوتی ہیں یا امام اور اس کے تلامذہ

کے اقوال کے درمیان یہ ترجیح دی جاتی ہے، اور اس قسم کی ترجیح وہ فقہا دیتے ہیں جو ان ائمہ کے اصول اور طرقِ استنباط سے واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے موافق یا فقہ کے دلائل اصلیہ یعنی کتاب، سنت اور قیاس سے قریب تر ہوتے ہیں، اور یہ قدرتی بات ہے کہ ان مرجحین کے درمیان ترجیح میں اختلاف واقع ہو، لیکن اہل ترجیح فی المذہب میں صرف اس عالم کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے درجۂ اطلاع و تصرف کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

ثالثاً، ہر فریق نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے مذہب کی تائید کی، چنانچہ اجمالی طور پر اس طرح کہ اس کے مذہب کا امام جس قدر وسیع علم، ورع صادق اور حسنِ استنباط کا ملکہ رکھتا تھا، اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا جس قدر اتباع تام کرتا تھا، اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا، چنانچہ تم کو علمائے مذہب میں ایسے بہت کم علماء ملیں گے جنھوں نے اپنے امام کی یہ تعریف نہ کی ہو کہ وہ امام الائمہ ہے اور کوئی امام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور ان لوگوں نے اس کے ایسے اوصاف بیان کئے جو اسکو میدانِ فقہ و استنباط کا شہسوار ثابت کرتے تھے، ان میں بعض لوگوں نے غلو کیا، اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے لیکن اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، تفصیلی تائید کا طریقہ یہ تھا کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لئے کتب خلافت کی تالیفت کی جس میں اختلافی مسائل بیان کرتے تھے اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے، جس کی طرف وہ منسوب تھے، لیکن اکثر اوقات یہ ترجیح تکلف واضح سے خالی نہیں ہوتی تھی، دوسری حیثیت سے ان لوگوں نے زبانی مناظرات کئے اور چونکہ اس دور میں ان مناظرات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی،

Marfat.com

اس لیے ہم اُن مناظرات کے متعلق تمھارے سامنے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہیں،

(۲) مناظرات وجدل کی اشاعت

گذشتہ دور میں بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر اُن مناظرات کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسن فقیہ عراق کے درمیان ہوئے، لیکن وہ عام طور پر علماء کے درمیان شائع نہ تھے، اور جہاں تک بظاہر معلوم ہوتا ہے، ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی رایوں کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے میں آزاد تھے، اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہیں کرتے تھے، لیکن اس دور کے مناظرات کی ابتدائی اشاعت، ان کے محرکات اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے،

ان مناظروں کی سرگذشت کا حال یہ تھا کہ مناظرہ کی مجلسوں کا بہت زیادہ رواج ہوا یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی جلسوں سے خالی ہو جو دو بڑے عالموں کے درمیان مناظرہ کی غرض سے منعقد کی گئی ہوں بالخصوص عراق و خراسان میں،

مناظرہ کی یہ مجلسیں وزراء و کبراء کے سامنے منعقد ہوتی تھیں، اور ان میں بہت سے اہل علم شریک ہوتے تھے، اور مجالس عزا میں بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا، (طبقات الشافعیہ تذکرہ شیخ ابو اسحاق شیرازی میں دیکھو) چنانچہ ابو الولید الباجی کہتے ہیں کہ بغداد میں رسم ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ عزیز سمجھتا تھا تو چند دن گھر کی مسجد میں بیٹھتا تھا، اور اس کے ساتھ ان دنوں ہیں اسکے پڑوسی اور بھائی بھی بیٹھتے تھے، جب چند دن گذر جاتے تھے تو اس کو صبر و تسلی دیتے تھے اور اسکے متعلق

کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے، لیکن یہ دن جن میں وہ اپنے پڑوسیوں اور بھائی بند کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتا تھا، اکثر اوقات تلاوتِ قرآن یا مسائل کے متعلق فقہا کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے، قواعد مناظرہ کے متعلق کتابیں تالیف کی گئیں اور ان کا نام "علم ادب البحث" رکھا گیا، پہلے مناظرہ کی مجلسیں علم کلام کے متعلق قائم کی جاتی تھیں، اور اس نے ان لوگوں میں اس قدر تعصبات فاحشہ اور کھلی ہوئی خصومتیں پیدا کر دیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہروں کی بربادی کی نوبت پہنچ گئی، اس لیے بعض امرا فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے، بالخصوص ان کا میلان اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جو اولیٰ ہو اسکا اظہار کیا جائے، اب لوگوں نے علم کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑ دیا، اور خصوصیت کے ساتھ ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ اختلاف کرنے میں تساہل سے کام لیا ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد، دقائقِ شریعت کا استنباط، علل مذاہب کا اثبات اور اصولِ فتاویٰ کی تمہید ہے، لیکن ان کیلئے اس کا اصل محرک امراء کی خوشنودی تھی، چنانچہ امام غزالی نے اس کو ثابت کیا ہے، اور اس معاملے میں وہی حجت ہیں، کیونکہ وہ ان کے رؤساء میں تھے، اور نہایت تیز زبان اور دقیق النظر تھے، اسکے بعد ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا تو انھوں نے ان دلفریب مناظر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور حالت نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لیے ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہیں مل سکتا جو خود اس میں مبتلا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے، امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ طلب حق کے لیے باہمی تعاون

اور اس نماز (تہجد) کے وجوب کا اس نے سبب بھی بیان کر دیا ہے، دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح چند صحابہؓ بھی اس پر عمل کرتے تھے، اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ اس موقع پر ایک ایسا سبب موجود ہے جو اس معاملہ میں صحابہ کے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عنقریب ان کی تین قسمیں جن کو خدا نے بیان کر دیا ہے ہو جائیں گی، یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن مجید کے صرف اس حصے کے تلاوت کی تکلیف دی گئی، جس کا پڑھنا آسان ہو، اب اگر پہلی آیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود ہو، اور صحابہ کرام نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کے خیال سے رات کو قیام کیا، اور اسباب متذکرۂ بالا کی بنا پر جو آسانی کی گئی وہ صرف صحابہؓ کی ذات تک محدود ہے، تو پہلی آیت منسوخ نہ ہوگی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا حکم باقی رہیگا، (حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہی ہے) لیکن اگر پہلی آیت کو عام قرار دیا جائے اور آسانی کو بھی عام تسلیم کیا جائے تو پہلی آیت منسوخ قرار پائے گی، لیکن یہ معنی بعید از عقل و قیاس ہے پہلے معنی کے رو سے دوسری آیت کی تطبیق پہلی آیت سے ہو جاتی ہے، اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے بعد کی آیت پہلی آیت کے حکم کی باطل ہونے کا اعلان کرتی ہے، حالانکہ یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آیتیں جن کے سوا ہمارے خیال میں کوئی تیسری آیت موجود نہیں متعین طور پر غیر مفید نسخ ہیں، ''سورہ قد سمع'' میں صدقۃ النجویٰ کی جو آیت ہے وہ بھی انہی دونوں کے قریب قریب ہے،

دوسرا طریقہ یعنی یہ کہ دو صریح متناقض آیتوں کی بنا پر جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو نسخ کی مجبورانہ ضرورت پیش آئے، تو ہمارے نزدیک قرآن مجید میں مشکل ایسی کوئی آیت مل سکتی ہے جن آیتوں کی نسبت نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ہم نے ان کو ان علماء کے جوابات کے ساتھ جو ان کے نسخ کے منکر ہیں، اپنی کتاب ''اصول فقہ'' میں بیان کیا ہے، اس لئے اگر تم چاہو تو اسکی

Marfat.com

دین سے ہے، کیونکہ اس کے لیے آٹھ شرطیں ہیں،

(۱) چونکہ یہ فرض کفایہ سے ہے، اس لیے اس میں اس شخص کو مشغول نہیں ہونا چاہیئے جو فرضِ اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو، اور جس شخص پر فرض عین باقی ہے، اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہوا، اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذاب ہے، اور اسکی مثال اس شخص کی سی ہے جو خود نماز کو چھوڑ کر کپڑوں کے حاصل کرنے اور ان کے بننے میں مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کردوں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے، اور کپڑا نہیں پاتا، کیونکہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے، اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے، کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوادرِ مسائل سے علم الخلاف میں بحث کیجاتی ہے انکا وقوع ممکن ہے، لیکن جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہیں جو بالاتفاق فرض عین ہیں، جس شخص کو فی الحال ودیعت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے اس کے واپس کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، وہ اس کے ساتھ گنہگار رہا، اس لیے کسی شخص کے فرمانبردار بندہ ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے، جب تک کہ اس میں وقت، شرط، اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے،

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے، لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا، اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا، تو اس فعل پر گنہگار ہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی، اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا، لیکن وہ فنِ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرضِ کفایہ میں

ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے لیکن جب ا
کہا گیا کہ شہر میں حجاموں کی ایک جماعت موجود ہے، اور وہ کافی ہے، تو اس نے کہا کہ
فرضِ کفایہ ہونے سے اس کو نہیں نکالتا، تو جو شخص ایسا کرتا ہے، اور مسلمان بیمار
کی جماعت کے واقعہ حال کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی حالت اس شخص کی حالت کے مطا
ہے، جو مناظرہ میں مشغول رہتا ہے، حالانکہ شہر میں اور بھی بہت سے فروضِ کفایہ چھو
ہوئے ہیں، اور ان کو کوئی انجام نہیں دیتا، ان سب سے قریب تر طب ہے، اسی طر
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی،

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیے، جو اپنی رائے سے فتوے دے، نہ کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ
کے مذہب کے ساتھ یہاں تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابوحنیفہ کے
مذہب میں ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعی کی رائے کے موافق ہے، اور
جو رائے اس کو حق معلوم ہوتی ہے اس کے مطابق فتوے دے، لیکن جس شخص کو
اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں ہے، اور ہر اہل زمانہ کا حال یہی ہے تو اسکو مناظرہ سے کیا فائدہ
درآنحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے، اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ نہیں دے سکتا

(۴) صرف اُس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہو اور زیادہ تر قریب الوقوع ہو
لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب میں جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے، اہتمام
نہیں کرتے بلکہ صرف ان طبولیات کی جستجو کرتے ہیں، جو سنے جاتے ہیں، اور را
ہیں جو کچھ بھی ہو مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے، اور جو مسائل کثیر الوقوع
ہیں اون کو اکثر اوقات چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خبر یہ مسئلہ ہے یا زوایا
ہے، طبولیات سے نہیں،

محفلوں اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہیے، کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا، اور ذہن و فکر کی صفائی اور ادراکِ حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے، اور مجمع کے سامنے ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو محرکاتِ ریا کو تحریک دیتے ہیں، اور ہر شخص کے لیے چاہیے، وہ حق پر ہو یا باطل پر اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں، حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع و محافل کے حریص خدا کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں بعض لوگ اپنے حریف کے ساتھ مدتوں خلوت میں رہتے ہیں، اور اس سے کلام نہیں کرتے اور ربا اوقات اس کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا، لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے، تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملے،

(۶) حق کی جستجو میں اس کی حالت اُس شخص کی سی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگے گی یا اس کے معاون کو ملے گی اور وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے، اور جب وہ اس کی غلطی بتا دے اور اس کے لیے حق کو ظاہر کر دے تو وہ اس کا شکر گزار ہو، لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے، اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے،

(۷) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے اور اپنے

کلام سے مناظرۂ مبتدعہ کے تمام مفید و مضر دقائق کو نکال ڈالے، مثلاً اس کا یہ قول کہ اس ذکر میرے لیے ضروری نہیں" اور یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے، اس لیے مجھ سے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے، اور اس کا قبول کرنا واجب ہے، لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام محفلوں کا خاتمہ مدافعات و مجادلات پر ہوتا ہے،

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم میں مشغول ہو، لیکن اکثر یہ لوگ فحول واکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہیں کہ حق ان ہی کی زبان سے ظاہر ہوگا، اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ ان میں اپنے باطل کو رواج دے سکیں الخ (ملخصاً)

اس کے بعد امام غزالی نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس میں مناظرہ کی آفتیں بیان کی ہیں، اور اُن میں حسبِ ذیل آفتوں کو شمار کیا ہے،

(۱) حسد

(۲) لوگوں پر تفوق حاصل کرنا، یہاں تک کہ یہ لوگ بعض مجالس میں بلندی، پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستوں میں پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہیں، اور ان میں بعض غبی اور مکار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں، اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر مذہب کی عزت سے کرتے ہیں تاکہ ایک نام میں تحریف کریں اور لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کردیں،

(۳) حقد یعنی سخت اور مخفی دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظر خالی نہیں ہوتا،

Marfat.com

(۴) غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمت ضرور کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل وحکایت میں صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے میں جھوٹ نہ بولے، لیکن لازمی طور پر اس سے ایسی چیزیں نقل کرتا ہے جس سے اس کے کلام کا قصور، اس کا عجز اور اس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے،

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کا ٹوہ لگانا کوئی مناظر اپنے ہمسروں کی لغزشوں کی تلاش اور اپنے حریفوں کی برائیوں کے ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ جب اس کو اپنے شہر میں کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کرکے اس سے نتائج نکالتا ہے، یہاں تک کہ بوقتِ ضرورت اس کی رسوائی اور شرمساری کے لیے ان کو اپنے لیے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے، تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج وغیرہ ہونے پر واقف ہو جائے، پھر جب اس کا ادنیٰ سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے، تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے، تو تعریضاً اس کا اظہار کرتا ہے، اور اس کی یہ تعریض مستحسن خیال کیجاتی ہے، اور گالی گلوچ کے لطائف میں شمار کی جاتی ہے لیکن اگر وہ سفیہ اور مسخرا ہوتا ہے، تو علانیہ اس کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اکابر مناظرین سے منقول ہے،

(۶) لوگوں کے رنج سے خوشی اور ان کی خوشی سے رنج، کیونکہ جو شخص اظہارِ فضل کے ذریعہ سے تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کو اُس کے مقابل حریفوں کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی ہے، اور ان کے درمیان سوتوں کی طرح بغض ہوتا ہے، جس طرح ایک سوت

Marfat.com

دوسری سوت کو جب دور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اسی طرح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے، تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اور اُس سے اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے، اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے، گویا وہ شیطان یا کسی درندہ جانور کو دیکھتا ہے،

(۷) نفاق، جس پر یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ حریفوں، ان کے دوستوں اور ان کے ساتھیوں سے ملتے ہیں، اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق، اور ان کے مرتبہ کا اظہار کرتے ہیں، لیکن مخاطِب اور مخاطَب اور ہر وہ شخص جو اُن سے یہ سنتا ہے جانتا ہے کہ یہ جھوٹ، زور، نفاق، اور فجور ہے، کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہیں،

(۸) حق سے رُوگردانی اور اس کی کراہت اور اُس کے متعلق جھگڑنا، یہاں تک کہ مناظر کے لیے سب سے زیادہ مبغوض چیز یہ ہے کہ اُس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہو اور جب وہ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اُس کے انکار کے لیۓ مستعد ہو جاتا ہے اور اس کے رد کرنے کے لیے انتہائی مکر، فریب اور حیلہ سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ حق کے متعلق جھگڑنا اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے، اس لیۓ جب کوئی کلام سُنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ ادلۂ قرآن اور الفاظِ شرع کے متعلق بھی اسکے دل پر اسکا غلبہ ہو جاتا ہے، اور وہ ایک کو دوسرے سے مخلوط کر دیتا ہے،

(۹) ریاء: لوگوں کا لحاظ، اور اُن کے دل اور اُن کے چہروں کے مائل کرنے کی کوشش اور ریاء ایک ایسا سخت مرض ہے جو اکبر الکبائر کا محرک ہوتا ہے اور مناظر کا

Marfat.com

مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں نمایاں ہو اور لوگ اس کی تعریف کریں،
مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں جو فقہاء کو اس سطح سے گرا دیتے ہیں جس پر متمکن ہونا چاہیئے، کیوں کہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہیں، اس لئے ان میں کامل ترین اخلاقی اوصاف ہونے چاہئیں، لیکن ان مناظرات نے جو خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھے، ان میں بہت سے فقہاء کو اس حالت تک پہونچا دیا جس کی شرح ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اُسی حالت میں مبتلا تھا، خدا اس کو معاف کرے،

ابن سبکی نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابو حیان توحیدی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو حامد غزالی کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جو کچھ تم مجھ سے مجلس مناظرہ میں سنتے ہو اس کو بہت نہ لکھو، کیونکہ اس میں جو گفتگو ہوتی ہے اس سے حریف کو چکمہ اور مغالطہ دینا اور اس تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے ہم خالصۃً لوجہ اللہ تعالیٰ گفتگو نہیں کرتے، اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ ہم خاموشی کی طرف شریعت کے ساتھ قدم بڑھاتے، اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو میں خدا کا غضب لیکر لوٹتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی

اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصر اور اس کے ملحق شہروں میں مذہب اسماعیلی کا ظہور ہوا جو شیعوں کے مذاہب میں سے ان لوگوں کا مذہب ہے جنھوں نے اسماعیل بن جعفر صادق کے ساتھ موالات کی اور ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر المعروف بکاظم کو چھوڑ دیا، اس لئے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب یعنی زیدیہ، امامیہ

Marfat.com

اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ قائم ہوگئے، یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے باہم مخالف ہیں لیکن ان سب میں عترت کا شیرازہ سب کو ایک سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہے جب معز لدین اللہ قاہرہ میں آیا جس کی بنیاد اس کے آنے سے پہلے پڑ گئی تھی لیکن وہ اس کے نام سے منسوب ہوا تو اس کے ساتھ اس کا سب سے بڑا عالم اسماعیلیہ فرقہ کا فقیہ موجود تھا، اور وہ مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں اس لقب کا رواج ہوا، ورنہ اس سے پہلے دار الخلافۃ الکبریٰ بغداد میں وہ صرف قاضی اکبر تک محدود تھا، یہ قاضی لوگوں کے درمیان وراثت اور دوسرے مسائل میں مذہب اسماعیلیہ کے موافق فیصلہ کرتا تھا، اور عترت کی وراثت کا طریقہ بہت سے مسائل میں جمہور کے طریقۂ وراثت سے مختلف تھا، جن میں سب سے اہم یہ مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں عصبہ اور عول نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ اقربیت کو عصبیت کے قائم مقام بناتے ہیں اور جو شخص میت سے جس قدر زیادہ قریب ہوتا ہے اسی ترتیب سے وراثت دلواتے ہیں، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس لئے ان کے نزدیک پہلا درجہ باپ ماں اور لڑکوں کا اور دوسرا درجہ دادا، بھائی اور بہنوں کا ہے، علیٰ ہذا القیاس اور دور کا رشتہ دار قریبی عزیز دار کے ساتھ وراثت نہیں پاتا، مثلاً اگر میت ایک لڑکی چھوڑ جائے اور اس کے ساتھ باپ ماں میں سے کوئی نہ ہو تو وہ پورے مال کی مالک ہو جاتی ہے، آدھے کی فرض کے ساتھ اور آدھے کی رد کے ساتھ، اس طریقہ پر فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے باپ کی میراث میں کوئی انکا شریک نہیں ہے، اور ماں کے ساتھ بھائی یا بہن میں سے کوئی وراثت نہیں پاتا اور عترت کے اس قول کی بنا پر کہ میراث کا اصول قربت ہے، وہ لوگ حقیقی چچا کے لڑکے علاتی

دہم الاب اچا پر مقدم کرتے ہیں حالانکہ چچا چچا کے لڑکے سے زیادہ قریب ہے اور اس پر طائفۂ محقہ کے اجماع سے استدلال کرتے ہیں، اس اصول کے موافق ان کے اور بہت سے مسائل ہیں جو جمہور کے مخالف ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لیا ہے کہ فرائض کو اہل فرائض کے حوالے کرو، اس کے بعد جو بچ جائے وہ اس فرد کو دو جو قریب ترین رشتہ دار ہو اور بعض اصحاب فروض پر کمی کے داخل کرنے سے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاۃ مصری کی ترتیب کے ساتھ ان کے علما جامع الازہر میں جس کو انہی نے قائم کیا تھا، اس کا درس دیتے تھے، اور اس غرض سے اس مذہب میں کتابیں تالیف کی گئی تھیں، اور علماء و طلبہ کو ماہوار وظائف دیتے تھے۔ اور اس کو دعوت کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا، داعی دعاۃ اور اس کے اعوان کا کارنامہ اس پر مستزاد تھا، کیونکہ وہ مذہب اسماعیلی کے اختیار کرنے کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ عوام کو مائل کر رہے تھے، لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب عوام کے دلوں میں بہت اچھی طرح راسخ ہو گئے تھے، اس لئے ان دونوں مذاہب کے باطل یا ضعیف کرنے کے لئے کوئی قطعی کام جاری نہ کیا جا سکا، اور مصر کی قدیم جامع مسجد میں ان دونوں مذاہب کے عالموں کے حلقہ ہائے درس برابر قائم رہے۔

اخیر میں مستنصر کا وزیر ابو احمد بن الافضل اس پر مجبور ہوا کہ اس معاملے میں نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے مذہب کے مطابق وراثت دلوائے، ایک قاضی اسمٰعیلی ہو، ایک امامی ہو، ایک مالکی ہو، اور ایک شافعی ہو، اور ۵۲۵ھ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر کئے گئے، اور جب اس سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو ۵۴۵ھ میں ابو المعالی مجلی بن جمیع الشافعی

صاحب الذخائر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور جب صلاح الدین عاضد کا وزیر ہوا دولت اسماعیلیہ کے مظاہرہ کو مٹا دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن عبد القوی صدر الدین کو موقوف کیا، اور ۵۶۶ھ میں صدر الدین عبد الملک بن درباس الکردی الشافعی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا، صلاح الدین نے مصر میں مذہبِ اسماعیلی کے ساتھ جنگ کی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا، اور ہم میں اور اسماعیلیوں کے درمیان تمام تعلقات منقطع کر دیئے، یہاں تک کہ فقہ یا اس کے علاوہ اور علوم میں ہم ان کی کسی کتاب سے واقف نہیں ہو سکتے، شافعیہ میں قضات کا عہدہ برابر قائم رہا لیکن جب ظاہر بیبرس آیا تو اس نے تعدد قضاۃ کی بدعت کا دوبارہ اعادہ کیا، لیکن انکو جمہور کے مذاہب شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی میں سے مقرر کیا'

ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں کس قدر کامیابی ہوئی، اور خواص امت میں سے کس قدر لوگوں نے اس کو اختیار کیا، البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر کم ہوا کیونکہ مظاہر اسماعیلیہ اور ان کے عقائد سے نفرت کرنے کی خبریں ان سے مروی ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے نے اس کو قبول نہیں کیا، اور اس کو کفر و الحاد کی علامت قرار دیا، اس لئے عوام نے اس سے نفرت ظاہر کی اور دعوت کے طریقہ اخفاء نے اس نفرت کو اور بڑھا دیا اور اس سے انکے اس اعتقاد کو اور تائید ہوئی کہ وہ اس دین سے خارج ہے جسکو انھوں نے اپنے ائمہ اور علماء سے وراثۃً پایا ہے،

تعصباتِ مذہبی کی اشاعت

گذشتہ دور میں جس بے تعصبی کی روح نے غلبہ پا لیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ

طرف رجوع کرسکتے ہو"

علمائے سلف میں جن لوگوں نے قرآن مجید میں کسی آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے، اُن میں مفسر اعظم ابو مسلم اصفہانی ہے، ہم نے اُن کے اقوال کو امام رازی کی تفسیر میں دیکھا ہے، اور خود امام رازی کی ضمنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو مسلم کی اس رائے کی طرف مائل ہیں،

قرآن مجید کا طرز بیان

طلب اور تخییر کے متعلق

قرآن مجید نے طلب و تخییر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً

(۱) کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ	خدا عدل، احسان اور قرابتداروں کے دینے کا حکم دیتا ہے،
ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل،	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت داروں کی امانت ان کو دو اور جب تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو،

(۲) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ یہ فعل مخاطبین پر فرض کیا گیا ہے،

کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ	مقتولین کے بارہ میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے،

Marfat.com

اختلاف مذاہب کا یہ اثر نہ ہو کہ مختلف مذاہب کے لوگ باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، چنانچہ ایک شہر میں دو یا اس سے زائد مجتہد ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنے رفیق کے لئے اجتہاد کو جائز رکھتا تھا، اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا، زیادہ تر جو چیز دیکھنے میں آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک کسی مسئلہ میں دوسرے کی غلطی نکالتا تھا اور اس پر جو نکتہ چینی کرتا تھا، اس کو اس کے پاس لکھکر بھیجدیتا تھا یا اس کے متعلق اس سے زبانی گفتگو کرلیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام بلکہ اس کی محبت اور تعریف کرتا تھا، چنانچہ امام لیث بن سعد نے امام مالک بن انسؓ کو جو خط لکھا تھا، اسکو ہم پہلے نقل کرچکے ہیں، اور امام شافعی اگرچہ امام ابوحنیفہ کے مسائل پر تنقید کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں، وہ امام محمد کی اکثر تعریف کرتے تھے، حالانکہ مناظرے میں وہ ان کے سب سے بڑے حریف تھے اور امام احمد بن حنبل سے جو فقہ میں ان کے شاگرد تھے کہتے تھے کہ جب تمھارے نزدیک حدیث صحیح ہو تو مجھے اس کی اطلاع دو، اور جب حدیث کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے کہ امام مالک روشن ستارہ ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فقہا و ائمۂ اطہار کے اوپر بے تعصبی اور محبت کی روح کا غلبہ تھا، اور وہ اس معاملہ میں اپنے اسلاف صحابہؓ اور تابعین کے مقلد تھے، لیکن اس دور نے جس تقلیدی روح سرایت کرگئی فقہا کو جیسا کہ ہم نے بیان کیا اپنے ائمہ کے مسائل کی مدافعت پر آمادہ کیا، اور امرا نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان میں گرم جولان ہوں، اس نے اس نتیجہ تک پہونچایا جس کو امام غزالی نے ناپسند کیا ہے، اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت اور ان کے متعلق مناظرہ

کرتا تھا، اس کے متعلق تعصب کرنے لگا، اور دوسرے کو جیسا کہ وہ خصم کے لئے ... کرتا تھا، اپنا دشمن سمجھنے لگا، عوام نے بھی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی اور تقریباً اتفاق ... ہوا کہ ایک اپنے مخالف مذہب کی تقلید کو اس قاعدے کے بموجب کہ تقلید میں مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے، امام کے مذہب کا نہیں، حرام قرار دے، لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قاعدہ کب ایجاد ہوا اور یہ معلوم ہے کہ شافعیہ کی بہت سی نمازیں ایک حنفی کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ایک شافعی اپنے جسم سے خون نکلنے کی وجہ سے وضو نہیں کرتا اس لئے کہ اس سے اس کے امام کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح ایک حنفی ایک اجنبی عورت کے چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، اور وہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہتا۔ حالانکہ وہ امام شافعی کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، جس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، اس سے اور اس قسم کے اور مسائل سے جب ایک مقتدی اپنے مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدا کرتا ہے تو اس کے دل میں شک پیدا ہوتا ہے، لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ایسا کیونکر کہتے ہیں، حالانکہ اجتہاد و اختلاف میں ائمہ نے بے تعصبی برتی ہے، اور یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ایک مجتہد کا اجتہاد جس نتیجہ تک پہونچائے اس کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کے دوسرے نتیجہ کی طرف متجاوز ہونا جائز نہیں، اس نظریہ کا اقتضا یہ ہے کہ میں ہر مجتہد کی نماز کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتداء میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے، مقتدی کے مذہب کا اعتبار نہیں، لیکن مذہبی تعصبات نے جماعتوں کے درمیان سختی کے ساتھ حد فاصل قائم کر دی اور بعض فقہائے اس ...

یہ اضافہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے پر یہ اتہام لگایا کہ بعض مسائل میں اگلے ائمہ نے صریح کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے، اور اس پر یہ قاعدہ بنایا کہ اگر قاضی ان کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا، لیکن یہ مسائل محل اجتہاد نہیں ہیں، بہرحال ہم اس موضوع کو طوالت دینا نہیں چاہتے اور ہم نے اسکا ذکر صرف اسلئے کیا ہے کہ وہ آثار تقلید میں سے ایک قدمی اثر ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم یہ دعویٰ کیوں کرتے ہو کہ تقلید کا اثر ہے، حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے، تقلید کو بالکل چھوڑ دیا تھا، اور اجتہاد مطلق کے مدعی تھے، باوجود اس کے ان سے زیادہ تیز زبان اور اپنے مخالفین کے متعلق ان سے زیادہ سخت گو ہم نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا، چنانچہ فقہ میں ان کی کتاب الاحکام لاصول الاحکام اور محلّی کو پیش نظر رکھکر تم اس کا اندازہ کرسکتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود دعویٰ اجتہاد کے تقلید کی حقیقت سے باہر نہیں رہے، کیونکہ وہ داؤد بن علی کے مذہب کے داعی تھے، اور ان کے مذہب کی تائید کرتے تھے، اور ان کے شہر کے علماء نے جو ان کی عداوت و مخاصمت کی اس نے ان کو اور تنگدل بنا دیا، اس بنا پر انھوں نے اپنے قلم کو مطلق العنان کر دیا اور ان پر سخت حملے کئے، ان کا خیال تھا کہ وہ اس طریقہ سے ان پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ انھوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنی رایوں کو تباہ و برباد کر دیا، یہاں تک کہ ان کی حیات و ممات دونوں میں ان کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا حالانکہ ان کی وسعت اطلاع اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس دور کے فقہاء

اس دور کے فقہاء اپنے ائمہ کے مذاہب کے مکمل کرنے والے خیال کئے جاتے

ہیں، کیونکہ ان ائمہ سے جو مختلف روایتیں مروی تھیں انھوں نے ان کے درمیان ترجیح دی، ان کے وجوہ و علل ظاہر کئے اور جن مسائل کے متعلق ان ائمہ کی تصریحات موجود نہ تھیں، ان علل پر قیاس کرکے ان کا فتویٰ دیا، اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مشاہیر کا تذکرہ کریں جنھوں نے کتابیں لکھیں اور انھوں نے جو کچھ لکھا وہ دور اخیر میں ان کے بعد والوں کے لئے بنیاد ہوگیا، اس سلسلے کی ابتدا ہم فقہائے حنفیہ سے کرتے ہیں، اور ہم نے ان میں سے بتیس(۳۲) فقیہ منتخب کئے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں،

(۱) ابوالحسن عبیداللہ بن الحسن الکرخی جو عراق میں حنفیہ کے سردار اور ان کے اکابر کے استاد تھے، مختصر اور امام محمد بن حسن کی جامع صغیر اور جامع کبیر کی شرح لکھی، ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی، وہ اس دور کے بہت بڑے فقیہ تھے، لوگوں نے ان کا شمار مجتہدین فی المسائل میں کیا ہے،

(۲) ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص کرخی کے شاگرد تھے، اور ان کے بعد سردار ہوئے، مختصر کرخی، مختصر طحاوی، جامع امام محمد کی شرح کی، ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے۔ اور ایک کتاب ادب القضاۃ ہے، انھوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی،

(۳) ابوجعفر محمد بن عبداللہ البلخی الہندوانی، وہ چھوٹے ابوحنیفہ کہے جاتے تھے اور بلخ کے ائمہ میں سے تھے، ۳۶۲ھ میں بخارا میں وفات پائی،

(۴) ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المشہور بامام الہدیٰ، ہندوانی کے شاگرد تھے، نوازل، العیون والفتاویٰ اور خزانۃ الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی، ۳۷۳ھ میں وفات پائی،

(۵) ابوعبداللہ یوسف بن محمد الجرجانی، کرخی کے شاگرد تھے، چھ(۶) جلدوں میں

خزانۃ الاکمل تالیف کی اور زیادات، جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرح لکھی، اور خزانۃ الاکمل تمام اصحاب کی تصنیفات کی جامع ہے، کافی حاکم سے ابتدا کی ہے، پھر جامع صغیر، جامع کبیر، پھر زیادات، پھر مجرد، منتقیٰ، مختصر کرخی، شرح طحاوی، اور عیون المسائل کو ترتیب جمع کیا ہے، انھوں نے ۳۹۰ھ میں وفات پائی

(۶) ابوالحسن احمد بن محمد القدوری البغدادی، وہ مختصر مشہور کے مصنف ہیں، اور مختصر کرخی کی شرح لکھی ہے، اور کتاب التجرید تصنیف کی ہے، جو غیر مدلل طور پر ان مسائل پر مشتمل ہے، جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہ ہیں، وہ مناظرہ میں حسن العبارۃ تھے اور شیخ ابوحامد اسفرائنی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے، انھوں نے ۴۲۸ھ میں وفات پائی،

(۷) ابوزید عبید اللہ بن عمر الدبوسی السمرقندی، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم خلاف کو ایجاد کیا، ان کی سب سے بڑی تصنیف اسرار ہے، اور نظم فی الفتاوی اور کتاب تقویم الادلہ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہیں، مناظرہ اور دلائل کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے، اور سمرقند اور بخارا میں انھوں نے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات کئے ہیں، انھوں نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی،

(۸) ابوعبداللہ الحسین بن علی الصیمری، وہ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے اور حسن العبارۃ اور جید النظر تھے، ۴۳۶ھ میں وفات پائی،

(۹) ابوبکر خواہر زادہ محمد بن الحسین البخاری، وہ عظمائے ماوراء النہر میں تھے، مختصر تجنیس، اور مبسوط تصنیف کی اور ۴۳۳ھ میں وفات پائی، خواہر زادہ کے معنی ہیں "عالم کا بھانجا" کیونکہ وہ قاضی ابوثابت محمد بن بخاری کے بھانجے تھے،

Marfat.com

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی البخاری مصنف مبسوط، وہ اپنے وقت میں اہل بخارا کے امام تھے ۴۴۸ھ میں وفات پائی،

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی، وہ حلوانی کے شاگرد تھے، اور مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے تھے، وہ امام، علامہ، حجت، متکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے، انھون نے اور جند کے قید خانے میں پندرہ جلدوں میں مبسوط کا املا کرایا کیونکہ انھوں نے خاقان کو ایک نصیحت کی تھی، اور اس جرم میں ایک کنوئیں میں قید کر دیئے گئے تھے، وہ اس کنوئیں میں بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے املار کراتے تھے، اور ان کے تلامذہ کنوئین کے اوپر بیٹھتے تھے، اصول فقہ میں ایک کتاب، شرح سیر کبیر، اور شرح مختصر طحاوی ان کی تصنیفات سے ہیں، اور ان کی مبسوط حاکم شہید کی کافی کی شرح ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے، انھون نے پانچوین صدی کے اخیر میں وفات پائی،

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی الدامغانی، عراق میں حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوگیا اور وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد ہیں، بغداد میں قاضی مقرر ہوئے اور ۳۹۸ھ میں دامغان میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی، ابوالطیب الشافعی ان کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بہت سے تلامذہ میں وہ امام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ عالم ہیں، وہ شیخ ابو اسحاق شیرازی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے،

(۱۳) علی بن محمد البزدوی، گیارہ جلدون میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر اور جامع صغیر کی شرح کی، وہ اصول کی ایک کتاب کے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے مولف ہیں اور فقہ میں غناء الفقہاء ان کی تصنیف ہے، وہ حدود ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی،

Marfat.com

(۱۴) شمس الائمہ ابکر بن محمد الزرنجری وہ بڑے امام اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے، ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم سیکھا، اور ۵۱۲ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار، وہ قاضی خاں کے استاد تھے، اور ان کے تمام آباء و اجداد اکابر فقہاء میں تھے، انھوں نے ۵۳۴ھ میں بخارا میں وفات پائی،

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی النصاب وہ ماوراء النہر میں حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہدین فی المسائل میں تھے، ان کی مؤلفات میں خزانۃ الواقعات ہے، انھوں نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی،

(۱۷) ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبد الرزاق الولوالجی، فتاوی ولوالجیہ ان ہی کا ہے، انھوں نے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی،

(۱۸) ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء، وہ کتاب البدائع کے مؤلف ہیں، جو ایک خوش ترتیب کتاب ہے، انھوں نے اپنے شیخ علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے، انھوں نے ۵۸۷ھ میں وفات پائی،

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خاں بہت بڑے امام تھے، مشہور متداول فتاوے، واقعات، امالی، اور محاضر کو تالیف کیا، اور زیادات، جامع صغیر، اور خصاف کے ادب القضاۃ وغیرہ کی شرح لکھی، اور ۵۹۲ھ میں وفات پائی، وہ طبقۂ مجتہدین فی المسائل میں شمار کئے جاتے ہیں، تصحیح قدوری میں قاسم بن قطلوبغا کا قول ہے کہ قاضی خان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے، کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں،

(۲) علی بن ابی بکر عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی صاحب الہدایہ، وہ امام فقیہ اور حافظ تھے، اور کتاب المنتقٰی، نشر المذہب، تجنیس، مناسک اور مختارات النوازل اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہیں، انھوں نے ۵۹۳ھ وفات پائی،

کبار فقہاے مالکیہ

(۱) محمد بن یحییٰ بن لبابۃ الاندلسی، اپنے معاصرین میں مذہب کے سب سے زیادہ حافظ عقد شروط کے عالم اور ان کے علل کے ماہر تھے، فتویٰ و فقہ میں ان کے اختیارات مذہب کے دائرے سے باہر ہیں، اور فقہ میں ان کی متعدد تصنیفات ہیں، مثلاً منتخبہ، اور کتاب الوثائق، ابن حازم فارسی کہتے ہیں، کہ " ان کی کتاب منتخبہ کے مثل ہمارے اصحاب کی کوئی تصنیف نہیں " ان کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے، انھوں نے ۳۳۶ھ میں وفات پائی،

(۲) بکر بن العلاء القشیری، وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے، پھر مصر میں چلے آئے، تلامذۂ قاضی اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں، مثلاً کتاب الاحکام جو اسمٰعیل بن اسحٰق کی کتاب کا اختصار ہے، اور اس پر اضافہ ہے، کتاب الرد المزنی، کتاب اصول الفقہ اور کتاب القیاس وغیرہ، انھوں نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی،

(۳) ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان العنسی، اپنے وقت میں مصر کے فقہاے مالکیہ کے سردار اور ان میں امام مالک کے مذہب کے سب سے زیادہ حافظ تھے، لیکن

ان کی کتابوں میں، امام مالک کے غرائب قول اور ان لوگوں کے اقوال شاذہ ہیں، جو امام مالک کے تلمذ میں مشہور نہیں ہیں، اور ان کے ثقات اصحاب نے ان کی روایت نہیں کی ہے، انھوں نے امام مالک کے مذہب کا استقرار کیا اور فقہ میں کتاب الزاہی الشعبانی تالیف کی، انھوں نے ۳۵۵ھ میں وفات پائی،

(۴) محمد بن حارث بن اسد الخشنی، انھوں نے قیروان میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر اندلس میں آئے، اور وہاں کے علماء سے سنا اور قرطبہ میں توطن اختیار کر لیا، وہ فقہ کے حافظ، اس میں متقدم، فتوی کے عالم، مسائل میں عمدہ قیاس کرنے والے تھے، اور امام مالک کے مذہب میں اختلاف و اتفاق کے متعلق ایک کتاب، اور ایک کتاب امام مالک کی اس رائے کے متعلق لکھی، جس میں اُن کے تلامذہ نے ان سے اختلاف کیا ہے، اور کتاب الفتیا وغیرہ لکھی، انھوں نے ۳۶۱ھ میں وفات پائی،

(۵) ابوبکر بن عبد اللہ المعیطی الاندلسی، وہ فقہ کے حافظ، اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے، اور ان ہی نے امیر المومنین حکم کے لئے ابو عمر الاشبیلی کے ساتھ کتاب الاستیعاب کی تکمیل کی، جس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی اسمٰعیل کے بعض تلامذہ نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تھا، اور اس کی تبویب کی تھی، اور اس کو خاصۃً امام مالک کے اس قول کا جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے اختلاف روایت میں شریک نہیں تھا، مجموعہ بنایا تھا، مؤلف نے اس کی پانچ جلدیں لکھ لی تھیں، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، لیکن جب حکم کو یہ کتاب ملی تو اس کو دیکھ کر اس نے بہت پسند کیا، اور اس کی تکمیل کرانی چاہی، چنانچہ اس کے لئے معیطی اور ابو عمر کو بلایا، اور ان دونوں نے متعدد جلدوں میں اس کی تکمیل کی، معیطی نے ۳۶۷ھ میں وفات پائی،

(۶) یوسف بن عمر بن عبد البر کو وہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے، کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی آثار تصنیف کی جس میں موطا کے طرز و ابواب کے موافق اس کی شرح کی، اور فقہ میں کتاب الکافی وغیرہ لکھی، جو ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہیں، انھوں نے سنہ ۴۶۳ھ میں وفات پائی،

(۷) ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید عبد الرحمن النفزی القیروانی، وہ اپنے وقت میں مالکیہ کے امام، ان کے پیشوا، امام مالکؒ کے مذہب کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے، اور لوگ اطراف ملک سے ان کے پاس سفر کرکے آتے تھے، ان کے تلامذہ نہایت برگزیدہ ہوئے، اور ان سے بہت سے لوگوں نے علم سیکھا، انہی نے مذہب کی تلخیص کی اور وہ مالک الصغیر یعنی چھوٹے مالک کے نام سے مشہور تھے، ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے نوادر، الزیادات علی المدونہ، مختصر المدونہ، تہذیب العتبیہ اور کتاب الرسالہ مشہور ہیں، ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں، انھوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی،

(۸) ابو سعید خلف بن ابی القاسم الازدی المعروف بالبرادعی، وہ ابو محمد بن ابی زید اور قابسی کے اکابر تلامذہ اور حفاظ مذہب میں ہیں، اور اس میں ان کی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب فی اختصار المدونہ ہے، اس میں انھوں نے ختصار ابو محمد کے طریقہ کی پیروی کی ہے، لیکن انھوں نے اس کو مدونہ کے طرز پر چلایا ہے، اور ابو محمد نے جو اضافہ کیا تھا، اس کو حذف کر دیا ہے، مغرب اور اندلس میں اسی کتاب پر لوگوں کا اعتماد تھا، ان کی تصنیفات میں کتاب التمہید لمسائل المدونہ بھی ہے جو اختصار

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت — جب تم میں کسی کی موت آنے لگے اگر وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو

ان ترك خيرا الوصية — تو اس پر وصیت فرض کی گئی ہے۔

كتب عليكم الصيام — تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم — رہبانیت کو ان لوگوں نے خود ایجاد کیا ہے ہم نے ان کو

كتاب الله عليكم — اس پر فرض نہیں کیا ہے۔ یہ خدا کی فرض کردہ چیز ہے،

ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا — نماز مسلمانوں پر ایک موقت فرض ہے،

(۳) کبھی یہ بتا دیتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگوں پر یا کسی خاص گروہ پر ہے مثلاً

ولله على الناس حج البيت من استطاع — خدا کے لئے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے یعنی ان لوگوں

اليه سبيلا — پر جو اس کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن — اور جس شخص کا بچہ ہے اس پر ان عورتوں کا

بالمعروف — کھانا کپڑا فرض ہے،

وعلى الوارث مثل ذلك — اور وارث پر بھی ایسا ہی ہے،

وللمطلقات متاع بالمعروف — اور جن کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ دستور کے موافق

حقا على المتقين، — سلوک کرنا مناسب ہے پرہیزگاروں پر یہ ایک طرح کا حق ہے

(۴) کبھی وہ فعل مطلوب کی ذمہ داری اُن لوگوں پر ڈال دیتا ہے جن سے اس فعل کا مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء — مطلقہ عورتیں تین حیض کے آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں

والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا — جو لوگ تم میں مر جائیں اور بیویوں کو چھوڑ جائیں تو بیویاں

يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا — اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں،

Marfat.com

ابی محمد اور ان کی زیادات کے طرز پر ہے، کتاب اختصار الواضحہ بھی ان کی تصنیف ہے،

(۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ الابہری، امام مالک کے مذہب کی شرح، ان کے موافق استدلال کرنے اور ان کے مخالف کی تردید میں ان کی تصنیفات ہیں، وہ اپنے وقت میں اپنے تلامذہ کے امام فقہ، ثبت اور مشہور تھے، بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور ابن عبد الحکم کی مختصر کبیر اور صغیر کی شرح لکھی، وہ اپنے وقت میں عراق میں امام مالک کی رائے کے محافظ تھے، ساٹھ سال تک جامع منصور میں درس و فتویٰ دیتے رہے، عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد تلامذۂ مالک میں کوئی شخص ابہری سا برگزیدہ نہیں ہوا، اسی طرح اطراف ملک میں ان دونوں کے طبقے میں سحنون کے سوا مذہب میں ان دونوں کا کوئی ہمسر نہ تھا، بلکہ ان کے تلامذہ اور تمام لوگوں سے زیادہ تھے، ان کے پیرو اور لوگوں سے زیادہ افضل تھے، اور ان کے طلبہ اور لوگوں سے زیادہ برگزیدہ تھے، مذکورہ کتابوں کے علاوہ ابہری کی تصنیفات میں الرد علی المزنی، کتاب الاصول اور کتاب جامع اہل مذہب وغیرہ ہیں، ان کی موت کے بعد عراق میں امام مالک کا مذہب ضعیف ہوگیا، انھوں نے ۳۹۵ھ میں بغداد میں وفات پائی،

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زمنین البیری، وہ کبار فقہاء اور محدثین میں تھے، مغرب فی المدونہ تصنیف کی اور اس کے اشکال اور اس کے نکات میں جو نفقہ تھا، اس کی شرح کی، اس کے ساتھ اس کے الفاظ کا قصد کیا، اور اس کی روایت کو ضبط کیا، مدونہ کے مختصرات میں اس کا مثل نہیں ہے، کتاب المنتخب فی الاحکام اور کتاب المہذب وغیرہ لکھی، ۳۹۹ھ میں وفات پائی،

(۱۱) ابو الحسن علی محمد بن خلف المعافری المعروف بابن القابسی، وہ وسیع الروایہ

Marfat.com

علم حدیث، اس کے علل اور رجال کے عالم، فقیہ اور اصولی تھے، مفید کتابیں تصنیف کیں، مثلاً کتاب المہد فی الفقہ، احکام الدیانہ اور کتاب الملخص الموطا، سنہ ۴۰۳ھ میں وفات پائی،

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصر البغدادی المالکی، بہت اچھے مناظر اور جید العبارۃ تھے، ابہری کے کبار تلامذہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بغداد سے ناراض ہوکر مصر میں آئے، اور اس نے ان کا خیر مقدم کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، مثلاً کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ، والمعونۃ لمذہب عالم المدینۃ کتاب الادلہ فی مسائل الخلاف اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ وغیرہ کی شرح کی، انھوں نے سنہ ۴۲۲ھ میں وفات پائی،

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضرمی المعروف باللبیدی، وہ مشاہیر علمائے افریقہ سے تھے، ابن ابی زید اور ابوالحسن القابسی سے فقہ کی تعلیم پائی، ایک بہت بڑی کتاب مذہب میں جو بڑی بڑی دوسو جلدوں سے زیادہ مدونہ کے مسائل اور اس کے بسط میں تھی اور زیادات الامہات اور نوادر الروایات اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں لکھی جس کا نام ملخص رکھا، انھوں نے سنہ ۴۴۰ھ میں وفات پائی،

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس الصقلی، وہ فقیہ، امام اور فرائض داں تھے ہمیشہ جہاد میں مصروف رہتے تھے، اور شجاعت کے ساتھ متصف تھے، ایک کتاب فرائض میں تالیف کی اور ایک کتاب جو مدونہ کی جامع تھی، اس میں اس کے علاوہ اور امہات کا اضافہ کیا، انھوں نے سنہ ۴۵۱ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی، اندلس میں علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا،

اور وہاں بہت سا علم حاصل کیا، اس کے بعد اپنے ملک میں واپس آئے اور وہ ابن حزم کے معاصر تھے، اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہیں، ان کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی میں ابو الولید الباجی کا مثل کوئی نہ تھا، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، مثلاً کتاب الاستیفا فی شرح الموطا اور موطا ہی کی شرح میں کتاب المنتقیٰ جو استیفا کا اختصار تھی، اور کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب مسائل الخلاف، کتاب المہذب فی اختصار المدونہ، کتاب شرح المدونہ، کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ، انھوں نے ۴۹۴ھ میں وفات پائی،

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد الربعی المعروف باللخمی قیروانی، وہ صفاقس میں آئے، وہ فقیہ اور فاضل تھے، انھوں نے مدونہ پر ایک بڑی تعلیق لکھی ہے، جو مفید اور عمدہ ہے لیکن انھوں نے اس میں اختیار و تخریج کی ہے، اس لیے ان کے اختیارات مذہب سے نکل گئے ہیں، انھوں نے ۴۹۸ھ میں وفات پائی،

(۱۷) ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی، اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہاء کے سردار تھے اور صحت نظر، جودت تالیف اور دقت فقہ میں ان کا اعتراف کیا جاتا تھا، ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی، کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجہ من التوجیہ و التعلیل، کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونہ لکھی، اور یحییٰ بن اسحٰق کی تالیف میں سے ان کی مبسوط کتابوں اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کا جس کی یحییٰ نے تہذیب کی ہے، اختصار کیا، انھوں نے ۵۲۰ھ میں وفات پائی،

(۱۸) ابو عبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری الصقلی، اہل افریقہ اور اس کے

علاوہ مغرب کے امام تھے، اور شیوخِ افریقیہ میں وہ سب سے آخری شخص تھے، جو تحقیق فقہ میں مشغول تھے، اور اجتہاد اور دقتِ نظر رکھتے تھے۔ فقہ اور اصول میں کتابیں لکھیں، اور مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب الثقلین کی شرح کی اور مالکیوں میں اس کے مثل کسی کی کتاب نہیں، امام الحرمین کی برہان کی شرح لکھی، اور محصول من برہان الاصول اس کا نام رکھا، انھوں نے ۵۳۶ھ میں وفات پائی،

(۱۹) ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشبیلی اپنے شہر میں ادب حاصل کیا، پھر بلادِ مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے جن میں ایک امام غزالی بھی تھے، ملاقات کی اور بہت سا فائدہ حاصل کیا، اور مسائلِ خلاف واصول وکلام میں مہارت پیدا کی، پھر بہت سا علم حاصل کرکے اندلس میں واپس آئے، اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن، کتاب المسالک فی شرح الموطا امام مالک اور کتاب المحصول فی اصول الفقہ ہے، انھوں نے ۵۴۳ھ میں وفات پائی،

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتی، اپنے وقت میں حدیث وتفسیر کے امام، فقیہ، اصول واحکام کے واقف شروط کے عاقد اور امام مالک کے مذہب کے حافظ تھے، اور ابن رشد ان کے شیوخ میں ہیں، انھوں نے مفید کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں اکمال العلم فی شرح صحیح مسلم، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطا، والبخاری ومسلم اور کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالکؒ وغیرہ ہیں، انھوں نے ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی العوفی، وہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اولاد سے ہیں، ہر حد

Marfat.com

اسکندریہ میں ان کا خاندان بہت بڑا اور علم میں مشہور ہے، وہ شرح التہذیب المعروف بالعونیہ کے مؤلف ہیں، جو ۳۰ جلدوں میں ہے، دیباج کا مولف اسکی ایک جلد سے واقف ہوا، جو اس سے نقل کی گئی تھی، کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی بڑی پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے، صرف سجود و تلاوت کی بحث میں شمار کیا گیا تو اس کے ساڑھے پانچ کراسیں ، ۲۷ سطروں کی سطر میں نکلیں (۰، ۲۹ سطریں)، انھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی ۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد الشہیر بالحفید ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی، اندلس میں علم، کمال و فضل کے لحاظ سے کوئی ان کا مثل نہیں پیدا ہوا، ان کی بہترین تصنیفات میں کتاب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد فقہ میں ہے، جس میں انھوں نے اختلاف کے اسباب و علل بیان کیے ہیں اور نہایت مفید باتیں لکھی ہیں، اسلیے ان کے وقت میں اس کتاب سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ خوش ترتیب کوئی کتاب معلوم نہیں ہوتی، انھوں نے اصول میں مستصفیٰ کا خلاصہ کیا، ۵۹۵ھ میں وفات پائی ۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدی، انھوں نے امام غزالی کی وجیز کی ترتیب پر امام مالکؒ کے مذہب میں ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انھوں نے الجواہر الثمینہ فی مذہب عالم المدینہ رکھا، اس کی خوبی اور کثرتِ فوائد کی بنا پر مصر میں تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے، انھوں نے ۶۱۰ھ میں وفات پائی ۔

اس دور میں جو اکابر شافعیہ امام شافعی کے مذہب میں تالیف اس کی اشاعت اور اس کی کتابوں کی اصلاح کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ان میں اکثر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں ۔

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المروزی، اپنے زمانہ میں فتویٰ و تدریس کے

Marfat.com

امام تھے، ابن سریج نے فقہ سیکھی اور اس میں ماہر ہوئے، اور ابن سریج کے بعد عراق میں ان کو ریاست ملی، انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، اور مزنی کی شرح لکھی، اور بغداد میں ایک زمانے تک درس وفتویٰ دیتے رہے، اور ان کے تلامذہ میں بہت سے لوگ برگزیدہ ہوئے، اس کے بعد اخیر عمر میں انھوں نے مصر کا سفر کیا، اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی، اور امام شافعی کے قبر کے قریب مدفون ہوئے،

(۲) ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمی، وہ علمی خاندان سے ہیں، ابوبکر الصیرفی ابو اسحٰق اور ان دونوں کے طبقہ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور فقہ شافعیہ میں وہ کتاب الہادی والعمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں، اور ماوردی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں ان سے پڑھی ہیں، اصول میں ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہدایہ ہے، انھوں نے کچھ اوپر ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوبکر احمد بن اسحٰق الضبعی النیشاپوری، فقہ میں انتہائی درجہ کو پہنچے اور کتاب الاحکام تصنیف کی، انھوں نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی الحسین بن الحسین المعروف بابن ابی ہریرہ، وہ شیوخ و ائمۂ شافعیہ میں سے ایک ہیں، ابن سریج سے فقہ سیکھی اور مختصر کی شرح لکھی، انھوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) قاضی السائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ، وہ علمائے ائمہ میں سے ایک ہیں، اور شافعیہ میں پہلے شخص ہیں جو بغداد میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، انھوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی،

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر المروزی، وہ ابو اسحٰق کے تلامذہ میں ہیں، انھوں

نے کتاب الجامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر حاوی ہے، اور اُس میں نصوص و وجوہ مذکور ہیں، اور اصحاب شافعی کے نزدیک بہترین کتاب ہے، اُنھوں نے مختصر مزنی کی شرح لکھی اور ۳۶۲ھ میں وفات پائی،

(۷) محمد بن اسمٰعیل المعروف بالقفال الکبیر الشاشی، وہ ماوراء النہر کے فقہاے شافعیہ میں بہت بڑے فقیہ ہیں، اصول فقہ میں اُن کی ایک کتاب ہے، اور اُنھوں نے رسالہ کی شرح لکھی ہے، اور ماوراء النہر میں انہی کے ذریعہ سے فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی، اُنھوں نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی،

(۸) ابوسہل محمد بن سلیمان الصعلوکی، اُنھوں نے ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد نیشاپور واپس آکر قیام کیا، اور درس و فتویٰ دیتے رہے، اُنھوں نے ۳۶۹ھ میں وفات پائی،

(۹) ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی، نیشاپور میں درس دیا، اور ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور عامۂ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا، اُنھوں نے ۳۷۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابو القاسم عبد الواحد بن الحسین الصیمری، وہ مذہب کے حافظ اور بہترین مصنفین تھے، ان کے حلقۂ درس سے ایک جماعت نکلی، جس میں ایک ماوردی تھے، اُن کی تصنیفات الافصاح فی المذہب ہے، اور کتاب الکفایہ انہی کی کتاب القیاس والعلل اور ایک چھوٹی سی کتاب ادب المفتی والمستفتی ہے، اور ایک کتاب فی الشروط ہے، اُنھوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی،

(۱۱) ابو علی الحسین بن شعیب السنجی، وہ خراسان کے عالم ہیں، اور پہلے شخص ہیں

Marfat.com

جس نے عراق و خراسان کے دونوں طریقوں کو جمع کیا، وہ اور قاضی حسین قفال کے برگزیدہ تلامذہ میں ہیں، انھوں نے شرح مختصر لکھی، اور امام الحرمین اسی کو المذہب الکبیر ہیں، انھوں نے تلخیص ابن القاص اور فروع ابن الحداد کی شرح بھی کی، انھوں نے ۴۰۳ھ میں وفات پائی،

(۱۲) ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائنی، وہ طریقۂ عراق کے شیخ، مذہب کے امام، اور حافظ تھے، دارکی سے فقہ کی تعلیم پائی، یہانتک کہ ایک امام ہوگئے، اور بغداد میں دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی، شرح مزنی کے متعلق، اُن سے یادداشتیں لکھی گئیں، اُن کے زمانہ میں اصحاب ابی حنیفہؒ کے امام ابو عبداللہ الصیمری ان کے معاصر تھے، اور ان کے متعلق قدوری کا قول تھا کہ وہ امام شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور مناظر تھے، انھوں نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی،

(۱۳) ابو الحسن احمد بن محمد ضبی المعروف بابن المحاملی، وہ شیخ ابی حامد کے کبار تلامذہ میں ہیں، مجموع، مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کیں، اور شیخ ابو حامد سے ان کی ایک یادداشت ہے، جو ان کی طرف منسوب ہے، انھوں نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی،

(۱۴) عبداللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیر، وہ کبار فقہائے خراسان میں ہیں، مذہب شافعی کے متعلق ان کا مہذب طریقہ جس کو ان کے تلامذہ نے ان سے سیکھا، نہایت مضبوط، نہایت واضح التہذیب اور نہایت کثیر التحقیق ہے، اور وہ خراسان میں ویسے ہی ہیں، جیسے ابو حامد اسفرائنی عراق میں تھے، انھوں نے ۴۱۷ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی، وہ ائمۂ شافعیہ میں بہت بڑے امام ہیں اصول فقہ میں ایک داشت تصنیف کی، انھوں نے ۴۱۸ھ میں نیشاپور میں

وفات پائی۔

(۱۶) ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری، وہ بہت بڑے امام ہیں، بغداد میں ان تک ریاست علمیہ پہونچی، اور اہل عراق نے ان سے علم حاصل کیا، مزنی کی شرح لکھی، اور خلاف مذاہب اور جدل میں بہت سی کتابیں لکھیں، جن کا مثل کسی کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا، قاضی صیمری کے بعد ربع الکرخ کے قاضی مقرر ہوئے اور ابو الحسن الطالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں، انھوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، وہ فقہ میں حاوی اور اقناع کے اور احکام السلطانیہ وغیرہ کے مصنف ہیں، بصرہ میں صیمری سے فقہ کی تعلیم پائی، اسکے بعد شیخ ابو حامد الاسفرائنی کی طرف سفر کیا، اور دونوں شہروں میں درس دیا، انھوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابو عاصم محمد بن احمد الہروی العبادی، وہ زیادات، مبسوط، ہادی اور ادب القضاۃ کے مصنف اور مشکل عبارت اور پیچیدہ کلام لکھنے میں مشہور ہیں، انھوں نے اس میں اپنے استاد ابو اسحٰق کے طرز کی تقلید کی ہے، انھوں نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی،

(۱۹) ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد الفورانی المروزی، وہ ابانہ اور عمدہ وغیرہ کتابوں کے مصنف اور ابوبکر قفال کے کبار تلامذہ میں ہیں، اور وہ اہل مرو کے شیخ ہیں، انھوں نے ۴۶۱ھ میں وفات پائی،

(۲۰) ابو عبد اللہ القاضی الحسین المروزی، انھوں نے قفال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور وہ امام الحرمین کے استاد ہیں، انھوں نے ۴۶۲ھ میں وفات پائی،

(۲۱) ابو اسحاق ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازی، وہ فقہ میں تنبیہ و مہذب کے

اور خلاف میں نکت کے اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور ملخص اور معونہ کے مصنف ہیں، اور فصاحت و مناظرہ میں وہ ضرب المثل تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ فقہ کے اصول و تفریع میں وہ ابن سریج کے قائم مقام اور طلبہ کی کثرت میں ان کے مشابہ تھے، ابو عبد اللہ الدامغانی الحنفی کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں، انھوں نے ۴۷۶ھ میں وفات پائی،

(۲۲) ابو النصر عبد السید بن محمد المعروف با بن الصباغ، وہ شامل، کامل، عدۃ العالم والطریق السالم اور کفایۃ السائل والفتاوی کے مصنف ہیں، بغداد میں ان کو شافعیہ کی ریاست ملی، اور وہ ابو اسحٰق شیرازی کے مشابہ تھے، اور وہ پہلے شخص ہیں جس نے نظامیۂ بغداد میں درس دیا، انھوں نے ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو سعد عبد الرحمٰن بن مامون المتولی صاحب التتمہ جس کو انھوں نے اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا، اور اس میں حدود تک پہنچے، فرائض میں انکی ایک مختصر کتاب ہے، اور ایک کتاب خلاف میں ہے، انھوں نے شیخ ابو اسحٰق کے بعد نظامیہ میں درس دیا، ۴۷۸ھ میں وفات پائی،

(۲۴) ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المعروف با مام الحرمین، اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور فقہ، اصول اور کلام میں نیشا پور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے، مکہ میں چار سال تک مجاورت کی اور وہیں سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا، جب وہ نیشا پور واپس آئے تو نظام الملک نے ان کے لیے مدرسہ نظامیہ قائم کیا، ان کی تصنیفات میں فقہ میں ایک کتاب نہایہ ہے کہ مذہب میں اس کے مثل جیسا کہ سبکی کا بیان ہو کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، اور اصول فقہ میں ایک کتاب برہان اور ترجیح مذہب

Marfat.com

اس طرز بیان کے بعد کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے مطالبۂ فعل کی تاکید ہوتی ہے اور کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل فرض نہیں ہے، مثلاً

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ	اور جو شخص (طلاق دینے کے بعد) اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں،

(۵) کبھی وہ صیغۂ طلب یعنی صیغہ امر اور مضارع مقرون باللام کے ساتھ افعال کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً

حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین،	نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص بیچ کی نماز کی اور خدا کے لئے نمازوں میں عجز و انکسار کیا کرو (کھڑے ہو)
ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق،	پھر چاہیئے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں اپنی نذروں کو پورا کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں،

(۶) کبھی وہ اس کی تعبیر فرض کے لفظ سے کرتا ہے، مثلاً

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم	ہم نے جو کچھ ان کی بی بیوں اور لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے، اسکو ہم نے جان لیا،

(۷) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزا کے طور پر کرتا ہے، لیکن یہ طرز بیان عام نہیں ہے، مثلاً

فان احصرتم فما استیسر من الھدی	تو اگر تم (حج سے) روک دیئے جاؤ تو جو قربانی آسان ہو اس کو روانہ کر دو،
فمن کان منکم مریضا او بہ اذی	تو جو لوگ تم میں سے بیمار ہوں یا ان کے سر میں کوئی

Marfat.com

شافعی میں ایک کتاب مغیث الخلق ہے، ان کے معاصر ابو اسحٰق شیرازی نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، انھوں نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی،

(۲۵) ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی صاحب البحر، وہ ائمہ مذہب میں سے ایک امام ہیں، اور حفظ میں ضرب المثل ہیں، نظام الملک ان کی عظمت کرتا تھا، اور ان کو طبرستان اور اس کے دیہاتوں میں سے رویان کا قاضی مقرر کیا، وہ ۵۰۲ھ میں مقتول ہوئے، ان کی کتاب بحر سے ماوردی کی کتاب حاوی مراد ہے، جس کے ساتھ انھوں نے چند فروع جن کو اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا ہے، شامل کیا،

(۲۶) الحجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور کوشش کر کے مذہب، خلاف، جدل، اصول فقہ، کلام اور منطق میں مہارت حاصل کی، اور حکمت اور فلسفہ پڑھا، امام الحرمین "بحر زخار" کے لفظوں کے ساتھ ان کی تعریف کرتے تھے، امام الحرمین کی وفات کے بعد وہ بغداد گئے، اور نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے، وہیں مذہب میں بسیط، وسیط، وجیز اور خلاصہ اور اصول فقہ میں مستصفیٰ، منخول، ہدایۃ الہدایہ، خلافیات میں ماخذ اور شفاء العلیل فی بیان مسائل التعلیل وغیرہ کتابیں مختلف علوم میں تصنیف کیں، انھوں نے ۵۰۵ھ میں طوس میں وفات پائی، اور غزالی کے بعد کوئی شخص ان کا مثل نہیں پیدا ہوا،

(۲۷) ابو اسحٰق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقی الفقیہ المصری، وہ مہذب کے شارح اور مصر کی جامع عتیق کے امام اور خطیب تھے، طلب علم میں عراق کا سفر کیا، پھر مصر آئے اور اسی وجہ سے عراقی مشہور ہوئے، وہ قاہرہ میں معزز تھے اور وہاں کے فقہا نے ان سے علم حاصل کیا، انھوں نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی،

(۲۸) ابو سعید عبد اللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ، المعروف بابن ابی عصرون التیمی الموصلی، وہ دمشق میں آکر مقیم ہوئے، اور وہاں کے قاضی القضاۃ تھے، پہلے موصل میں، پھر بغداد میں فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق میں آئے، اور ۵۷۳ھ میں وہاں کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں، اور ان کی تصنیفات سے سات جلدوں میں صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب، کتاب الانتصار، مرشد الذریعہ فی معرفۃ الشریعہ، اور علم خلاف میں تیسیر ہے، اور ان کی ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے، جس کی تکمیل انھوں نے نہیں کی، ان کے علاوہ، اور کتابیں ہیں،

(۲۹) ابو القاسم عبد الکریم بن محمد القزوینی الرافعی وہ وجیز کی شرح کبیر الموسوم بالعزیز فی شرح الوجیز کے مصنف ہیں، اور بعض لوگ اس کا نام فتح العزیز بتاتے ہیں، وہ محرر کے مصنف اور مسند شافعی کے شارح ہیں، ان کے علاوہ ان کی اور کتابیں ہیں، ان کے شرف کے لئے ان کی کتاب فتح العزیز کافی ہے، کیونکہ وہ ان کتابوں میں ہے، جن کا مثل نہیں، رافعی اپنے زمانے میں فرد اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے، اور درجۂ اجتہاد تک پہونچ گئے تھے، انھوں نے ۶۲۳ھ میں وفات پائی،

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی ۶۳۱ھ میں بمقام نوی پیدا ہوئے، اور آخر المحققین اور اصحاب شافعی میں ان لوگوں میں ہیں جن کو درجۂ ترجیح حاصل تھا، انھوں نے کتاب الروضہ تصنیف کی جو شرح کبیر رافعی کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب المسمی بالمنہاج کا اختصار کیا،

چھٹا دور

فتح بغداد سے جو ہلاکو خاں کے ہاتھوں ہوئی ابتک یہ دور تقلید محض کا ہے

سیاسی صورت حال

ترکی یا تورانی قوم کو جو ایک بہت بڑی قوم ہے اور مختلف قبائل سے مرکب ہے جب بلاد اسلامیہ میں جہانگری کے اسباب میسر ہوئے تو اس نے اس کے اصلی ممالک کے علاوہ اس کے بہترین مقام پر قبضہ کر لیا، اور اپنے راستے میں اس نے کوئی ایسی قوت نہیں پائی جو اسکو اسکی پامالی سے روک دیتی، یہاں تک کہ وہ بلاد شام تک پہنچ گئے، اور یہاں نہر جالوت پر مصریوں نے ان کا مقابلہ کیا جن کی سپہ سالاری مظفر قطز ممالیک بحریہ کا تیسرا بادشاہ کرتا تھا، اور ان کو سخت شکست دی جس کی وجہ سے مصر اور شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہ گیا لیکن باوجود ان کی کامل فتح اور اکثر بلاد اسلامیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے اسلامی قوت نے ان کی گردن جھکادی اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے میں تو ان کی قسم شمالی جو نہر تل پر مقام سرائے میں تھی اور قسم غربی جو بغداد اور ایرانی ممالک میں رہتی تھی، دونوں برابر تھی لیکن قسم شمالی نے ایک صدی پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا، مصر و شام پر جس قوم کا قبضہ تھا وہ بھی ترکی قوم تھی، اور یہی لوگ ممالیک کے نام سے مشہور ہیں اسیطرح

Marfat.com

مغربی ممالک کے علاوہ جن میں بربرۂ مغرب کی سلطنت قائم تھی، تمام ممالکِ اسلامیہ میں ترکوں کا اقتدار قائم ہوگیا اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں ترکی ایشیا میں ایک بلند ہمت اور بہادر آدمی یعنی عثمان کجی جو ایک ترکی قبیلہ کا سردار تھا، نمایان ہوا اور اس نے اپنی قوم کے لیے بقایائے آل سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطی مین رہتے تھے، ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور وہ اور اس کے بعد اس کی اولاد ان چھوٹے چھوٹے ملکون پر جو ان کے متصل تھے، قبضہ کرتی رہی، یہان تک کہ ان کی ایک بڑی سلطنت قائم ہو گئی، اس کے بعد انھون نے یورپ پر حملہ کیا، اور اس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گئے، نوین صدی کے نصف حصے میں ان کے ہاتھون شہر قسطنطنیہ فتح ہوا جو بعد کو ان کا دارالسلطنت ہو گیا، اس کے بعد انھون نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں پر حملہ کیا جنمین سب سے بڑی سلطنت مصری سلطنت تھی، جو خلافتِ اسلامیہ عباسیہ کا مرکز تھی اور اس پر غلبہ حاصل کرکے آخری خلیفۂ عباسی کو وہان سے ہٹا دیا، اور اسکے بعد وہ بادشاہ خلفاء کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس طور پر خلافت قاہرہ سے منتقل ہوکر قسطنطنیہ میں آگئی، اور مصر ایک عثمانیہ ملک ہوکر دفعۃً سیاسی اور علمی حیثیت سے اپنے مقام بلند سے گر گیا، لیکن دولت عثمانیہ آگے بڑھی، اور قوت نے اس کو مدد دی، یہانتک کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اس کے زیر اقتدار آگئے، اور اس کی عظمت کے سبب بڑے وقت میں بلاد اندلس میں اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی تک علم و ادب کے ساتھ روشن رہ چکا تھا، بجھ گیا، اور تیرہوی صدی کے آغاز میں تقدیر الٰہی نے مصر میں ایک نہایت بلند رتبہ اور صحیح الرائے شخص یعنی محمد علی کو پیدا کیا، مصر نے اسکو اپنا امیر اور اپنی کشتی کا ناخدا انتخاب کیا، اور اسی وقت سے مصر نے اپنی قوت اور اپنے درجہ کو واپس لینا شروع کیا، اسی زمانہ میں یورپ اسلام کے اقتدار سے لڑنے کیلئے کھڑا ہوا اور علم نے اسکے اکثر ادوار کو پیدا کیا، تاکہ

یہ تنزاع قائم ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ اس کا انجام کس کے حق میں مفید ہوگا،

اس دور میں اجتہاد

اس دور میں لکھنے کے لئے مجھے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی، کیونکہ اس میں اجتہاد کی ہوائیں رک گئیں، اور اس میں ایسی مزتین موجود نہیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور بولنے والے سے بلوائیں، پہلے دور میں جب کہ خداوند تعالیٰ اپنے شرائع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی کرتا تھا، اور خداوند تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا تھا، آپ اس کی تبلیغ کرتے تھے، اور لوگوں کے لئے اس کو بیان فرماتے تھے، اور دوسرے اور تیسرے دور میں جب کہ صحابہؓ اور تابعین خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بتاتے تھے، اور چوتھے دور میں جب کہ کبار ائمہ اور بڑے بڑے فقہاء پیدا ہو کر اس پھل کو توڑنے، اور مفصل طور پر احکام شریعت کو جمع کرنے لگے، اور پانچویں دور میں جب کہ ترتیب و تہذیب اور اختیار و ترجیح کا دور تھا، گفتگو کی وسیع گنجائش تھی، لیکن اس اخیر دور میں جس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں، ایک کہنے والا کیا کہہ سکتا ہے، لیکن چونکہ یہ دور ہم سے ملا ہوا ہے، اور ہمکو اپنے اسلاف صالحین کی اقتداء کے لئے اٹھنے کی ضرورت ہے، اس لئے ہم اس دور کے عیوب کو واضح کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ عیوب جب ظاہر ہو جاتے ہیں، تو جو لوگ صاحب فکر اور صاحب مقدرت ہیں ان کے لئے اس کی تدبیر کے لئے آمادہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے،

(۱) اس دور کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے، کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہوگئی چنانچہ چند علما کے علاوہ ہم کو کوئی عالم ایسا نظر نہیں آتا جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچا ہو اور وہ بھی اس دور کے نصف اول میں، اور یہ وہ زمانہ

Marfat.com

ہے، جب کہ قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہے، اور سلطنت عباسیہ اور خلافت عباسیہ کا مرکز ہوا
اس زمانے میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوئے جو درجۂ اجتہاد تک پہنچے تاہم وہ مشہور ائمہ
کے انتساب کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، لیکن اس دور کے نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی
ابتدار سے شروع ہوا حالت بدل گئی اور نشان راہ میں تغیر واقع ہوا، اور یہ اعلان کر دیا
گیا کہ کسی فقیہ کے لئے اختیار و ترجیح جائز نہیں، اس کا زمانہ گذر گیا، اور قدما کی کتابوں
اور لوگوں کے درمیان دیوار حائل ہو گئی، اور ان کو صرف ان کتابوں پر قناعت کرنی
چاہئے جو ان کے سامنے ہیں، اور عنقریب ہم ان کتابوں کا حال لکھیں گے،

جب ہم اس حالت کی طرف واپس آتے ہیں، جو سلطنت مصر کے مفتوح اور خلافت
کے منتقل ہونے سے پہلے اس کی تھی، تو ہم کو عز بن عبد السلام، ابن الحاجب، ابن دقیق
العید، ابن الرفعہ، ابن تیمیہ، سبکی، ابن سبکی، ابن القیم، بلقینی، اسنوی، کمال
ابن الہمام، جلال الدین المحلی، اور جلال الدین سیوطی کے نام ملتے ہیں اور یہ لوگ
مذاہب اربعہ کے بہترین لوگوں میں تھے، اس کے بعد ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو کسی بڑے
عالم، بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سنتے، بلکہ ایک ایسی قوم کو پاتے ہیں
جس پر قناعت فی الفقہ کا غلبہ ہو گیا ہے، چنانچہ تم کو ایسے کم لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب
کے علاوہ دوسرے مذہب میں مشغول ہوں، اور جب اپنے مذہب میں بھی مشغول ہوتے
ہیں تو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرتے ہیں، جن میں اس قدر اختصار ہے کہ گویا وہ
سمجھنے کے لئے نہیں لکھی گئیں، غالباً سیاسی زوال نے علم بالخصوص مذہبی علم کو ایک نہایت
گہرے غار میں گرا دیا، اور مصر نے جب اپنے شرف کو دوبارہ واپس لینا شروع کیا تو
اس کو ایسے مواقع پیش آئے جن کو ہم بیان کرتے ہیں،

Marfat.com

(۲) اسلامی شہروں کے علماء کے تعلقات کا منقطع ہوتا،

گذشتہ دور کے فقہا میں کوئی فقیہ، فقیہ کا لقب اور کامل احترام صرف اس وقت حاصل کرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کرکے اور شہروں کے علماء سے کسب علم کرتا تھا، چنانچہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے اپنے شہر میں قیام کیا، اور پھر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا گیا، کبار ائمہ اور محدثین کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم سب کو مشغول سفر پاؤگے، ابھی ایک شہر میں اترے تھے کہ حدیث وفقہ کے حاصل کرنے کے لئے دوسرے شہر کو روانہ ہوگئے، زمانہ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکہ میں ہوتا تھا، اور ہر ایک کے پاس علم، حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا، اور باوجود مشکلات سفر کے یہ ان کے احباب میں اضافہ، اور ان کے دوستانہ تعلقات کو قوی کرتا تھا لیکن اس دور بالخصوص اس کے آخری حصے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہوگئے، اور یہ حالت ہوگئی کہ ایک مصری عالم تقریباً ایک ہندوستانی عالم کا نام نہیں سنتا تھا، اور ایک ہندوستانی عالم ایک مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا، علی ہذا القیاس، البتہ ان میں کسی کی کتاب پہنچ جاتی تھی، تو اس موقع پر اس کا نام سنا جاتا تھا، اور بعض اوقات اس کی کتاب مشہور ہو جاتی تھی، سب سے زیادہ دردانگیز بات یہ ہے کہ تم کو زمانہ حج میں مختلف ملکوں کے بعض علماء ملیں گے لیکن ان میں کوئی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے سے تعارف یا اس سے کوئی روایت کرے اور اس نے علوم اسلامیہ شرعیہ بلکہ اس کے علاوہ قدما کے اور علوم کو جن کا دارومدار روایت اور اخذ پر ہے ضعیف کر دیا، صرف یہی کافی نہیں کہ کس عالم کی رائے سے اس کی کتاب کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ کتاب ایک

Marfat.com

خاموش اور ٹھوس چیز ہے، البتہ دوسرے سے علم حاصل کرنا ذہن کو تیز اور فکر کو یاد آور کرتا ہے کیونکہ اس میں بحث و گفتگو کرنی پڑتی ہے، ہم اس وقت دس فی صدی بیشتر کی حرکتِ علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے،

(۳) ہم میں اور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا منقطع ہونا،

ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابیں جن کو تقدیر نے ہمارے لئے چھوڑ رکھا ہے، صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں، اور بہت دنوں سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس و تدریس کی پروا نہیں کرتا، امام محمد، امام شافعی، امام مالک وغیرہ ائمہ، ان کے تلامذہ بلکہ پانچویں صدی کے دو ائمہ کی ان کتابوں کی طرف، جو روح کو غذا دیتی ہیں، ہمت کو برانگیختہ کرتی ہیں، اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہیں، کوئی عالم توجہ نہیں کرتا، نہ ان کا درس دیتا، نہ ان سے واقفیت حاصل کرتا، بلکہ تم کو بڑے بڑے علما ملیں گے جو ان کے نام بھی نہیں سنتے اور جب تمھارے ہاتھ میں ان کتابوں میں سے کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو کوئی شخص ان کے پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتا، ان لوگوں نے صرف ان کتابوں پر اکتفا کر لیا ہے، جو زمانہ تنزل میں لکھی گئی ہیں، اور اس طور پر روایت صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم میں اور ان کتابوں کے درمیان تعلقات منقطع ہوگئے ہیں، البتہ کبھی کبھی کوئی شخص ہمت بلند کر لیتا ہے، تو عمومی یا خصوصی کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے، حالانکہ اگر تم ان کا مقابلہ متداول کتابوں کے ساتھ کرو تو تم کو حسن تحریر، سلاستِ اسلوب اور سہولتِ ماخذ کے لحاظ سے دونوں میں بہت زیادہ فرق نظر آئے گا، لیکن ضعفِ ہمت اور ضعفِ عزم نے ہم کو بٹھا دیا ہے، اور قریب ہے کہ وہ ہم کو ہلاک کر دے،

میں نے شیخ محمد محمود بن التلامید الترکزی الشنقیطی سے پہلی بار ملاقات کی تو انھوں نے

سوال کیا کہ "تم نے ادب عربی کو کس سے سیکھا ہے؟" تو میں نے جواب دیا کہ "کتابوں سے" بولے کہ "کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں"، میں نے کہا "تو اے جناب میں کیا کروں؟ ہم میں اور اسلام کے درمیان تعلقات منقطع ہوگئے ہیں، اس لئے نہ کوئی معلم ہے، نہ کوئی استاد کا پہنچانے والا ہے، لیکن میں نے آپ کو دیکھ لیا تو یہی میرے لئے کافی ہے۔" میرے اس جواب سے ان کا چہرہ چمک اٹھا بولے "انشاء اللہ" لیکن اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو ہم کو معذور سمجھتے، کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان تاریکیوں کا زمانہ حائل ہوگیا ہے، صرف تھوڑی سی جو تلچھٹ باقی رہ گئی ہے، وہ نہ پیاس کو بجھاتی ہے نہ مرض سے شفا دیتی ہے، اس لئے ہم ایسی ہمت کرکے کس قدر محتاج ہیں، جو ان کتابوں کو ان کی قبروں سے نکالے اور لوگوں کے رخ کو ان کی طرف پھیر دے، تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے درجے بلند ہو جائیں، اور اس وقت ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم میں فقہا موجود ہیں،

مطالب میں خلل انداز اختصار

اختصار صرف اسی دور کی بدعت نہیں ہے، بلکہ یہ بدعت چوتھے دور میں بھی موجود تھی، کیونکہ ائمہ کے تلامذہ نے ان کے کلام کا اختصار کیا تھا، اور اس اختصار میں انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جن مسائل کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی، ان کو حذف کر دیا تھا اور ائمہ نے جن چیزوں کو غیر مرتب طور پر لکھا تھا، ان کو انھوں نے مرتب کیا تھا، بڑے بڑے علماء نے اس معاملہ میں ان کی تقلید کی تھی، لیکن اسی دور کے آخر میں اختصار نے ایک عجیب و غریب روش اختیار کی یعنی یہ کوشش کی جانے لگی، کہ بہت سے مسائل تھوڑے

سے الفاظ میں جمع کر دیئے جائیں، لیکن چونکہ ان لوگوں کو عربیت کا اچھا سلیقہ نہ تھا اس لئے ان کا کلام معما کے مثل ہو گیا، گویا مؤلف سمجھنے کے لئے نہیں لکھتا تھا، بلکہ اس لئے لکھتا تھا کہ مسائل کو جمع کر دے، اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لئے میں ایک موضوع پر تین کتابوں سے ایک فصل نقل کرتا ہوں، جو کہ تینوں مشہور مذاہب کے طالبانِ فقہ کی متداول کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، اور یہ موضوع وہ پانی ہیں جن سے طہارت جائز یا ناجائز ہے،

خلیل اپنی مختصر میں لکھتا ہے،

اور ناپاکی اور نجاست کا حکم "مطلق" سے اٹھ جاتا ہے اور وہ وہ ہے، جس پر بلا قید پانی کا نام صادق آئے، چاہے وہ شبنم سے جمع کیا گیا ہو، چاہے جم کر پگھلا ہو، یا چوپایہ کا یا حائضہ کا یا جنبی کا جوٹھا، یا ان کی طہارت سے بچا ہو، یا زیادہ ہو، اور ایسی نجس چیز سے مخلوط ہو جس نے اسے بدل نہ دیا ہو، یا اس کے بدلنے والے کی مضرت میں شک ہو، یا چیڑے تیل کی قربت سے، یا مسافر کے برتن کے تارکول کی بو سے یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین میں یا کسی ڈالی ہوئی چیز مثلاً مٹی یا نمک سے بدل گیا ہو چاہے وہ قصداً ڈالی گئی ہو، اور نمک سے "سلب" نہ زیادہ راجح ہے، اس سے نہیں، جس کا رنگ یا مزہ یا بو کسی ایسی چیز سے بدل گئی ہو جو اس سے عموماً جدا رہتی ہے، وہ چاہے پاک ہو، چاہے ناپاک مثلاً ملا ہوا روغن یا مصطگی کا بخار اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے، اور آب کشتی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا مضر ہے مثل حوض کے مویشی کے گوبر سے یا مثل کنویں کے درخت کے پتوں یا بھس سے اور جنگل کے کنویں میں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے، اور موافق ملنے والے کا حکم مخالف ملنے والے کے مثل قرار دینے میں بحث ہے، ایسے پانی سے ہٹ

من راسہ ففدیۃ من صیام ۔۔۔ تکلیف ہو، تو بال اتروانے کے بدلے میں) روزہ یا
او صدقۃ او نسک ۔۔۔ خیرات یا قربانی ہے،
وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی ۔۔۔ اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی کے
میسرۃ، ۔۔۔ زمانے تک مہلت دینی چاہئے،

(۸) کبھی وہ فعلِ مطلوب کا ذکر لفظ خیر کے ساتھ ملا کر کرتا ہے، مثلاً

و یسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاح ۔۔۔ اور وہ لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے
لھم خیر ۔۔۔ ہیں، کہدے کہ ان کی اصلاح بہتر ہے،

(۹) کبھی وہ فعلِ مطلوب کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے، مثلاً

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً ۔۔۔ وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیگا، تو خدا اس کو
فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ ۔۔۔ اس کے لئے کئی گنا زیادہ دیگا،

(۱۰) کبھی وہ فعلِ مطلوب کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف پہونچانے والا ہے، مثلاً

ولکن البر من آمن باللہ ولکن ۔۔۔ لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو خدا پر ایمان لایا، لیکن
البر من اتقی ۔۔۔ نیکی اس شخص کی ہے جس نے تقوی اختیار کیا،
لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۔۔۔ تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤگے یہانتک کہ جن چیزوں کو تم محبوب رکھتے ہو ان میں سے کچھ خرچ نہ کرلو

اسی طرح کسی فعل کی ممانعت کے متعلق بھی قرآن مجید نے مختلف طرز بیان اختیار کئے ہیں، مثلاً

(۱) صریح نہی، مثلاً

کے متعلق جو منھ میں ڈالا گیا ہو، وہ قبول ہیں، اور حدیث میں مستعمل مکروہ ہے، اس کے غیر میں شک ہے، اور تھوڑا مثلاً وضو اور غسل کا برتن ایسے نجس سے جس نے بدلا نہ ہو، یا کتے نے جو ٹھا کر دیا ہو، اور تھا پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو، اور شرابی کا جوٹھا، یا جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو، اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو، اس سے احتراز مشکل ہو تو نہیں، یا غذا ہو۔ مثلاً کشمش، اور اگر اس کے منھ پر سیرابی حاصل کی جائے اس کے استعمال کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی خشکی جانور جس کا خون بہتا ہو، ٹھہرے ہوئے پانی میں مرجائے، اور اس کو نہ بدلے، ان دونوں کے بقدر پانی کا نکالنا مستحب ہوگا، مرکر گرا ہو تو نہیں، اور اگر نجس کا تغیر زائل ہو جائے نہ کثرت مطلق سے تو طہوریت اس کے ساتھ مستحسن ہے، اور عدم طہورت ارجح ہے، اور خبر واحد کی قبول کی جائے گی، اگر ان دونوں نے اس کی وجہ بیان کی یا مذہب میں متفق ہوئے، ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کا گرنا اس عکس کے مثل ہے[1]،

یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے میں تینوں شائع شدہ مذاہب ان سے ایک میں طالب علم کو عالم بناتی ہیں، لیکن تم کو نظر آتا ہے کہ بحیثیت تعبیر کے وہ تنہا سمجھ میں نہیں آسکتیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شرح کی محتاج ہوئیں، اور شرح کو حاشیہ کی ضرورت پڑی، اور تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے، کہ یہ موضوع دو ہفتوں سے کم میں پڑھایا جاتا ہوگا، اور ان

---

[1] چونکہ ان عبارتوں کا ترجمہ بالکل غیر مفہوم ہو جاتا تھا اس لئے ہم نے بقیہ دو کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ چھوڑ دیا،

Marfat.com

دو صفحوں کا بڑا حصہ بھی مؤلف کے مقصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ تم کو نظر آتا ہے کہ یہ کتابیں استدلال سے خالی ہیں، اور اس طرح غیر تعلیم یافتہ میں اس موقع پر اس کے سوا کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ شخص کو ایسے مسائل معلوم ہیں جو غیر تعلیم یافتہ شخص کو معلوم نہیں، لیکن یہ کہ مسئلہ کو اس کے امام نے کیسے دلائل سے کیونکر نکالا ہے، تو تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس کا علم نہیں ہے، حالانکہ فقہ کا ملکہ صرف اسی طریقہ سے ہوتا ہے، اور بدیہی طور پر ان کتابوں میں بقیہ ائمہ کے خلاف کا اثر بھی نہیں پایا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے طالب العلم پر حسنِ فہم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس نے ہمارے فقہاء کو ہمارے درمیان نہایت پست رتبہ کر دیا ہے، اور وہ عوام سے قریب تر ہو گئے ہیں، حنفیہ کی بعض متداول کتابیں، مثلاً کتاب البدایہ اور اس کی شرح ہدایہ کو بے شبہہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان میں دلائل اور اختلافات سے بھی تعرض کیا گیا ہے، لیکن شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی،

ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے، تو اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں، اور ایک فقیہ کتنا ہی عالی مرتبہ ہو جائے، لیکن اس کے امکان میں یہ نہیں کہ اپنے امام کی مخالفت کرے، اور مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دے، کیونکہ ترجیح دینے والوں کا زمانہ ختم ہو گیا، اس لئے دلائل میں مشغول ہونے اور دوسرے ائمہ کی رایوں سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے، لیکن ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ٹھیک ہوتا جب کہ طالب العلم عوام میں سے ہوتا، جو صرف کسی حکم کو جاننا چاہتے ہیں، لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہتے ہیں، ان کا

کم از کم یہ درجہ ہے کہ وہ یہ بھی جانیں کہ ان کے امام نے حکم کو کہاں سے اخذ کیا ہے، لیکن اگر ان کو ان کے مخالف کی رائے اور طریقۂ استنباط بھی معلوم ہو جائے تو اس سے ان کے علم میں اور اضافہ ہو سکتا ہے، اب جب ان کے علم میں ترقی ہو گی تو کون ان کو ان اسلاف سے کم درجہ قرار دیگا، جو خود اپنے پیشرو علماء کے اقوال میں سے جن کے وہ مقلد تھے اچھے اچھے اقوال کا اپنے لئے انتخاب کرتے تھے، اور جب اس مرکز پر جس کو جمہور علماء نے پسند کر لیا ہے، درجہ فقیہہ آکر ٹھہر گیا ہے، تو قانون شرعی کو یقیناً ضعیف ہو جانا چاہئے، کیونکہ اس کے علماء کوئی رائے اور فکر نہیں رکھتے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ روزانہ کے آثار اس کے واقعی ہونے کی شہادت دیتے رہتے ہیں، کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ تمام کتابیں جو دورِ رفعتِ اسلامیہ یعنی چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئیں گمنام ہو گئی ہیں، اور طلبہ کے ہاتھوں میں صرف وہ کتابیں رہ گئی ہیں، جو زمانہ تاخر و زوال اور عربی زبان کے ضعف کی حالت میں لکھی گئی ہیں، طالبانِ اصلاح کے لئے اگر وہ مخلص ہیں، یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار رہیں، وہ آثار خدا کے فضل سے بہ کثرت ہیں اور ان میں بہت سے نہایت ترقی یافتہ زبان میں لکھے گئے ہیں، جو طالب العلم کو اپنی زبان کے بہتر بنانے اور اپنی قوتِ فکر کے ترقی دینے میں مدد دیتے ہیں، اور جب قلم سے ان بڑے آثار کے واضح کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، جو متعلم کے دل میں فقہ کی متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں، تو بہت و حیران ہو کر رک جاتا ہے،

ہمارے یہاں دو موانع ایسے موجود ہیں، جو ہمارے درمیان فقیہ کو پیدا ہونے ہونے دیتے،

(اولاً) یہی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم نے کافی بیان کر دیا ہے،

(ثانیاً) طریقہ تعلیم، کیونکہ گذشتہ زمانوں میں ایک فقہ کے طالب العلم کا سب سے پہلا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب و سنت میں جس چیز سے احکام مستنبط کئے جاتے تھے، ان کا احصار کرتا تھا، اس کے بعد اپنے امام کے فتوی کے معلوم کرنے میں اپنا اکثر وقت صرف کرتا تھا، اور جب درس حاصل کرنا چاہتا تھا، تو اپنے ائمہ مذہب کی ان رایوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا، جن میں انھوں نے اپنے امام سے اختلاف کیا ہے، اور اس مخالفت کے وجوہ بھی معلوم کرتا تھا، ان سب کے تکملہ کے بعد دوسرے ائمہ کی رایوں کی جستجو کرتا تھا، تاکہ اپنے امام کے مستنبطات کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے، جب وہ اس تیسرے درجہ کی تکمیل کر لیتا تھا، تو ایک صاحب اقتدار اور صاحب فکر فقیہ ہوتا تھا، لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں مسائل کی کثرت اور قلت کے سوا کوئی فرق نہیں، اور مذہب شافعی میں ابوشجاع کی منہج کی یہی امتیازی خصوصیت ہے، لیکن مسائل کی کثرت ایسی چیز نہیں ہے، جو نفس میں فقہ کی روح پیدا کر سکے، تیسرے درجہ میں جو منتہی کا وہ درجہ ہے، جس کی ہم تشریح کر چکے فقہ کا طالب علم صرف فقہ سے سروکار رکھتا تھا، اور اس کو دوسرے علوم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتا تھا، لیکن ہمارے نظام درس میں مبتدی اور منتہی کی تعلیم بالکل یکساں ہے، جس طرح پہلا بہت سے علوم کے مبادی میں مشغول رہتا ہے، وہی حال دوسرے کا بھی ہے، اس لئے جب وہ امتحان کے میدان میں آخری کامیابی حاصل کرتا ہے، تو نہ وہ فقیہ ہوتا، نہ ادیب نہ فیلسوف، بلکہ اس نے صرف علوم کے مبادی سیکھ لئے ہیں، نحو وحساب سے زیادہ فقہ کو نہیں جانتا اور اس معاملہ میں تمام مذہبی درسگاہوں کی حالت یکساں ہے، یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ سند لینے کے بعد ان میں کوئی شخص اپنے حاصل کردہ علم پر اضافہ

کرنے، اور نامعلوم باتوں کے معلوم کرنے اور اختلافِ فقہا کے جاننے کے لئے سعی و اہتمام کرتا ہے، بلکہ امتحان کے دن اس کی جو حالت تھی، وہ قائم رہ جاتی ہے اور یہ سب سے بڑا عیب ہے، میرا یہ جو صرف ایک مورخ کا ہے، جو واقعات کو بعینہٖ بیان کر دیتا ہے، لیکن اگر میں مذہبی تعلیم کے متعلق کوئی مطالبہ پیش کر سکتا ہوں وہ حسب ذیل ہے۔

ابتدائی تعلیم صرف ان احکام تک محدود ہو جن کو امام مذہب نے بیان کیا ہے اور ایک آسان کتاب سے جو اس کے لئے انتخاب کی جائے ان کی تعلیم دیجائے،

دوسرے درجہ میں ایک مبسوط کتاب پڑھائی جائے، جس میں اُن ائمہ مذاہب کی رائیں درج ہوں جنھوں نے طلبہ کے امام سے اختلاف کیا ہے، یا ترجیح دی ہے یا کسی مسئلہ کو اختیار کیا ہے، اس کے ساتھ ہر فریق کے دلائل قائم کئے جائیں، اور اس کے لئے کتب خلاف مذہبیہ میں سے جن کی تعداد ہر مذہب میں بکثرت ہے، کوئی کتاب انتخاب کی جائے اور ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث کا بھی درس دیا جائے اور منتہی کی تعلیم فقہ، اصول فقہ، اور کتاب و سنت سے جو چیزیں احکام کے ساتھ متعلق ہوں، ان تک محدود رکھی جائے، اور اس میں اختلافاتِ ائمہ اور ان کے طرق استدلال کی بھی تعلیم دی جائے،

اور فقیہ کا درجہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو دو یا تین مسئلہ پر ایک تحریر لکھے جس میں ان مسائل کے متعلق اختلافاتِ فقہاء کی تشریح کرے، ان کے اختلاف کے اسباب اور ان اصولی قواعد کو بتائے جس پر ہر قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے،

اور یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پا سکتا جب تک علماء ان درسی کتابوں کے انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جنکو جو تھے اور پانچویں دور میں اکابر علماء نے لکھا ہے،

اس طریقے سے نفوس میں فقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہوگی، ہم اپنے اسلاف کی

Marfat.com

روش کے متبع ہوسکیں گے تفقہ فی الدین کا ملکہ حاصل کرینگے اور مستقبل میں ہم میں ایسے فقہا پیدا ہونگے جن میں اجتہادی [illegible] اور ان کے اقوال کا اعتبار ہوگا، اور جب ہمکو ہر سال اس طرز کے تھوڑے سے لوگ مل جائیں گے تو ہمارے لئے یہ ممکن ہوگا کہ اپنے علمار و فقہا کے ذریعہ سے گذشتہ زمانوں پر فاخر کریں،

کبار علما میں ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں کہ [illegible] خلوص سے کام لیں تو اپنی قوم کو اس بلند درجہ تک پہنچا سکتے ہیں، لیکن ان کے نام لینے کی ہمکو ضرورت نہیں ہے، ہم خدا سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور شریعت کی خدمت کرنے کی توفیق دے، تاکہ وہ ایک بلند زندگی حاصل کرسکے، اس کے کوئی معنی نہیں کہ ہم ہر چیز کو ایک دائمی ترقی کی حالت میں دیکھیں اور خود کھڑے رہیں، قیل و قال کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ ہو، جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر ہونا اور ماضی کی طرف تھوڑی سی توجہ کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، تاکہ اپنے مستقبل کے بنانے کے شوق سے ہمارے نفوس میں ایک روشنی سی پیدا ہو جائے،

ہر متفقہ فی الدین سے خطاب

میں نے تمہارے لئے یہ کتاب لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارے سامنے تمہارے سلف صالح کی تصویر پیش کروں اور تم کو ان کی تقلید کرنے پر آمادہ کروں اس کے بعد انشاء اللہ ایک دوسری کتاب لکھونگا جس میں مسائل تفصیلیہ اور ان کی تاریخ اختلاف کا ذکر کرونگا، کیونکہ میں نے اس کتاب میں جو مسائل بیان کئے ہیں وہ بالتبع صرف مثال کی غرض سے بیان کئے ہیں، خدا سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھکو اور تم کو نیکی کی توفیق دے، وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے،

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قرآن وحدیث دوسرے دور میں	۱۵۶	حضرت علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی	۲۱۸
اس دور میں اجتہاد	۱۶۷	حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ	۲۱۹
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ	۱۹۰	حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ	״
حضرت زید بن ثابتؓ	۱۹۱	حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام المومنین میمونہؓ	״
تیسرا دور		قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ	۲۲۰
صغار صحابہؓ اور انکے تلامذہ تابعین کے عہد میں فقہ	۱۹۳	حضرت نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمرؓ	״
سیاسی صورت حال	״	محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب الزہری	۲۲۱
اس دور کی امتیازی خصوصیات	۱۹۷	ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقرؒ	۲۲۲
اس دور میں اجتہاد	۲۱۳	ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ	״
قرآن وحدیث	״	یحییٰ بن سعید انصاری	״
اس دور کے مشہور مفتی	۲۱۴	ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروخ	۲۲۳
مفتیان مدینہ		**مفتیان مکہ**	״
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	״	حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب	״
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ	۲۱۵	حضرت مجاہد بن جبیر مولیٰ بن مخزوم	۲۲۴
حضرت ابوہریرہؓ	۲۱۶	حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ	״
حضرت سعید بن المسیب المخزومی	۲۱۷	حضرت عطاء بن ابی رباح مولیٰ قریش	״
حضرت عروہ بن الزبیر العوام الاسدی	۲۱۸	حضرت ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس	۲۲۵
ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام المخزومی	״	مولیٰ حکم بن حزام	

Marfat.com

وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی

اور خدا بیحیائی کے کاموں اور بُری باتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے،

انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم

جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مدد دی خدا تمکو انہی کی دوستی کرنے سے منع کرتا ہے۔

(۲) شے ممنوع کو حرام کرنا، مثلاً

انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون

میرے پروردگار نے تو صرف بیحیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، وہ ظاہر ہوں تو اور پوشیدہ ہوں تو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا کا شریک قرار دو جسکی اس نے کوئی سند نہیں اتاری، اور یہ کہ بے سوچ سمجھے خدا پر بہتان باندھو،

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم

کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں،

وحرم ذلک علی المومنین

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے،

(۳) فعل ممنوع کو "حلال نہیں" کہنا، مثلاً

لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا،

تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بنجاؤ،

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا

تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اُس سے کچھ لے لو بجز اس صورت کے کہ میاں بی بی دونوں

Marfat.com

یقیما حدود اللہ	کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے
ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ	اور ان عورتوں کیلئے یہ حلال نہیں کہ خدا نے ان کے
فی ارحامھن	رحموں میں جو پیدا کیا ہے، اس کو چھپائیں۔

(۴) صیغہ نہی یعنی فعل مضارع کا جس کے پہلے "لای نہی" ہو یا ایسے فعل امر کا جس سے ممانعت مقصود ہو مثلاً "دع" اور "ذر" کا استعمال کرنا، مثلاً

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن	اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز اس طریقے کے جو
وذروا ظاھر الاثم و باطنہ	اور کھلے اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو،
ودع اذاھم	اور ان کی ایذا رسانی کو چھوڑ

(۵) فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا، مثلاً

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب،	یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو،
ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا	یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آؤ،

(۶) فعل ممنوع کی نفی کرنا، مثلاً

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین	پس اگر وہ فساد سے رک جائیں تو ان پر زیادتی نہیں ہے، زیادتی صرف ظالموں پر ہے،
فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج	تو جو شخص ان مہینوں میں حج کا عزم کرلے، تو حج میں نہ کوئی شہوت کی بات ہے، نہ گناہ کی نہ لڑائی کی،

Marfat.com

لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ، — ماں کو اسکے بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہونچایا جائے، اور نہ اُس کو جس کا بچہ ہے اس بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے،

(۷) گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملا کر فعل ممنوع کا ذکر کرنا، مثلاً،

فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ — جو وصیت سنکر اُس کو بدل دے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدل دیں،

(۸) فعل ممنوع کو عذاب کی دھمکی کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا، مثلاً

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم، — اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور انکو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو ان کو درد انگیز عذاب کی دھمکی دے،

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس، — جو لوگ سود کھاتے ہیں، (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو،

(۹) فعل ممنوع کے وصف میں "شر" کا لفظ استعمال کرنا مثلاً

ولا تحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم، — جو لوگ اس فضل کے ساتھ جس کو خدا نے ان کو دیا ہے، بخل کرتے ہیں، یہ نہ گمان کریں کہ وہ ان کیلئے بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے لئے بدتر ہے،

قرآن مجید نے ان امور کا بیان جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلف کو اختیار ہی مختلف طریقوں سے کیا ہے، مثلاً

(۱) حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا، مثلاً

Marfat.com

احلت لکم بهیمة الانعام

چارپائے جانور تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں،

یسألونک ماذا احل لهم قل احل لکم الطیبات و ما علمتم من الجوارح مکلبین

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیز ان کے لئے حلال کی گئی ہے تو ان سے کہدو کہ کھانے کی پاک چیزیں سب تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں اور شکاری بلند جو تم نے شکار کے لئے سدھا رکھے ہوں،

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم

آج کے دن تمہارے لئے کھانے کی پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا ذبیحہ جنکو کتاب دی گئی ہو تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے،

(۲) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا، مثلاً

فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فلا اثم علیه

جو بھوک سے بیقرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں (یعنی حرام چیز کے کھانے میں)

فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه و من تاخر فلا اثم علیه لمن اتقی

پھر جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل کھڑا ہو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو دیر تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، یہ رعایت ان کے لئے ہے، جو پرہیزگاری کریں،

فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینهم فلا اثم علیه،

اور اگر کسی شخص کے دل میں وصیت کرنے والی کی طرف سے طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو اور وہ وارثوں میں میل کرا دے (تو ایسی صورت میں وصیت کے بدلنے کا) اس پر کچھ گناہ نہیں ہے

(۳) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ "جناح" سے کرنا مثلاً

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو وہ جو کچھ ما تقدم کھا پی چکے ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انہوں نے (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا،
لیس علیکم ولا علیہم جناح بعدھن	(ان تینوں اوقات کے سوا بے اذن آنے دینے میں اور بے اذن چلے آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر
ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما،	صفا اور مروہ خدا کے شعائر ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر یہ گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے،

جملہ احکام قرآنیہ

قرآن مجید مختلف قسم کے اعمال پر جن کی بندوں کو تکلیف دی گئی ہے مشتمل ہے،

(۱) اول وہ معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہے یعنی وہ عبادات جو بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتیں اُن میں بعض مثلاً نماز روزہ خالص عبادت ہیں، بعض مثلاً زکوٰۃ مالی اور تمدنی عبادات ہیں، بعض مثلاً حج بدنی اور تمدنی عبادت ہیں، یہ چاروں عبادتیں ایمان کے بعد بنائے اسلام تسلیم کی گئی ہیں،

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں،

Marfat.com

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں،

(۱) قوانین تحفظ دعوت اسلام یعنی جہاد،

(۲) قوانین استقلال خاندان یعنی وہ احکام جو نکاح، طلاق، نسب اور وراثت سے تعلق رکھتے ہیں،

(۳) قوانین معاملات باہمی یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کے احکام اور اصطلاح میں ان کو معاملات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں،

۴۔ قوانین تعزیری یعنی قصاص وحدود ہم آگے چل کر الگ الگ اُن سب کی تفصیل کریں گے

حدیث

حدیث سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وافعال اور دوسروں کے وہ اعمال جن کو آپ نے قائم و برقرار رکھا، اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اپنا مبلغ بنا کر مبعوث فرمایا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے،

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک	اے پیغمبر جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے تم اسکی تبلیغ کرو،

اور آپ خدا کی طرف سے اسکے مقاصد کے بیان کرنے والے تھے خدا خود فرماتا ہے،

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون	ہم نے تم پر ذکر کو اتارا تاکہ تم لوگوں کے لئے اس چیز کو بیان کرو جو ان پر نازل کی گئی ہے اور شاید وہ لوگ غور کریں

اس بنا پر آپ قرآن مجید کے مطلب کو صرف قول سے، کبھی صرف فعل سے اور کبھی ایک ساتھ قول وفعل دونوں کے ذریعہ سے بیان فرمایا کرتے تھے، مثلاً آپ نے نماز ادا فرمائی، اور فرمایا

صلوا کما رأیتمونی اصلی — اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے

آپ نے حج ادا کیا اور فرمایا،

خذوا عنی مناسککم — مجھ سے اپنے ارکان سیکھو،

اس لحاظ سے آپ قرآن مجید کے شارح ہیں، یعنی آپ قرآن مجید کی مجمل آیتوں کی تشریح کرتے ہیں، اس کی مطلق آیتوں کو مقید فرماتے ہیں، اور اس کی مشکل آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں، اور اس حیثیت سے حدیث کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمالاً یا تفصیلاً دلالت نہ کی ہو، البتہ اس دلالت کے مختلف طریقے ہیں،

(۱) اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے، مثلاً

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ — جو کچھ پیغمبر تم کو دے اسکو لیلو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آؤ،

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما — تیرے پروردگار کی قسم وہ اسوقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تجھکو اس نزاع کے متعلق حکم نہ بنائیں جو انکے درمیان واقع ہوئی پھر حکم بنانے کے بعد اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے تنگی نہ محسوس کریں اور اسکو اچھی طرح تسلیم کرلیں

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔ — کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ بخشدیگا اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے،

قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین — کہہ کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو تو اگر وہ منہ پھیر لیں تو خدا کافروں کو دوست نہیں رکھتا

(۲) اس کا دوسرا طریقہ علماء کے نزدیک عام طور پر مشہور ہے، مثلاً قرآن مجید کے جو احکام

Marfat.com

نفسِ عمل کی کیفیات، اُن کے اسباب، ان کے شروط اور اُن کے موانع و لواحق وغیرہ کے لحاظ سے مجمل ہیں، اور احادیث میں ان کی جو توضیح کی گئی ہے، وہ اسی طریقہ میں داخل ہے، مثلاً احادیث میں نماز اور زکوٰۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے،

(۳) اس دلالت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان چیزوں میں جو دو کھلی ہوئی چیزوں کے درمیان واقع ہیں، اجتہاد فرماتے ہیں، یا اور چیزیں جو اصول و فروع کے درمیان دائر ہیں، اُن میں قیاس کرتے ہیں مثلاً،

۱۔ خدا نے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا، اور ناپاک چیزیں حرام کر دیں لیکن ان دونوں کھلی ہوئی چیزوں کے درمیان چند مشتبہ چیزیں ہیں، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاداً ان کی توضیح کر دی، اور ہر درندہ جانور اور پنجہ دار چڑیا کو حرام قرار دیا اور پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرما دی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو آپ نے ناپاک چیزوں میں شامل کر دیا،

۲۔ خدا نے پینے کی غیر منشی چیزوں کو حلال کیا، اور منشی چیزوں کو حرام قرار دیا، ان دونوں اصول کے درمیان وہ چیزیں ہیں جو حقیقۃً منشی نہیں ہیں، لیکن منشی ہو سکتی ہیں، مثلاً دبا، مزفت اور نقیر (یہ مختلف برتنوں کے نام ہیں، جن میں کھجور وغیرہ بھگو کر ایک قسم کی سرور انگیز شراب بناتے تھے جن کو نبیذ کہتے تھے) کو منشی چیزوں میں داخل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ممانعت فرما دی تاکہ شراب نوشی کا ذریعہ مسدود ہو جائے، اس کے بعد آپ نے اس اصل کی طرف رجوع کیا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، جیسے پانی اور شہد، اور فرمایا،

کنت نھیتکم عن الانباذ فانتبذوا — میں نے تم کو نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، اب نبیذ بناؤ

وکل مسکر حرام — اور ہر منشی چیز حرام ہے،

۳۔ خدا نے سدھائے ہوئے شکاری جانور کے اس شکار کو جو ہمارے لئے کرے

مباح قرار دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ بے سدھائے ہوئے جانور کا شکار حرام ہے، کیونکہ وہ صرف اپنے لئے شکار کرتا ہے، اب ان دونوں اصول کے درمیان وہ شکاری جانور ہے، جو سدھایا ہوا تو ہے، مگر اس نے اپنے شکار کو کھا لیا ہے، کیونکہ سدھانے کا اقتضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے لئے شکار کیا ہے، اور اس کے کھا لینے کا اقتضا یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے، اس لحاظ سے ان دونوں اصول میں تعارض واقع ہوا، تو حدیث میں اس کی توضیح کر دی گئی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "اگر وہ سدھایا ہوا جانور خود شکار کو کھا لے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا،

۴۔ جو لوگ احرام حج باندھیں ان کو عموماً شکار کرنے کی ممانعت کی گئی، اور جو لوگ اس حالت میں قصداً شکار کریں ان پر کفارہ مقرر کیا گیا، اسی طرح جو لوگ احرام نہ باندھیں ان کے لئے عموماً شکار مباح کیا گیا، اب صرف یہ مسئلہ محل بحث رہ گیا کہ اگر محرم غلطی سے کسی جانور کو مار ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے، ؟ چنانچہ حدیث میں وجوب کفارہ کے متعلق قصد و خطا دونوں کو برابر کر دیا گیا،

اس کی اور بھی بکثرت مثالیں ہیں جو عنقریب تمہارے سامنے آئیں گی،

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے متعدد اصول ہیں، جن سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز ان کے مثل ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان اصول کا ہے اور اس کے اطلاق سے جو بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقیدات بھی اس کے مثل ہیں اس لئے قرآن مجید حدیث کی توضیح پر اعتماد کرکے صرف اس اصل پر اکتفا کرتا ہے، اور اس کی فروعات کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے وہ عام ہے، ایسی حالت میں اگر ہم کو قرآن مجید میں کوئی اصل ملے اور حدیث

میں بھی کوئی ایسا حکم وارد ہو جو اسی کے ہم معنی ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن مجید میں بھی یہی معنی مراد ہیں، اب ہم اس کو رسول اللہ صلعم کا قیاس کہیں یا وحی سمجھیں، لیکن یہ صورت ہمارے خیال میں مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے، اور اس کی متعدد مثالیں ہیں، مثلاً،

(۱) خداوند تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کے سود کا یہ طریقہ تھا کہ ایک قرض دوسرے قرض سے منسوخ ہو جاتا تھا، اور قرض خواہ کہتا تھا کہ قرض ادا کر دیا سود دو[1]، رسول اللہ صلعم نے بھی اس سود کو حرام کیا اور فرمایا،

وربا الجاهلية موضوع — اور جاہلیت کا سود مٹا دیا گیا،

چونکہ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس طریقہ سے جو زائد رقم سود کی صورت میں لیجاتی

---

[1] اس مثال کی توضیح کے لئے یہ جان لینا چاہئے کہ جاہلیت میں سود کی دو قسمیں تھیں، ربا نسیہ اور ربا فضل پہلی قسم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مال کو اس شرط پر دیتے تھے کہ ہر مہینے میں ایک معین رقم لیتے رہیں گے اور اصل مال باقی رہے گا، اس لئے جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو مدیون سے اصل مال کا تقاضا کرتے تھے، اور اگر وہ اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو سود کے ساتھ مدت ادائے قرض میں اضافہ کر دیتے تھے، اس لئے پہلا قرض مع اپنی مدت سود کے منسوخ ہو جاتا تھا، اب اصل رقم میں پہلے مہینے کا سود شامل ہو کر نیا قرض شروع ہو جاتا تھا اور اس طرح سود کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا، خدا نے اسی سود کو حرام قرار دیا۔

يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة — مسلمانو! سود کو دو گنا سہ گنا کر کے نہ کھاؤ،

اور اس زمانہ میں بھی سود در سود کا یہ طریقہ جاری ہے،

ربا فضل (اور اسی کا دوسرا نام ربا نقد بھی ہے) کا یہ طریقہ تھا کہ مثلاً ایک سیر گیہوں کو دو سیر گیہوں کے بدلے میں فروخت کرتے تھے، قرآن مجید نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے، بلکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے،

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مفتیانِ کوفہ		ابوادریس الخولانی عائذ اللہ بن عبداللہ	۲۳۱
حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق	۲۲۵	قبیصہ بن ذویب	۲۳۲
حضرت مسروق بن الاجدع الہمدانی الفقیہ	۲۲۶	مکحول بن ابی مسلم	"
حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی	"	رجاء بن حیوۃ الکندی	"
حضرت اسود بن یزید النخعی	"	حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان رح	۲۳۳
حضرت شریح بن حارث الکندی	۲۲۷	**مفتیانِ مصر**	
حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہ عراق	"	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض	۲۳۳
حضرت سعید بن جبیر مولیٰ والبیہ	"	ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی مفتی اہلِ مصر	"
حضرت عامر بن شراحیل الشعبی علامۃ التابعین	۲۲۸	یزید بن حبیب مولیٰ الازد	۲۳۴
مفتیانِ بصرہ		**مفتیانِ یمن**	
حضرت انس بن مالک انصاری خادم رسول صلعم	۲۲۹	طاؤس بن کیسان الجندی	۲۳۵
حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی	"	وہب بن منبہ الصنعانی	"
حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابت رض	"	یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طے	"
حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباس رض	۲۳۰	**چوتھا دور**	
محمد بن سیرین مولیٰ حضرت انس بن مالک رض	"	اس دور کی فقہ	۲۴۳
قتادہ بن دعامۃ السدوسی	۲۳۱	سیاسی صورت حال	
مفتیانِ شام		اس دور کی امتیازی خصوصیات	۲۴۶
حضرت عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری	۲۳۱	تمدن کی وسعت	"

Marfat.com

تھی اس کا کوئی معاوضہ نہیں ادا کیا جاتا تھا، اس لئے جن چیزوں میں اس قسم کی بلا معاوضہ زیادتی پائی جاتی تھی، حدیث نے ان کو بھی اس ممانعت میں شامل کر لیا، اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فمن زاد او ازداد فقد اربى فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد،

سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں گیہوں گیہوں کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک نمک کے بدلے میں اس طرح فروخت کیا جائے کہ دونوں باہم مثل ہوں باہم برابر برابر ہوں ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے، اب اگر ان چیزوں میں سے کسی نے بڑھایا کوئی شخص بڑھا تو اس نے سود لیا اور سود دیا، لیکن اگر یہ اقسام مختلف ہو جائیں (مثلاً جو کے بدلے کھجور لی جائے) تو جس طریقہ سے چاہو (یعنی بہ اضافہ و بغیر اضافہ) بیچو بشرطیکہ ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے (یعنی ادھار نہ ہو)

لیکن اگر ان مختلف الاجناس چیزوں کی خرید و فروخت بھی اُدھار کے طور پر کیجائے تو رسول اللہ صلعم نے اس کو بھی سود کی قسم میں شمار کیا ہے، کیونکہ ان دونوں عوضوں میں سے ایک عوض کو ادھار پر رکھنا زیادتی کا مقتضی ہے، اس معنی (یعنی زیادتی بغیر عوض) کے لحاظ سے اسی میں وہ بیع سلف[1] بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب یکساں ہیں، اس لئے ان دونوں کی بیع

[1] بیع سلف یا بیع سلم کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو غلہ پیشگی بطور قیمت کے اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں اس کے بدلے میں اسکو اسی کے مثل فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا،

Marfat.com

بیع بھی اسی قسم کی ہے یعنی متحد الاجناس چیزوں کا تبادلہ، اس لئے اگر اس میں زیادتی کیجائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کے لئے عادۃً مدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے، کیونکہ ایک موجود چیز غیر موجود چیز کے مقابلہ میں صرف اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ قیمت میں موجودہ چیز سے بہتر ہے، اور اسی کا نام زیادتی اور سود ہے، اب صرف یہ بحث ہے کہ سونے چاندی اور اشیاے خوردنی کے علاوہ اور چیزوں میں اس قسم کی زیادتی کیوں جائز ہے؟ اگر اس کی وجہ واضح ہوتی، تو جس طرح اور بہت سے مسائل اجتہادیہ مجتہدین کی راے پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اسی طرح یہ معاملہ بھی ان کی راے پر چھوڑ دیا جاتا، لیکن چونکہ اس کی وجہ مجتہدین کو معلوم نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے حدیث نے اس کو بیان کر دیا،

(۲) خدا نے ایک ساتھ ماں بیٹی اور دو بہنوں کے نکاح کو حرام کیا، اور ان کے علاوہ جو عورتیں تھیں اُن کے متعلق ارشاد ہوا،

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ — اور ان کے علاوہ تمھارے لئے اور عورتیں حلال ہیں،

لیکن رسول اللہ صلعم نے کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ سے ایک ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی، کیونکہ جس وجہ سے ماں بیٹی اور دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا ممنوع ہے وہ اس صورت میں بھی موجود ہے، اس حدیث میں یہ ٹکڑا بھی مروی ہے،

فانکم اذا فعلتم ذلك قطعتم ارحامکم — اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کیا،

اس تعلیل و توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ حکم قیاسی ہے،

(۳) خدا نے جان کی دیت تو بیان کر دی لیکن اطراف (یعنی اور اعضاء مثلاً

ہاتھ پاؤں وغیرہ کی دیت نہیں بیان فرمائی، لیکن چونکہ عقلاً اس قسم کا قیاس مشکل ہے، اس لئے حدیث نے وضاحت کیساتھ انکی دیت کو بیان کر دیا گویا یہ وہ قیاس ہے، جو نہایت مشکل ہے، اور اس کی مثالیں بھی آئیں گی،

(۴)، اس کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اُن متحدہ و مجتمعہ وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن مجید کے متفرق دلائل کو ایک سر رشتہ میں منتظم کر سکیں، کیونکہ اگرچہ قرآن مجید کی دلائل کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں، لیکن ان سب کو ایک وجہ عام مشتمل ہوتی ہے، جو متفرق مصالح کے امر یا استحسان سے مشابہت رکھتی ہے، اس لئے حدیث اسی وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے، اس لئے یقینی باطنی طور پر یہ معلوم ہوجاتا ہے، کہ یہ وجہ عام ان تمام وجوہ مختلفہ سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ دلیل سے صحیح طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ حدیث قرآن مجید کی توضیح کے لئے وارد ہوئی ہے،

اس طریقہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو کس قسم کا تعلق ہے،

صحابۂ کرام رسول اللہ صلعم سے مجمعاً اور متفرقاً دونوں طریقوں سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے، مثلاً آپ سے بعض حدیثوں کو صحابہؓ کا ایک بہت بڑا گروہ اخذ کرتا تھا، چنانچہ اکثر عملی حدیثیں جن میں زکوٰۃ نماز اور حج کے احکام کی تشریح کی گئی ہے، اسی قسم کی ہیں، لیکن بعض حدیثوں کو صرف دو ایک شخص اخذ کرتے تھے، اور چونکہ ان میں اکثر لوگ ان پڑھ ہوتے تھے، اس لئے اس کو لکھتے نہ تھے، بلکہ جو کچھ آپ سے سنتے تھے اسکو حفظ کر لیتے تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کے اقوال کو قلمبند کر لیا کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت کی ہے کہ "میں جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا، اور اُس سے میرا مقصد اس کا حفظ کرنا تھا لیکن قریش نے

Marfat.com

مجھ کو اس سے روکا اور کہا کہ تم جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتے ہو اس کو لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ آپ انسان ہیں، اور غصہ اور رضامندی دونوں حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں، اب میں نے لکھنا چھوڑ دیا، اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا، "لکھو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا"

الغرض اس دور میں فقہ کا دارومدار دو چیزوں پر تھا،

(۱) ایک قرآن مجید جس کی رسول اللہ صلعم نے تبلیغ فرمائی، اور لوگوں نے آپ سے سنکر اس کو یاد کیا اور اس کو لکھا، اُس میں آیاتِ احکام کی تعداد دو سو سے کچھ زیادہ نہیں جن میں اکثر تمھاری نگاہ سے گذریں گی،

(۲) قرآن مجید کی وہ توضیح جو رسول اللہ صلعم نے کی، یہی توضیح حدیث کے نام سے مشہور ہے، جس کو صحابہؓ آپ سے بالمشافہ اخذ کرتے تھے، اور اس دور میں قرآن مجید کی طرح اس کے لکھنے کا رواج عام نہیں ہوا تھا،

قرآن مجید کے تمام احکام کو اُن احادیث کی توضیحات کے ساتھ جن کو جمہور امت نے متفقاً روایت کیا ہے، اور جن پر ان کا عمل ہے، ہم عنقریب بہ تفصیل بیان کریں گے، اس وقت صرف قرآن مجید کے بنیادی احکام کو بیان کرتے ہیں،

صلوٰۃ

یعنی

نماز

یہ اسلامی لفظ نہیں ہے، بلکہ اسلام سے پہلے عرب نے دعا اور استغفار کے معنی میں اسکا استعمال کیا ہے، چنانچہ اعشیٰ کے ان اشعار میں،

Marfat.com

وصہباء طاف یہودیہا | وابرزہا وعلیہا ختم
وقابلہا الریح فی دنہا | وصلی علیٰ دنہا وارتسم

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی | نوما فان لجنب المرء مضطجعا

یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے،

اس لفظ کے اصل اشتقاق کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں،

(۱) ایک تو یہ صلاۃ کے لفظ سے مشتق ہے، جس کے معنے لزوم کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو لازم کر لیتا ہے تو کہا جاتا ہے صلیٰ واصطلیٰ، ازہری نے اسی وجہ اشتقاق کو پسند کیا ہے، کیونکہ صلاۃ خدا کی فرض کردہ چیز کا لزوم ہے، اور صلوٰۃ وہ سب سے بڑا فرض ہے، جس کے لزوم کا خدا نے حکم دیا ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ وہ صلوین سے مشتق ہے، اور صلوین اُن دو رگوں کو کہتے ہیں جو اونٹنی وغیرہ کے دم کی جانب اور انسان کے دونوں رانوں کے پہلے جوڑ کے گرد ہوتی ہیں، اسلئے گویا یہ دونوں رگیں حقیقۃً دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں، اشتقاق کی ایک تیسری وجہ اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ یہ لفظ صلوات کا معرب ہے جس کے معنی عبری زبان میں نماز کی جگہ کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ولولا دفع اللہِ الناس بعضہم بعضٍ لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر

اور اگر خدا باہم ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ڈھا دیئے جاتے درویشوں کے خلوت خانے، عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادتخانے اور مسجدیں جن میں

فیہا اسم اللہ کثیرا — خدا کا نام بہت لیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے اہل عرب نے اس لفظ کو لیکر دعا، اور استغفار کے معنی میں اس حیثیت سے استعمال کیا ہے کہ انھوں نے محل کا اطلاق حال پر کر دیا ہے، جو ان کے یہاں مجاز کا مشہور طریقہ ہے،

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال اسکے عربی معنی میں کیا گیا ہے، چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے۔

وصل علیہم ان صلاتک سکن لہم — ان کے لئے دعائے خیر کر، بیشک تیری دعائے خیر انکے لئے تسکین دہ ہے،

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی — بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں

یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما — مسلمانو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو،

عرب میں بجز اس کے کہ وہ احرام حج میں دعا کرتے تھے، نماز کا رواج نہ تھا، ان کی ایک اور نماز کا بھی قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے، چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے۔

وما کان صلاتہم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ — اور نہیں ہے نماز ان کی، نزدیک کعبہ کے مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا،

اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قریش برہنہ تن خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے، مجاہدؒ کا قول ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے طواف میں مزاحمت کرتے تھے، آپ کا مذاق اڑاتے تھے، سیٹیاں بجاتے تھے، اور آپ کے طواف اور نماز میں گڑبڑ ڈالتے تھے، مقاتل کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو یہ لوگ آپ کے دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر سیٹیاں

Marfat.com

اور تالیاں بجاتے تھے، تاکہ آپ کی نماز میں گڑبڑ ڈال دیں، اس بنا پر حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق سیٹیاں اور تالیاں بجانا قریش کی ایک قسم کی عبادت تھی، اور مجاہد اور مقاتل کے قول کے مطابق یہ رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانی کا ایک طریقہ تھا۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ خدا خود کہتا ہے کہ

وما کان صلوتھم عند البیت الا مکاء و تصدیۃ (تفسیر کبیر رازی)

اور نہیں ہے اُن کی نماز کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا،

مفسرین کی روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں۔

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

اے بنی آدم اپنی زینت کو (یعنی لباس) کو ہر مسجد کے پاس لیلو،

مسلمانوں کو مشرکینِ عرب کے طریقہ سے الگ دوسرا طریقہ سکھایا ہے، کیونکہ وہ لوگ چونکہ ان کپڑوں کو پہن کر جن میں وہ مرتکب گناہ ہوئے ہیں، خداوند تعالیٰ سے مناجات نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے برہنہ تن ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اور اس سے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کی تائید ہوتی ہے،

ابتداے فرضیتِ نماز کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ وہ صبح وشام کی دو رکعتوں تک محدود تھی،

وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار

اور اپنے پروردگار کی تسبیح شام و صبح پڑھ

اور عبادتِ شب صرف تلاوتِ قرآن کا جیسا کہ سورۂ مزمل کی ابتدا میں مذکور ہے نام تھا، باقی پنجگانہ نماز تو ہجرت سے کچھ دنوں پہلے فرض کی گئی،

قرآن مجید نے تمام احکام میں نماز سے زیادہ کسی حکم کو مہتم بالشان قرار

نہیں دیا، چنانچہ اس کی فرضیت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا، کبھی اس کا صریح حکم دیا، کبھی نماز پڑھنے والے کی، مدح اور اس کے چھوڑنے والے کی ہجو کی، یہاں تک کہ ان تمام مواقع کے تتبع واستقرار سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اسلام میں ستون ہے، اور جس شخص نے اسکو چھوڑ دیا یا اس نے غفلت کی، یا اس کو ریا پڑھا، اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں،

قرآن مجید نے نماز اور رکعات نماز کی تعداد صراحۃً بیان نہیں کی بلکہ صرف اجمالی طور پر اوقات نماز کا ذکر کر دیا۔

فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظھرون،	پس پاکی بیان ہو اللہ کی جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور اسی کے لئے ہے سب تعریف آسمانوں میں اور زمین میں اور رات کے وقت اور جب ظہر کرتے ہو تم،
اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا،	نماز قائم کرو وقت ڈھلنے سورج کے اندھیری رات تک، اور قرآن پڑھ فجر کو، بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہے حاضر کیا گیا،
واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل،	اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ساعتیں رات سے۔
حافظوا علی الصلوٰت والصلاۃ الوسطیٰ	محافظت کرو تمام نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی

اور کیفیت نماز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا

وقوموا للہ قانتین،	اور خدا کے واسطے چپکے کھڑے ہو،
یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا	مسلمانو! رکوع کرو اور سجدہ کرو،

لیکن حدیث نے اس کیفیت کو عملاً بیان کر دیا کیونکہ رسول اللہ صلعم نماز پنجگانہ کو مسلمانوں کے ساتھ باجماعت ادا فرماتے تھے، اور آپ نے ان سے قولاً بھی ارشاد فرما دیا تھا،

صلوا کما رأیتمونی اصلی — جس طرح تم لوگ مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو،

قرآن مجید نے نماز جمعہ کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ کیا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (جمعہ - ۲) — مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دیجائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور سودا کرنا چھوڑ دو،

اور حدیث نے عملاً نماز جمعہ اور اس کے خطبہ کی توضیح کر دی،

جب مسلمانوں کو دشمن کا خوف ہو تو اس وقت ان کو نماز کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا،

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات — اور جب تم سفر کرو تو تم پر قصر نماز کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تمکو یہ ڈر ہو کہ کفار تم کو فتنہ میں ڈالیں گے، بیشک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں، اور جب ہو تم ان کے درمیان اور تم قائم کرو ان کے لئے نماز تو چاہئے کہ کھڑی ہو ان میں سے ایک جماعت تمہارے ساتھ اور چاہئے کہ لے لیں یہ لوگ اپنے ہتھیار، پس جس وقت یہ لوگ سجدہ کریں تو چاہئے کہ ہو جائیں وہ پیچھے تمہارے اور چاہئے کہ دوسری

Marfat.com

طائفۃ اخریٰ لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم،

تمہاری جماعت کا وہ حصہ جس نے نماز نہیں پڑھی ہے آئے اور ساتھ تمہارے نماز پڑھے اور چاہیے کہ یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ، اور اپنے ہتھیار۔

اس کے بعد فرمایا

فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا

پس جب تم آرام پاؤ تو نماز قائم کرو، بیشک نماز مسلمانوں پر فرض موقت ہے،

نماز پڑھنے کے لئے قرآن مجید نے طہارت کو واجب کیا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا، وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم

مسلمانو! جب تم نماز کا قصد کرو تو اپنے منھ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ، اور اگر تم نجس ہو تو خوب پاک ہو جاؤ، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں کوئی جائے ضرورت سے آئے، یا تم عورتوں سے صحبت کرو پھر تم پانی نہ پاؤ تو قصد کرو پاک مٹی کا اور پونچھ لو اپنے منھ اور ہاتھوں کو،

وثیابک فطھر،

اور اپنے کپڑوں کو پاک کر،

اور حدیث نے عملاً اور قولاً ان دونوں قسم کی طہارتوں کو بیان کر دیا ہے،

اور قرآن مجید نے نماز کے لئے زینت (یعنی لباس) کو بھی واجب کیا ہے،

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

اے آدم کے لڑکو! اپنی زینت کو لیلو ہر مسجد کے پاس

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اسلامی شہروں میں علمی حرکت	۲۴۸	بشر بن غیاث المریسی	۳۲۸
حفاظ قرآن کی تعداد میں اضافہ	۲۵۰	بشر بن ولید کندی	"
تدوین حدیث	۲۵۳	عیسٰی بن ابان بن صدقہ	"
مادہ فقہ میں نزاع	۲۵۶	محمد بن سماعہ تمیمی	"
تدوین اصول فقہ	۳۰۷	محمد بن شجاع الثلجی	۳۲۹
اصطلاحات فقیہ کا ظہور	۳۱۶	ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی	"
ان کابر فقہا کا ظہور جن کی سیادت کو عام	۳۱۸	ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے البصری	"
طور پر لوگوں نے تسلیم کر لیا،		ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ	"
امام ابو حنیفہؒ	۳۱۹	احمد بن عمر بن الشہیر بالخصاف	"
سفیان بن سعید ثوری	۳۲۳	بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی المصری	۳۳۰
شریک بن عبداللہ النخعی	"	قاضی ابو خازم عبدالحمید بن عبدالعزیز	"
محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ	"	ابو سعید احمد بن الحسین البردعی	"
ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری	۳۲۴	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاویؒ	"
زفر بن ہذیل بن قیس کوفی	"	امام مالکؒ	۳۳۱
محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی	۳۲۵	ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی	۳۳۵
حسن بن زیاد لولوی	۳۲۶	ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم العتقی	۳۳۶
ابراہیم بن رستم مروزی	۳۲۷	اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی	۳۳۷
احمد بن حفص	"	ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم	"

Marfat.com

اور حدیث نے اس زینت کی مقدار کو جو واجب تھی بیان کر دیا ہے،

قرآن مجید نے نماز کے وقت ہر شخص پر مسجد حرام کی طرف رُخ کرنا واجب کیا ہے، رسول اللہ صلعم ابتدا میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اسکے بعد قرآن مجید نے مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا۔

فول وجھك شطر المسجد الحرام وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ ٗ (تو تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دے اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیرو،)

حدیث نے عملاً اور چند نمازیں بتائی ہیں، جن کو اس نے واجب نہیں کیا ہے، بلکہ نفل قرار دیا ہے، ان میں بعض تو نماز مفروضہ سے پہلے یا اُن کے بعد پڑھی جاتی ہیں، اور بعض ان کے ساتھ نہیں پڑھی جاتیں، عید اور بقرعید کی نماز بھی اسی دوسری قسم میں داخل ہے،

صوم
یعنی
روزہ

عربی زبان میں صوم کے معنی کسی چیز سے رُک جانے اور اس کو چھوڑ دینے کے ہیں، اور صوم کے اصطلاحی معنی یعنی کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانا، اسی سے ماخوذ ہیں،

اسلام سے پہلے بھی عرب میں روزہ کا رواج تھا، چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کے دن کا

Marfat.com

روزہ رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلعم نے بھی روزۂ رمضان کی فرضیت کے زمانہ تک اُس دن کے روزوں کا حکم دیا، لیکن جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو آپ نے فرمایا،

مَن شآء فلیصمہ ومَن شآء افطرہ، | جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو شخص چاہے نہ رکھے،

ابن اسحاق نے حدیث بدء الوحی میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم ہر سال ایک مہینے تک غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت گذاری کا یہ طریقہ تھا، اس لئے آپ ہر سال اسی مہینے میں اعتکاف کرتے تھے، اور آپ کے پاس جو غریب لوگ آتے تھے ان کو کھانا کھلاتے تھے، (الخ) یہ مہینہ رمضان کا مہینہ تھا، جس میں آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے،

خداوند تعالیٰ نے روزوں کے لئے وہی مہینہ انتخاب کیا جس میں آپ ہر سال اعتکاف کرتے تھے، اور اسی میں آپ کو رسالت سے بھی مشرف کیا، چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا،

یَاَیُّہا الَّذِین آمنوا کُتب علیکم الصیام کما کُتب علی الّذین من قبلکم لعلکم تتقون ایامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا او علی سفر فعدۃ من ایام اُخر	مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا، جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، جو تم سے پہلے تھے، شاید کہ تم پرہیزگاری کرو، یہ روزے چند گنتی کے دن کے ہیں، پس تم میں جو بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو اس کی گنتی دوسرے دنوں سے ہے، اور جو لوگ کہ اسکی طاقت نہیں رکھتے

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام	اور اسکے بدلے ایک فقیر کا کھانا فرض ہے پس
مسکین فمن تطوع خیراً فھو	جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو وہ اس کے واسطے
خیر لہ وان تصوموا خیر لکم	بہتر ہے، اور یہ کہ روزے رکھو تم تو یہ تمہارے لئے بہتر
ان کنتم تعلمون شھر رمضان	ہے اگر تم جانتے ہو، رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے
الذی انزل فیہ القرآن ھدیً	جسمیں قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا گیا، اور ہدایت
للناس وبینٰت من الھدیٰ	کی اور تمیز کی کھلی نشانیاں، پس جو تم میں سے حاضر ہو
والفرقان فمن شھد منکم الشھر	اس مہینہ میں تو چاہیے کہ وہ اس مہینہ کا روزہ رکھے، جو
فلیصمہ ومن کان مریضاً او	بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کی گنتی دوسرے دنوں سے
علی سفر فعدۃ من ایام اخر	ہے۔ خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور سختی
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید	کرنا نہیں چاہتا تاکہ تم لوگ پورا کرو
بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا	گنتی کو اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس چیز پر کہ ہدایت
اللہ علی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون؛	کی تمہاری اور شاید تم شکر کرو،

ہمارا خیال ہے کہ حدیث نے مسلمانوں کو رمضان کی راتوں میں عورتوں کی مباشرت سے روک دیا تھا، لیکن قرآن مجید نے اس سختی کو کم کر دیا۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث	تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی بیویوں
الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم	کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا، وہ لباس ہیں
لباس لھن علم اللہ انکم کنتم	تمہارے لئے اور تم لباس ہو ان کے لئے، خدا نے
تختانون انفسکم فتاب علیکم	جان لیا کہ تم خیانت کرتے تھے پس خدا نے تم پر
وعفا عنکم فالآن باشروھن	رحم کیا اور تم سے درگذر کی پس اب ملا کرو ان سے اور

Marfat.com

وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد، (بقرہ-۲۳)

جو کچھ خدا نے تمہارے لئے لکھا ہے اس کو ڈھونڈھو اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ جدا نظر آئے تمہارے لئے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کی پھر پورا کرو روزے کو رات تک اور نہ ملو ان سے اس حالت میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو،

رمضان کے علاوہ سال میں اور جو روزے رکھے جاتے ہیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا،

روزہ ۲ھ میں فرض کیا گیا،

حج

اور

عمرہ

تمام مذہبی قوموں کے لئے خاص خاص مقامات ہیں، جہاں وہ خدا کی عبادت اور تقرب کے لئے جمع ہوتی ہیں، خدا خود کہتا ہے۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام،

اور ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کی طرح مقرر کی تاکہ وہ خدا کا نام اس چیز پر یاد کریں، جو ہم نے ان کو پالے ہوئے چارپایوں سے دی،

ولکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ.

اور ہم نے ہر قوم کے لئے عبادت کی طرح مقرر کی کہ وہ عبادت کرتے ہیں اس کی،

اسی طرح بیت الحرام اہل عرب کی خاص عبادت گاہ تھا، جس کو ان کے باپ اسمٰعیلؑ نے

Marfat.com

اپنے باپ ابراہیم ع کے ساتھ تعمیر کیا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے،

وَاِذْ یرفع ابراھیم القواعد من البیت	اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیاد کعبہ کی اور اسمٰعیل
واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت	اے ہمارے پروردگار قبول کر ہم سے بیشک تو ہی
السمیع العلیم ربنا واجعلنا	سننے والا جاننے والا، اے پروردگار ہمکو اپنا فرمانبردار
مسلمین لک ومن ذریتنا اُمّۃ	اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنی فرمانبردار
مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب	بنا اور دکھا ہمکو ہماری عبادت کی طرح، اور ہم پر
علینا انک انت التواب الرحیم	رحم کر، بیشک تو ہے رحم کرنے والا مہربان،
انّ اول بیت وُضع للناس للذی	بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے
ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ	برکت والا اور دنیا کی ہدایت کے واسطے اس میں
آیٰت بینٰت مقام ابراھیم ومن	کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم کا اور جو کوئی
دخلہ کان آمنا،	داخل ہو، اس میں وہ ہوتا ہے امن میں،
واذ بوانا لابراھیم مکان البیت	اور جس وقت جگہ مقرر کر دی ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ
ان لا تشرک بی شیئا وطھر بیتی	کو اس شرط پر کہ نہ شریک کرے میرے ساتھ کسی چیز کو
للطائفین والقائمین والرکع السجود	اور پاک رکھ میرے گھر کو گرد پھرنے والوں اور ٹھہرے
واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا	رہنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے
وعلی کل ضامر یاتین من کل	اور اعلان کر دے لوگوں میں حج کا کہ آئیں تیرے
فج عمیق،	پاس پیادے اور ہر لاغر اونٹنی پر جو آ نکلیں ہر دور راہ سے
لیشھدوا منافع لھم ویذکروا	تاکہ حاضر ہوں اپنے فوائد کے لئے اور معلوم دنوں
اسم اللہ فی ایام معلومٰت علی	میں خدا کا نام یاد کریں اس چیز پر کہ دیا ہو انکو پالتو

رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا | چار پایوں سے، پس کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ
واطعموا البائس الفقیر، ثم لیقضوا | بھوکے فقیر کو، پھر چاہئے کہ دور کریں اپنے میل
تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا | اور پوری کریں اپنی نذریں اور پھیریں گرد خانۂ
بالبیت العتیق، | قدیم کے،

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے زمانہ سے رسول اللہ صلعم کی بعثت کے زمانے تک اہل عرب اسی طریقہ پر قائم رہے، البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی روش میں بہت کچھ تغیرات کر دیئے تھے، مثلاً انھوں نے بتوں کو خدا کا شریک بنا دیا تھا، اور ان کو خانۂ کعبہ کی پشت، خانۂ کعبہ کے متصل، اور صفا و مروہ میں نصب کر دیا تھا، اور اُن کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا تھا، اور مشاعر ابراہیم کو بدل دیا تھا، اور پالو جانوروں پر غیر خدا کا نام لیتے تھے، لیکن چونکہ بعثت محمدیہ شریعت ابراہیمی کی مجدد تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف مسلم تھے، مشرک نہ تھے اس لئے خدا نے بیت الحرام کو اس امت کی عبادت گاہ قرار دیا، اور اس کے حج و عمرہ کا حکم دیا،

وللہ علی الناس حج البیت من | خدا کیلئے لوگوں پر خانۂ کعبہ کا حج فرض ہو یعنی ان پر
استطاع الیہ سبیلا ومن کفر | جو لوگ وہاں تک جانے کی مقدرت رکھیں، اور جو
فان اللہ غنی عن العالمین واتموا الحج | شخص انکار کرے تو خدا دنیا والوں سے بے نیاز ہے
والعمرۃ للہ، | اور خدا کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو،

اور توحید کو بتوں کو آمیزش سے پاک کرنے اور اہل جاہلیت کی روش کے چھوڑنے کا حکم دیا،

Marfat.com

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا	پس بچتے رہو بتوں کی ناپاکی سے اور بچتے رہو جھوٹ بولنے
قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین	سے توحید کرنے والے اللہ کی، نہ شریک کرنے والے
بہ ومن یشرک باللہ فکانما	ساتھ اس کے، اور جو کوئی شریک کرے ساتھ
خر من السماء فتخطفہ الطیر	اللہ کے پس وہ گویا گر پڑا آسمان سے، پس اچک لیجاتی
او تھوی بہ الریح فی مکان	ہیں اس کو چڑیاں، یا پھینک دیتی ہے اس کو
سحیق،	ہوا دور کے مکان میں،

اور وقت حج اور آداب حج کو اس آیت میں بیان فرمایا،

الحج اشہر معلومات فمن فرض	حج کے مہینے معلوم ہیں، تو جس شخص نے ان مہینوں
فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق	میں حج کی ٹھان لی، تو نہ شہوت ہے نہ بدکاری
ولا جدال فی الحج،	ہے نہ جھگڑا ہے حج میں،

اور حج کے مناسک اور مشاعر کو ان آیتوں میں بیان کیا،

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ	بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے
فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح	ہیں، تو جو کوئی حج کرے خانہ کعبہ کا یا عمرہ کرے
علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع	پس نہیں ہے اس پر گناہ کہ طواف کرے، ان
خیرا فان اللہ شاکر علیم،	دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے بھلائی
	کرے تو خدا قدردان ہے جاننا والا،
فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ	پس جب تم واپس آؤ عرفات سے تو یاد کرو خدا کو مسجد
عند المشعر الحرام واذکروہ	حرام کے پاس اور یاد کرو اسکو جیسا کہ ہدایت کی تمکو
کما ھدٰکم وان کنتم من قبلہ	اور یہ کہ تم تھے اس سے پہلے گمراہوں میں سے، پھر پھرو

Marfat.com

من الضالین ثم افیضوا من حیث
افاض الناس واستغفروا اللہ
ان اللہ غفور رحیم فاذا قضیتم
مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم
او اشد ذکرا،
واذکروا اللہ فی ایام معدودات
فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ و
من تاخر فلا اثم علیہ
لمن اتقی،
ذلک ومن یعظم شعائر اللہ فانہا
من تقوی القلوب، لکم فیہا
منافع الی اجل مسمی ثم محلہا الی
البیت العتیق،
والبدن جعلناہا لکم من
شعائر اللہ لکم فیہا خیر
فاذکروا اسم اللہ علیہا
صواف فاذا وجبت جنوبہا
فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر
یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا

جہاں سے پھرتے ہیں لوگ اور طلب مغفرت کرو خدا سے
بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے پس جب تم اپنی
عبادتیں کر چکو، تو یاد کرو خدا کو اپنے باپوں کے
یاد کرنے کی طرح، یا اس سے زیادہ یاد
یاد کرنا،
اور یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں پس جو
کوئی جلدی کرے دو دنوں میں تو نہیں ہے گناہ اس پر
اور جو کوئی دیر کرے تو نہیں ہے گناہ اس پر یہ واسطے
اُس شخص کے ہے جو پرہیزگاری کرے۔
یہ ہے، اور جو کوئی تعظیم کرے خدا کی نشانیوں
کی تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تمہارے لئے
اس میں فوائد ہیں، ایک مقررہ مدت تک پھر انکے حلال
ہونے کی جگہ خانہ کعبہ کی طرف ہے،
اور قربانی کے اونٹ کو بنایا ہم نے تمہارے لئے
خدا کی نشانیاں تمہارے لئے اسمیں نیکی ہے پس یاد کرو خدا کا
نام اُن کے اوپر اس حال میں کہ وہ پاؤں باندھے ہوئے
ہوں پس جس وقت گر پڑیں پہلو انکے تو کھاؤ اس میں سے
اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنے والوں کو مسلمانو!
نہ بے حرمت کرو خدا کی نشانیوں کو، اور نہ

شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلاً من ربھم ورضواناً

حرام مہینے کو، اور نہ اُس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو، اور نہ گلے میں پٹہ ڈال کر لیجائیں، اور نہ حرمت والے گھر کے قصد کرنے والوں کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کو،

اور نظام احصار و تمتع کے متعلق فرمایا۔

فان احصرتم فما استیسر من الھدی ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام

پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی بھیجو اور منڈاؤ اپنے سروں کو یہانتک کہ پہنچے قربانی حلال ہونے کی جگہ پس تم میں جو بیمار ہو، یا اسکے سر میں تکلیف ہو تو بدلا ہے روزوں سے یا خیرات سے یا ذبح سے پس جب تم امن میں ہو، تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ سے ساتھ حج کے، تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے تو جو کوئی نہ پائے، تو تین دن کا روزہ حج میں اور سات روزے اس وقت جب پھرو تم، یہ دس پورے ہوئے یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ نہ ہوں اسکے اہل رہنے والے مسجد حرام کے،

خداوند تعالیٰ نے مکہ کو حرم اور جائے امن بنایا،

اولم یروا انا جعلنا حرماً آمنا و یتخطف الناس من حولھم،

کیا کفار مکہ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے حرم (مکہ) کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے، اور لوگ (ہیں کہ) ان کے آس پاس سے پکڑے چلے جا رہے ہیں،

Marfat.com

اولم نمکن لھم حرما آمنا یجبی الیہ ثمرات کل شیٔ رزقا من لدنا۔ — کیا ہم نے ان کو حرم (مکہ) میں جہاں (ہر طرح کا) امن (و اطمینان) ہے، جگہ نہیں دی کہ ہر قسم کے پھل یہاں کھچے چلے آتے ہیں، (رزق (ان کو) ہمارے یہاں سے (پہونچتا ہے)

اور احرام باندھنے والے پر شکار کو حرام کیا، اور اس پر کفارہ مقرر فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم و من قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مسکین او عدل ذلک صیاما — مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کرو، اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر شکار کریگا، تو جیسے جانور کو مارا ہے، اس کے بدلے چارپایوں میں سے اسی سے ملتا ہوا (جانور) جو تم میں کے دو منصف ٹھہرا دیں (اس کو) دینا پڑیگا، (اور یہ) نیاز کعبہ پہونچائی جائے یا کفارہ (یعنی ان کی قیمت میں جتنے) محتاجوں کی گذارش (ہو اُن) کا کھانا یا مسکینوں کے گنتے کے برابر روزے،

حج سنہ ۶ھ میں فرض ہوا اور رسول اللہ صلعم اسی سال عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، لیکن آپ کو خانہ کعبہ تک جانے سے روک دیا گیا، اس لئے آپ نے اسی عمرہ کو سنہ ۷ھ میں ادا فرمایا، اس کے بعد سنہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور سنہ ۱۰ھ میں خود رسول اللہ صلعم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا اور اسی میں لوگوں کے لئے حج کی کیفیت بیان فرمائی اور ان سے کہا

خذوا عنی مناسککم — مجھ سے اپنے ارکان سیکھو،

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اصبغ بن الفرج الاموی	۳۳۷	ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی	۳۵۲
محمد بن عبداللہ بن الحکم	۳۳۸	احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادی	"
محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری	"	داؤد بن علی بن امام اہل الظاہر	۳۵۳
ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمن القرطبی	۳۳۹	ابو عثمان بن سعید الانماطی	"
عیسیٰ بن دینار اندلسی	"	ابو العباس احمد بن عمر بن شریح	"
یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی	"	ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبری	"
عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمی	۳۴۰	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	۳۵۴
ابو الحسن علی بن زیاد تونسی	۳۴۱	یوسف بن یحییٰ ابو البویطی المصری	"
اسد بن فرات	"	ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی المصری	"
عبدالسلام بن سعید التنوخی	"	ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار المرادی	۳۵۵
احمد بن معدل بن غیلان العبدی	۳۴۳	حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ التجیبی	"
قاضی ابو اسحٰق، اسماعیل	"	یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی المصری	"
عبدالملک بن عبدالعزیز	۳۴۴	ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن حداد مزنی	۳۵۶
امام شافعیؒ	۳۴۵	امام احمد بن حنبلؒ	"
تلامذہ امام شافعی و رواۃ مذہب شافعی	۳۵۰	ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرم	۳۵۷
ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی	"	احمد بن محمد بن الحجاج المروزی	"
امام احمد بن حنبلؒ	۳۵۱	اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ المروزی	"
حسن بن محمد الصباح الزعفرانی	"	ائمہ شیعہ	۳۵۸

اور نظامِ حج میں مسلمانوں کے لئے متعدد فوائد ہیں،

(۱) مکہ چونکہ ایک غیر مزروعہ سرزمین ہے، اس لئے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعہ سے حج کا پہلا فائدہ تو خاص اہلِ مکہ کو پہنچتا ہے، اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے،

ربِّ انی اسکنتُ من ذریتی بواد	اے میرے پروردگار میں نے آباد کیا اپنی بعض اولاد
غیر ذی زرع عند بیتک المحرّم	کو بن کھیتی والے میدان میں تیرے باحرمت گھر کے
ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ	نزدیک اے میرے پروردگار، تاکہ قائم کریں وہ نماز
من الناس تھوی الیھم وارزقھم	کو پس لوگوں کے دلوں کو مائل کر ان کی طرف
من الثمرات لعلھم یشکرون	اور ان کو میووں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں،

(۲) چونکہ بہت سے حاجی زمانہ حج میں اپنے تجارتی سامان ساتھ لاتے ہیں، جن کو اہلِ ضرورت خریدتے ہیں، اور چونکہ ان میں ہر شخص شہر حرام اور بلد حرام میں ہوتا ہے، اس لئے اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہوتی ہے، اس بنا پر تجارتی گرم بازاری اور ضروریاتِ زندگی کی خرید و فروخت کے ذریعہ سے حج کا دوسرا فائدہ تمام عرب کو پہنچتا ہے، خدا نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے،

لیشھدوا منافع لھم	تاکہ وہ لوگ اپنے فوائد کو حاصل کریں

(۳) مسلمانوں کے عام اجتماع، باہمی تعارف، اتحاد، طریقۂ عبادت اور اتحادِ قبلہ کے ذریعہ سے حج کا تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مکہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں کا عام اجتماع گاہ تھا، دور دراز راستوں سے لوگ وہاں آتے تھے، اور ہر انسان اپنی علمی، دینی اور دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا، چونکہ حج اکبر کا دن اس عام

اتحاد کی ایک یادگار ہے، اس لئے اگر وہ تمام مسلمانوں کی عید کا عام دن قرار پائے، تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جس طرح عید الفطر نزول قرآن کی یادگار ہے، اسی طرح حج اکبر کا دن ختم نزول قرآن کی یادگار ہے، کیونکہ رمضان میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی، اور حج اکبر کے دن اس کا خاتمہ ہوا،

زکوٰۃ

لغت میں زکوٰۃ کے اصلی معنی طہارت، نشو ونما، برکت اور مدح کے ہیں، اور قرآن و حدیث میں یہ تمام معنی مستعمل ہیں، مال کی اس مقدار میں جس کو ایک دولت مند شخص صدقۃً دیتا ہے اس لفظ کا استعمال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ اُس کے مال کا تزکیہ کرتا ہے یعنی اس کو پاک کرتا ہے، اور اس کو بڑھاتا ہے، قرآن مجید نے اس لفظ کی طرح اسی معنی میں صدقہ کا استعمال بھی کیا ہے،

نماز کی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ذکر بھی نہایت اہتمام کے ساتھ کیا ہے، چنانچہ بسا اوقات ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات تنہا، اس کا ذکر کبھی لفظ زکوٰۃ کبھی لفظ صدقہ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے،

وویل للمشرکین الذین لایؤتون الزکاۃ	اور افسوس ہے ان مشرکین پر جو زکوٰۃ نہیں دیتے
خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا	ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے کہ تو ان اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور اُن کو تزکیہ کرے،
کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ	اس کے پھل کو کھاؤ جب وہ پھل لائے اور اس کے کاٹنے کے وقت اس کا حق دو،
وما اتیتم من ربا لیربوا فی	اور جو کچھ دیتے ہو تم سود کو کہ وہ بڑھے لوگوں کے

اموال الناس فلا یربوا عند اللّٰہ وما	مالوں میں تو نہیں بڑھتا، وہ خدا کے نزدیک درجہ
آتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللّٰہ	کچھ دیتے ہو تم زکوٰۃ سے کہ چاہتے ہو تم رضامندی
فاولئک ھم المضعفون	اللہ کی، تو یہ لوگ ہیں دوگنا کرنے والے،

قرآن مجید نے اس مال کی تفصیل نہیں کی جس میں زکوٰۃ واجب ہے، اور زکوٰۃ کی مفروضہ تعداد بھی نہیں بتائی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملین صدقہ کے نام جو خط لکھا ہے اس میں اس کی توضیح فرما دی ہے،

قرآن مجید نے مستحقین زکوٰۃ کی تعیین کر دی ہے،

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین	صدقہ صرف فقیروں، محتاجوں، محصلین زکوٰۃ اور
والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم	مولفۃ القلوب لوگوں کے لئے ہے،
وفی الرقاب والغارمین وفی	اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور قرضداروں
سبیل اللّٰہ وابن السبیل فریضۃ	میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کو یہ فرض ہے اللہ
من اللّٰہ واللّٰہ علیم حکیم	کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے،

نظام زکوٰۃ ایک عظیم الشان نظام ہے جو،

(۱) دولتمند لوگوں کو محتاجوں کے بغض و عداوت سے محفوظ رکھتا ہے،

(۲) جو لوگ اپنی قوت سے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے، ان کی کفالت کے ذریعہ سے متعدد مصائب کو دور کرتا ہے،

(۳) تمام قوم کے مجموعی مصالح بالخصوص اُس مصلحت کے متعلق جس کو خدا نے لفظ سبیل اللہ سے بیان فرمایا ہے، متعدد نیکیوں کے کرنے میں معین ہوتا ہے، بشرطیکہ قوم میں اُن مصالح کے انجام دینے والے موجود ہوں،

زراعت اور مویشیوں کے ذریعہ سے جو پیداوار ہوتی تھی، اہل عرب نے اس کے متعلق ایک نظام قائم کر لیا تھا، اور انھوں نے اس کا ایک حصہ خدا کے لئے، اور ایک حصہ بتوں کے لئے مقرر کر دیا تھا، چنانچہ جہاں اُن چیزوں کا بیان آئے گا جن کو اہل عرب نے حلال یا حرام کر دیا تھا، وہاں اس کی تفصیل آئے گی،

قرآن مجید نے بعض اور چیزوں کو بھی عبادات کے سلسلہ میں داخل کر لیا ہے،

(۱) ایک تو نظام قسم، جس کی نسبت خداوند تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے،

ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس والله سميع عليم، لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم والله غفور رحيم،	اور نہ بناؤ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ یہ کہ بھلائی کرو، پرہیزگاری کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ اور خدا سننے والا جاننے والا ہے، تمھاری لایعنی قسموں پر خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا، جو تمھارے دلی ارادہ سے ہوں اور خدا بخشنے والا بردبار ہے،

اور سورہ مائدہ میں فرمایا،

لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام ذالك كفارة	تمھاری قسموں میں جو لایعنی ہیں، اُن پر خدا تم سے مواخذہ نہیں کرتا، وہاں وہ پکی قسموں پر تم سے مواخذہ کریگا، تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے پہنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا تو جو شخص غلام نہ پائے تو تین دن کے

Marfat.com

ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تشکرون،
روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھاؤ اور اپنے قسموں کی احتیاط رکھو، اسی طرح خدا اپنی آیات تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اسکی شکر گذاری کرو

اور سورہ تحریم میں فرمایا،

قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم
تمہارے لئے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ ڈالنے کا ٹھہراؤ کر دیا ہے،

اور حدیث نے یہ بیان کر دیا ہے کہ قسم صرف خدا کی کھائی جا سکتی ہے،

(۲) دوسرے کھانے کی حلال و حرام چیزیں، چنانچہ قرآن مجید نے ان کی پوری تفصیل بیان کی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے سورہ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بیان فرمایا ہے،

ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث،
اور اُن کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے،

اور سورہ نحل میں فرمایا۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر
تو خدا نے تمکو جو حلال طیب روزی دی ہے اسکو کھاؤ اور اگر تم صرف خدا ہی کو پوجتے ہو تو اسکی نعمت کا شکر کرو، اس نے تو تم پر صرف مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جو خدا کے سوا اور کسی کے نام پر نامزد کیا جائے حرام کیا ہے، پھر جو شخص (بھوک) سے بے قرار ہوا اس حالت میں

غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم،

کہ نہ سرتابی کرنے والا ہو (حکم خدا سے) اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (حد ضرورت سے) اور مجبور ہو کر کوئی حرام چیز کھالے، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اور سورۂ انعام میں فرمایا

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم،

اے پیغمبر کہو کہ کوئی کھانے والا (ان چیزوں میں سے جنکو تم حرام کہتے ہو) کچھ کھائے تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس میں تو میں اس پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو، یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بے شبہہ ناپاک ہیں، یا وہ جانور جو نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح اور نامزد کیا گیا ہو تو جو شخص بھوک سے بے قرار ہو، اس حالت میں کہ خدا کی نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ حد ضرورت سے تجاوز کرتے والا ہو، تو تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے،

اور سورۂ بقرہ میں فرمایا

یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون انما حرم علیکم المیتۃ

مسلمانو ہمارے پاک رزق سے کھاؤ اور اگر تم فقط خدا ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکریہ ادا کرو، تم پر تو خدا نے صرف مردار کو، اور خون کو، اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جو خدا کے

والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم،

علاوہ اور کسی کے نام پر (ذبح) اور نامزد کیا گیا ہو حرام کیا ہے، تو جو شخص بھوک سے بیقرار ہو اور خدا کی نافرمانی کرنے والا اور حد ضرورت سے تجاوز کرنیوالا نہ ہو تو ان چیزوں کے کھا لینے میں بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے،

اور سورہ مائدہ میں فرمایا۔

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب،

مرا ہوا (جانور) اور لہو اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر نامزد کیا گیا ہو اور وہ جانور جو گلا گھوٹنے سے مرگیا ہو، اور چوٹ سے مرا ہوا اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جو کسی جانور کا سینگ لگ کر مرا ہو، یہ سب چیزیں تم پر حرام کی گئیں، اور نیز وہ جانور) جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو، مگر (جس کے مرنے سے پہلے) تم نے اسکو حلال کر دیا ہو اور نیز وہ جانور) جو بتوں پر ذبح کئے گئے ہوں،

اور نیز اسی سورہ میں فرمایا،

یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا

اے پیغمبر لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کیلئے حلال کی گئی ہے، تو ان سے کہدے کہ کھانے کی تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں، اور شکاری جانور جو تم نے شکار

Marfat.com

مما امسکن علیکم واذکروا
اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ
ان اللہ سریع الحساب
الیوم احل لکم الطیبات
وطعام الذین اوتوا الکتاب
حل لکم وطعامکم
حل لھم،

سدھا رکھے ہو (اور شکار کا طریقہ) جیسا کہ تم کو خدا نے سکھا رکھا ہے، ویسا ہی تم نے انکو سکھا دیا ہو تو وہ شکاری جانور جو (شکار) تمھارے لئے پکڑ رکھیں اُن کو کھا لو، اور جس طرح ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیا کرتے ہو اسی طرح شکاری جانور کے چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے، آج تمام پاکیزہ چیزیں تمھارے لئے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لئے حلال ہے،

اور فرمایا،

احل لکم صید البحر وطعامہ
متاعا لکم وللسیارۃ،

دریائی شکار اور کھانے کی دریائی چیزیں تمھارے لئے حلال کر دی گئیں تاکہ تم کو اور دوسرے مسافروں کو فائدہ پہونچے،

فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ
ان کنتم بآیاتہ مومنین
وما لکم الا تاکلوا مما
ذکر اسم اللہ علیہ وقد
فصل لکم ما حرم علیکم الا

پس اگر تم خدا کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحے پر اس کا نام لیا گیا ہو اسی میں سے کھاؤ اور آخر جس (ذبیحے) پر خدا کا نام لیا گیا ہو اس میں سے تم کیوں نہیں کھاتے، حالانکہ خدا نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں، ان کی تفصیل کر دی ہے، بجز اس چیز کے

Marfat.com

مااضطررتم الیہ — جس کے کھانے پر تم مجبور ہو،

ولاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق، — اور جس (ذبیحے) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، اسی میں سے نہ کھاؤ، اور بیشک اسمیں سے کھانا نافرمانی کی بات ہے۔

اور پینے کی چیزوں میں سے شراب کو حرام کیا،

اور مشرکین نے کھانے کی جن چیزوں کو اپنے بتوں کے لئے مخصوص کرکے حرام کر لیا تھا اس پر اعتراض کیا،

وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکائھم — اور کافروں نے خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور خدا کے پیدا کئے ہوئے چوپایوں میں سے اللہ کا بھی ایک حصہ ٹھہرایا، اور اپنے خیال کے مطابق کہا کہ یہ حصہ خدا کا اور یہ حصہ ہمارے شرکاء کا ہے پھر لگا بتاؤ یہ ہوتا ہے کہ جو حصہ ان کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ تو خدا تک نہیں پہنچتا، اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء تک پہونچ جاتا ہے، کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

وقالوا ھذہ انعام وحرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم وانعام حرمت ظھورھا وانعام لا یذکرون اسم اللہ علیھا — اور ان لوگوں نے کہا کہ فلاں چار پایے اور فلاں کھیتی ممنوع ہیں کہ ان کو اس شخص کے سوا جسکو ہم اپنے خیال کے مطابق چاہیں دوسرا نہیں کھا سکتا، اور کچھ چار پایے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ (پر سوار ہونا یا لادنا) ممنوع ہے اور کچھ چار پائے ایسے ہیں، جن کے

افتراءً علیه، سیجزیهم بما
کانوا یفترون وقالوا ما فی
بطون هذه الانعام خالصة
لذکورنا ومحرم علی ازواجنا
وان یکن میتة فهم فیه
شرکاء سیجزیهم وصفهم
انه حکیم علیم قد خسر
الذین قتلوا اولادهم سفها
بغیر علم وحرموا ما رزقهم الله
افتراءً علی الله قد ضلوا و
ما کانوا مهتدین،

(انعام - ۱۷)

ذبح کرنے کے وقت) وہ ان پر خدا کا نام نہیں لیتے
تو خدا پر (یہ اُن کی) افترا پردازیاں ہیں تو جیسی جیسی
افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے ہیں عنقریب خدا ان کو
انکی سزا دیگا، اور انھوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہم نے بتوں کے
نام کے جو چارپائے چھوڑ رکھے ہیں ان چارپایوں کے
پیٹ میں (سے) جو بچہ نکلے اور (اس میں جان ہو تو)
صرف ہمارے مردوں کے لئے ہے، اور ہماری عورتوں
پر اس کا کھانا حرام ہے، اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو
مرد، عورت (سب) اسکے کھانے میں شریک ہیں تو خدا
عنقریب انکی باتوں پر اُن کو سزا دیگا، بیشک وہ
حکمت والا باخبر ہے، بیشک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں
جنھوں نے بدعقلی سے براہ نادانی اپنے بچوں کو مار ڈالا
اور خدا نے جو روزی ان کو دی تھی، خدا پر جھوٹ
جھوٹ بہتان باندھ کر اسکو حرام کرلیا، بلاشبہ یہ لوگ
گمراہ ہوئے اور سیدھے راستے پر آنے والے تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا

ومن الانعام حمولة وفرشا
کلوا مما رزقکم الله ولا تتبعوا
خطوات الشیطان انه

اور خدا نے چارپایوں میں سے (بعض بلند قامت)
بوجھ اٹھانے والے (مثلاً اونٹ) اور (بعض) زمین سے
لگے ہوئے (جو نہیں لادے جاتے مگر بھیڑ بکری

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
فنا شدہ مذاہب	۳۶۲	دورِ تقلید	۴۲۰
ابوعبدالرحمن بن محمد الاوزاعی	،،	اسبابِ تقلید	۴۲۳
ابوسلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی	۳۶۴	اس دور کے علمار کے کارنامے	۴۲۸
ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری	۳۶۹	مناظرہ و جدل کی اشاعت	۴۳۳
علی بن عبدالعزیز بن محمد دولابی	۳۷۰	مذہب اسماعیلی	۴۴۱
ابوبکر محمد بن احمد بن ابی الثلج الکاتب	،،	تعصبات مذہبی کی اشاعت	۴۴۴
ابوالحسن احمد بن یحیی المنجم المتکلم	،،	اس دور کے فقہار	۴۴۷
ابوالحسن الدقیقی الحلوانی	۳۷۱	ابوالحسن عبیداللہ بن الحسن الکرخی	۴۴۸
ابوالفرج المعافی بن زکریا النہروانی	،،	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص کرخی	،،
تفریع مسائل	،،	ابوجعفر محمد بن عبداللہ البلخی	،،
طلاق بالحساب	۳۷۴	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	،،
مسائل الحیل	۳۸۰	ابوعبداللہ یوسف بن محمد الجرجانی	،،
احکام میں کتابوں کی تدوین	۳۸۱	ابوالحسن احمد بن محمد القدوری	۴۴۹
امام ابوحنیفہ کے مذہب کے متعلق کتابیں	۳۸۲	ابوزید عبیداللہ بن عمر الدبوسی	،،
امام مالک کے مذہب کے متعلق کتابیں	۳۹۶	ابوعبداللہ الحسین بن علی الصیمری	،،
امام شافعی کے مذہب کے متعلق کتابیں	۴۰۳	ابوبکر خواہرزادہ محمد بن الحسین البخاری	،،
پانچواں دور		شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۰
سیاسی حالت	۴۱۶	شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی	،،

Marfat.com

لكم عدو مبين ثمانية ازواج
من الضأن اثنين ومن المعز
اثنين قل ءآلذكرين حرم ام الا
نثيين اما اشتملت عليه ارحام
الانثيين نبئوني بعلم ان كنتم
صادقين ومن الابل اثنين
ومن البقر اثنين قل ءآلذكرين
حرم ام الانثيين اما اشتملت عليه
ارحام الانثيين ،

چار پایے پیدا کئے، خدا نے تمکو جو روزی دی ہے
اسمیں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ
وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے خدا نے (چارپائے نر و مادہ) آٹھ
قسم کے پیدا کیے ہیں، بھیڑوں میں سے (نر و مادہ) دو
بکریوں میں سے (نر و مادہ) دو اے پیغمبر کہو کہ خدا نے (بھیڑ
بکری کے) دونوں نروں کو حرام کیا ہے، یا دونوں ماداؤں کو، یا
اس (بچے) کو جس کو ان دونوں ماداؤں کے پیٹ اپنے
اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ مجھ کو علم کے ساتھ خبر دو اگر
تم سچے ہو اور اونٹوں میں سے (نر و مادہ) دو اور گائے
میں سے (نر و مادہ) دو، اب اے پیغمبر ان سے پوچھو
کہ (خدا نے اونٹ گائے) کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے
یا دونوں مادیوں کو یا اس بچے کو جس کو دونوں مادیوں کے پیٹ
اپنے اندر لیے ہوئے ہیں،

سورۂ مائدہ میں فرمایا

وما جعل الله من بحيرة
ولا سائبة ولا وصيلة
ولا حام ولكن الذين كفروا
يفترون على الله الكذب
واكثرهم لا يعقلون ،

نہ بحیرہ (وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر کان پھاڑ کر
چھوڑ دی جاتی تھی) اور نہ سائبہ (یعنی سانڈ جس سے
کوئی کام نہ لیا جائے) اور نہ وصیلہ (وہ اونٹنی جسکے
پلوٹھی کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہوں، اس کو
متبرک سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے) اور نہ حام (شتر

جس کی نسل سے دس بچے ہو گئے، اور آخر عمر میں اس کو
خدمت سے معاف کر دیا (ان میں) کوئی چیز خدا نے
نہیں ٹھہرائی، بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ (جھوٹا بہتان)
باندھتے ہیں اور ان (میں) کے اکثر عقل نہیں رکھتے

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مشرکین عرب کے یہاں کھیتوں اور مویشیوں کی پیداوار کے متعلق ایک نظام موجود تھا، جس کا ایک حصہ انھوں نے خدا کے لیے مقرر کیا تھا، اور وہ فقراء و مساکین پر صرف کیا جاتا تھا، دوسرا حصہ بتوں کے لئے مقرر تھا، جو متولیان بت خانہ پر صرف کیا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ بتوں کے مقررہ حصے کی نگرانی نہایت اہتمام کے ساتھ کرتے تھے، اس لئے اس کا کوئی جزو دوسرے کو نہیں مل سکتا تھا لیکن خدا کے مقررہ حصے کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس کے بعض اجزا سے متولیان بت خانہ بھی فائدہ اٹھاتے تھے،

دوسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جو چوپایے اور جو کھیتیاں غیر خدا کے نام پر مقرر کی گئی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں،

(۱) ممنوع جس کو اس شخص کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا، جس کو وہ چاہیں،

(۲) وہ چوپایے جن کی پیٹھ حرام کردی گئی ہے، (یعنی ان پر نہ لادا جا سکتا، نہ ان پر سواری کی جا سکتی)،

(۳) وہ چوپایے جن کو وہ خدا کا نام لیکر ذبح نہیں کرتے،

اور سورہ مائدہ میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا جو ذکر کیا گیا ہے، ان سے بعض یہی تینوں قسمیں مراد ہیں،

اس کے بعد تیسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے اس مقررہ نظام کو بیان فرمایا جو انھوں نے اُن چوپایوں کی پیداوار یعنی اُن بچوں کے متعلق جو اُن کے پیٹوں میں ہوتے تھے، قائم کر لیا تھا، اور اس کی بناء پر انھوں نے ان کو صرف اپنے مردوں کے لیے مخصوص کر لیا تھا، وہی ان کا دودھ پیتے تھے، اور وہی ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، عورتوں کے لیے انھوں نے ان کو بالکل حرام قرار دیا تھا، ان کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا، لیکن جب وہ مرجاتا تھا تو سب کے سب اس کے کھانے میں شریک ہو جاتے تھے، اور اُن تصرفات پر جن کو انھوں نے خود اختراع کر لیا تھا، اور جھوٹ موٹ ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے اس طرح سرزنش کی،

ام کنتم شھداء اذ وصاکم اللہ بھذا — کیا جب خدا نے تم کو اُن چیزوں کا حکم دیا تھا تو تم موجود تھے۔

اور خدا کی اس بیان کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جو صدقات اپنا حاجات کے لیے نکالتے تھے، اس کا انھوں نے ایک نظام قائم کر لیا تھا، البتہ اس نظام میں ایسی چیزوں کی آمیزش ہو گئی تھی، جنھوں نے اس کو بدنما بنا دیا تھا، یعنی شرک کی آمیزش، اور بعض چوپایوں کا حرام اور بعض کا حلال کر لینا، اس بنا پر قرآن مجید نے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا، اور زکوٰۃ کا مستقل نظام قائم کیا جس کی بنیاد اس طرح قائم کی،

وآتوا حقہ یوم حصادہ — اور اس کے حق کو اس کے کاٹنے کے دن ادا (کرو)

اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دیا، صرف چند چیزیں حرام کیں جن کے متعلق اس کے بعد ہی تصریح کر دی،

Marfat.com

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم،

والے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ کوئی کھانے والا ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کرتے ہو) کچھ کھائے تو میری طرف جو وحی آئی ہے، اس میں تو میں اس پر کوئی چیز حرام پاتا نہیں مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بے شبہہ ناپاک ہیں یا (وہ جانور) موجب نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کے لئے (ذبح اور نامزد کیا گیا ہو) اس پر بھی جو شخص (بھوک سے) لاچار ہو اور نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ (حد ضرورت سے) تجاوز کرنیوالا ہو (اور وہ ان ناپاک چیزوں میں سے کچھ کھالے تو تمہارا پروردگار بیشک بخشنے والا مہربان ہے،

اس سلسلے کی سب سے آخری آیت جو سورہ مائدہ میں ہے، وہ یہ ہے ۔

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین،

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام بھی کئے (تو جو کچھ انہوں نے پہلے کھا پی چکے، اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں، جب کہ انھوں نے (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور (اچھا پرہیز) کیا اور اللہ خلوص دل سے نیک کام کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق

ویحرم علیھم الخبائث — اور پیغمبر اُن لوگوں پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے

حدیث میں بعض حیوانات مثلاً درندہ جانور، پنجہ دار چڑیاں اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی۔

جہاد

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ۱۳ سال تک اپنے دین کی دعوت دیتے رہے، اور اس سلسلے میں آپ مشرکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکالیف ابتلاآت میں مبتلا کئے گئے۔ ان میں بعض تکلیفیں تو بذات خود آپ کو پہونچتی تھیں، اور بعض سے آپ کے اصحاب کو دوچار ہونا پڑتا تھا، کفار بہت سے جھوٹے اتہامات وافتراآت کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور دعوت اسلام کے قبول کرنے سے روکتے تھے چنانچہ قرآن مجید نے ان اتہامات وافتراآت کی تردید کی ہے، اور مکی سورتیں ان کے بیان سے لبریز ہیں، چونکہ مکی مسلمان ان ناجائز مظالم کی مدافعت کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لئے اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے ان کو مجبوراً مکہ چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کرنا پڑی

خدا کی مرضی سے مدینہ کے عرب یعنی اوس اور خزرج نے دعوت اسلام کو قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اس بات پر بیعت لی کہ جن چیزوں سے وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آپ کی بھی حفاظت کریں گے، اس بیعت کے بعد جب کہ اہل مکہ نے آپ کی جان لینے پر پورا اتفاق کر لیا تھا، آپ نے اوس وخزرج کی طرف ہجرت کی، اور آپ کے مدینہ آنے کی ابتدا میں جہاد فرض ہوا

Marfat.com

جس بنا پر مسلمانوں کو جہاد کا اذن دیا گیا تھا، قرآن مجید کے متعدد مواقع پر اس کو بیان کیا ہے، اور اس کا دارومدار دو باتوں پر ہے،

(۱) ظلم کے وقت مدافعت عن النفس (یعنی حفاظتِ جان)

(۲) اگر دعوتِ اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہونچا کر ابتلاء و امتحان میں ڈالے؛ تاکہ اس نے اپنے جس عقیدہ کو پسند کیا ہے اُس سے پلٹ جائے۔ یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام سے روک دے، یا کسی داعیِ اسلام کو تبلیغ و دعوت سے باز رکھے، تو ان صورتوں میں دعوتِ اسلام کی مدافعت و حفاظت کی جائے،

قرآن مجید نے جن مواقع پر ان امور کو بیان کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے سورہ حج میں آیت سب سے پہلے جہاد کے متعلق نازل کی ہے وہ یہ ہے فرمایا

اذن للذين يقتلون بانهم
ظلموا وان الله على نصرهم
لقدير ن الذين اخرجوا من
ديارهم بغير حق الا
ان يقولوا ربنا الله ولولا
دفع الله الناس بعضهم
ببعض لهدمت صوامع وبيع
وصلوات ومسجد يذكر

جن (مسلمانوں) سے (کافر) لڑتے ہیں (اب) ان کو
(بھی ان کافروں سے لڑنے کی) اجازت ہے؛ اس لئے
کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، اور کچھ شبہہ نہیں کہ اللہ اُن کی
مدد کرنے پر قادر ہے، (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو ناحق
اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق
اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، اور اگر اللہ لوگوں کو
ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) نہ ہٹواتا رہتا، تو
نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبا

فیہا اسم اللہ کثیراً ولینصرن	اور مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا
اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی	کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے
عزیز الذین ان مکنا ھم	اور جو اللہ کی مدد کریگا، اللہ (بھی) ضرور اسکی
فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و	مدد کریگا، اور کچھ شبہہ نہیں کہ اللہ زبردست اور
اتوا الزکاۃ وامروا بالمعروف	غالب ہے، یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے مسلمان
ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ	ہیں، تو مظلوم ہیں) اگر ہم کم وقت بناکر ہم زمین
الامور،	میں اُن کے پاؤں جما دیں تو وہ نماز پڑھیں گے
	زکوٰۃ دیں گے اور (لوگوں کو) اچھے کام کا حکم
	دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب
	چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

یہ آیت گویا مکی سورۂ شوریٰ کی اس آیت کی تفسیر ہے،

ولمن انتصر بعد ظلمہ	اور جس کسی پر ظلم ہوا اور وہ اُس کے بعد بدلہ لے
فاولئک ما علیھم من سبیل	تو یہ لوگ (معذور ہیں) ان پر کوئی الزام نہیں،
انما السبیل علی الذین یظلمون	الزام تو انہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور ناحق
الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق	ملک میں لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں
اولئک لھم عذاب الیم،	جن کو عذاب دردناک ہوتا ہے،

(۲) خدانے مدنی سورۂ بقرہ میں فرمایا،

وقاتلوا فی سبیل اللہ	اور (مسلمانو!) جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے
الذین یقاتلونکم ولا	رستے (یعنی دین کی حمایت) میں اُن سے لڑو،

Marfat.com

تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین
واقتلوھم حیث ثقفتموھم
واخرجوھم من حیث
اخرجوکم والفتنة اشد
من القتل ولا تقاتلوھم
عند المسجد الحرام حتیٰ
یقاتلوکم فیه فان قاتلوکم فاقتلوھم کذلک
جزاء الکافرین فان انتھوا
فان الله غفور رحیم و
قاتلوھم حتیٰ لا تکون
فتنة ویکون الدین لله
فان انتھوا فلا عدوان
الا علی الظالمین الشھر الحرام
بالشھر الحرام والحرمات
قصاص فمن اعتدیٰ علیکم
فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ
علیکم واتقوا الله واعلموا
ان الله مع المتقین ۔

اور زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست
نہیں کرتا اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) ان کو
جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تم کو
نکالا ہے (یعنی مکہ سے) تم بھی ان کو (وہاں سے)
نکال باہر کرو، اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے
بھی بڑھ کر ہے، اور جب تک کافر ادب (اور حرمت)
والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں
تم بھی اس جگہ اُن سے نہ لڑو، لیکن اگر وہ لوگ تم سے
لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو، ایسے کافروں کی یہی سزا
ہے، پھر اگر باز آئیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اور وہاں تک اُن سے لڑو کہ (ملک میں) فساد باقی
نہ رہے، اور دین خدا کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ (فساد)
سے باز آ جائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں
کرنی چاہئے، زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر
(جائز ہی) نہیں، ادب (و حرمت) والے مہینوں
کا بدلہ ادب (و حرمت) والے مہینے اور (مہینوں
کی خصوصیت نہیں، بلکہ) ادب کی (تمام چیزوں کا بدلہ)
ادلے کا بدلہ ہے تو جو تم پر (کسی قسم کی) زیادتی کرے
تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے، ویسی زیادتی

تم بھی اس پر کرو، (اور زیادتی کرنے میں) اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ انھی کا ساتھی ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں (بقرہ ۲۴)

اور مدنی سورۂ انفال میں فرمایا۔

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله فان انتهوا فان الله بما يعملون بصير وان تولوا فاعلموا ان الله مولكم نعم المولى ونعم النصير،

اور (مسلمانو) کافروں سے لڑتے رہو یہانتک کہ فساد نہ رہے، اور کل دین خدا ہی کا ہو جائے پس اگر یہ لوگ (فساد سے) باز آجائیں تو جو کچھ یہ لوگ کریں گے اللہ اسکو دیکھ رہا ہے، اور اگر سرتابی کریں تو (مسلمانو) سمجھے رہو کہ اللہ تمھارا حامی ہے اور (کیا ہی) اچھا حامی اور (کیا ہی) اچھا مددگار ہے

(۳) مدنی سورۂ نساء میں فرمایا:۔

وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا،

اور (مسلمانو) تمکو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے (دشمنوں) سے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (یعنی مکے) سے کہ (جہاں) کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا،

(۴) مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جس نے نہ اپنی قوم سے لڑنا پسند کیا، اور نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہا، اور اس بنا پر فتنہ و فساد سے الگ ہو گئی، فرمایا:۔

فان اعتزلوكم فلم

پس اگر (ایسے لوگ) تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے

Marfat.com

يقاتلوكم والقوا اليكم السّلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلاً، | نہ لڑیں اور تمھاری طرف پیغام صلح ڈالیں تو ایسے لوگوں پر دست درازی کرنے کا، تمارے لئے اللہ نے کوئی راستہ نہیں رکھا،

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ صلح کی طرف ان کا حقیقی میلان ہو، اور اس میں کسی قسم کا تذبذب نہ ہو، چنانچہ اس قسم کے لوگوں کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا،

ستجدون آخرين يريدون ان يامنوكم ويامنوا قومهم كلما ردوا الى الفتنة اركسوا فيها فان لم يعتزلوكم ويلقوا اليكم السلم ويكفوا ايديهم فخذوهم واقتلوهم حيث ثقفتموهم واولئكم جعلنا لكم عليهم سلطانا مبينا، | کچھ اور لوگ تم ایسے پاؤگے جو تم سے (بھی) امن میں رہنا چاہتے ہیں، اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہنا چاہتے ہیں، (مگر یہ حال ہی) کہ جب کبھی کوئی ان کو فساد کی طرف لوٹا کر لیجائے تو اوندھے منھ اس میں گر جانے کو موجود، سو (ایسے لوگ) اگر تم سے کنارہ کش نہ رہیں اور نہ تمھاری طرف (پیغام) صلح ڈالیں اور نہ (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو، اور یہی لوگ ہیں جن کے مقابلے میں ہم نے تمارے لئے کھلی ہوئی حجت پیدا کر دی ہے،

(نساء ۱۲)

(۵) صلح کے بارے میں فرمایا۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم وان يريدوا ان يخدعوك | اور اے پیغمبر، اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی سب کی سنتا، اور (سب کچھ) جانتا ہے اور اگر

Marfat.com